طوفانی رات میں فرار

اے حمید

کمانڈو کی بیٹی

PDFBOOKSFREE.PK

بسم اللہ الرحمن الرحیم

معزز قارئین توجہ فرمائیں!

پاکستان ورچوئل لائبریری پر موجود تمام کتابیں قارئین کے مطالعے اور دعوتی و اصلاحی مقاصد کے لئے اپلوڈ کی جاتی ہیں۔

تنبیہ

کسی بھی کتاب کو تجارتی یا مادی نفع کے حصول کی خاطر استعمال کرنے کی سخت ممانعت ہے، اور ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کے لیے استعمال کرنا اخلاقی ، قانونی و شرعی جرم ہے۔

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

روبی نے فائر کرنے کے لئے اسٹین گن کی نالی کو ذرا نیچے کیا ہی تھا کہ شیر خان نے اس کا ہاتھ پیچھے کھینچ لیا' "پاگل ہو گئی ہو؟" اس کو شیر خان کا سخت پنجابی لہجہ بہت برا لگا۔

روبی کی رگوں میں بھی پنجابی باپ کا خون دوڑ رہا تھا اس کی ماں انڈونیشیا کی تھی تو کیا ہوا روبی نے بھڑک کر اسٹین گن کا رخ شیر خان کی طرف کر دیا۔ "خبردار جو مجھے پھر پاگل کہا۔

شیر خان نے روبی کی بات کا کوئی جواب نہ دیا' وہ اپنی اسٹین گن کی نالی سے آگے آئی ہوئی جھاڑی کی ٹہنی پرے ہٹا کر ٹیلے کی ڈھلان کے نیچے دیکھنے لگا' نیچے ایک پہاڑی نالے کے ساتھ ساتھ چھوٹی سڑک جا رہی تھی' سڑک کے کنارے سیکورٹی گارڈز کی جیپ کھڑی تھی' نیلی وردیوں والے سیکورٹی گارڈ جیپ کے پاس کھڑے پیچھے سڑک کی طرف دیکھ رہے تھے جو آگے جا کر درختوں میں گم ہو گئی تھی روبی کی آنکھیں بھی ان سپاہیوں پر جمی تھیں' اس نے اپنی کشادہ پیشانی پر آئی ہوئی بالوں کی لٹ کو جھٹک کر پیچھے کرتے ہوئے کہا۔

"لگتا ہے کسی نے مخبری کر دی ہے' یہ ہمیں گھیرے میں لے رہے ہیں ان دو آدمیوں کو ہم آسانی سے ہلاک کر کے یہاں سے فرار ہو سکتے ہیں ان کی پوری پارٹی آ گئی تو جان بچانی مشکل ہو جائے گی۔"

شیر خان نے اپنی بڑھی ہوئی داڑھی پر الٹا ہاتھ پھیرا اور گہرا سانس بھر کر بولا۔

"یہ صرف دو نہیں ہیں' ان کے باقی آدمی ضرور آس پاس ہوں گے' تم صبر کرو۔"

روبی دانتوں سے اپنے ہونٹ کاٹتی ہوئی نیچے دیکھنے لگی' دونوں نوجوان تھے' دونوں کے خون گرم تھے' دونوں ایک دوسرے سے محبت بھی کرتے تھے اور ایک دوسرے سے لڑتے بھی رہتے تھے' شیر خان کی عمر انیس بیس سال ہو گی مگر اس کے شانے چوڑے' قد نکلتا ہوا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جسم بھرا بھرا ورزشی تھا' وہ اپنی عمر سے زیادہ جوان لگتا تھا۔

روبی سولہ سترہ برس کی منہ زور ضدی قسم کی خوبصورت مگر سخت جان لڑکی تھی۔

یہ دونوں کون تھے؟ وہ کون سے حالات تھے جن کا شکار ہو کر یہ دو محبت کرنے والے زندگی اور موت کی جنگ لڑ رہے تھے؟ یہ ساری باتیں میں آپ کو بعد میں بتاؤں گا' ایک بات کی وضاحت میں ضروری سمجھتا ہوں چونکہ یہ ایک سچی داستان ہے اور اس کے کچھ کردار آج بھی پاکستان کے دور افتادہ علاقوں میں گمنامی کی زندگی بسر کر رہے ہیں اس لئے نہ تو میں اس کہانی میں اپنی طرف سے کسی واقعے کا اضافہ کروں گا اور نہ میں ان میں سے کسی بھی کردار کا اصل نام لکھوں گا' یوں سمجھ لیں کہ واقعات سب کے سب سچے اور جوں کے توں بیان ہوں گے' مقامات کو کہیں کہیں سے بدل دوں گا' عشق و محبت' غیرت و خودداری' سکون قلب اور نیکی و انسانیت کی راہ پر چلتے رہنے کی کوشش میں شیطانی طاقتوں سے جنگ کرنے کی یہ لرزہ خیز اور خون ریز داستان مجھے کس نے سنائی؟ میں آپ کو یہ بھی نہیں بتاؤں گا۔

شیر خان نے روبی کے بازو کو دباتے ہوئے نیچے اشارہ کیا' سیکورٹی فورس کے دونوں سپاہی جیپ کی طرف بڑھ رہے تھے' وہ جیپ میں سوار ہو گئے' جیپ اسٹارٹ ہوئی اور سڑک پر آگے کی طرف چل دی' جب سڑک خالی رہ گئی اور خطرہ بظاہر ٹل گیا تو شیر خان نے پہلو بدلا اور درخت کے ساتھ ٹیک لگا لی' اس جانب ٹیلے کی ڈھلان زیادہ گہری نہیں تھی' خودرو جنگلی جھاڑیاں اور درخت ہی درخت تھے' سورج کو بادلوں نے چھپا رکھا تھا' فضا میں حبس تھا' درختوں کے تنوں میں سے دور ایک بوسیدہ سے لکڑی کے کیبن کی کھپریل کی چھت نظر آ رہی تھی' جس کے برآمدے میں ایک ٹوٹی ہوئی کرسی پڑی تھی' شیر خان نے اپنی خاکی جیکٹ کی جیب سے سگریٹ نکال کر سلگایا اور اس کا کش لگاتے ہوئے بولا۔

"شہاب اور فیروز کو اب تک آ جانا چاہئے تھا۔" اسٹین گن روبی کی گود میں تھی' اس نے شیر خان کے ہاتھ سے سگریٹ لے لیا' ایک گہرا کش لگا کر دھواں اڑاتے ہوئے بولی۔

"شیر خان کیا تم واقعی مجھ سے محبت کرتے ہو؟"

شیر خان اپنی گردن کھجانے لگا جہاں ابھی ابھی اسے ایک مچھر نے کاٹا تھا' اس کے

ہونٹوں پر ایک پھیکی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"میں ساری زندگی تمہیں اپنے ساتھ رکھنا چاہتا ہوں روبی تاکہ تم سے محبت بھی کر سکوں اور لڑائی بھی کر سکوں"

روبی نے سگریٹ کا دھواں چھوڑتے ہوئے سگریٹ شیر خان کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"لیکن جن حالات میں ہم زندگی گزار رہے ہیں ان حالات میں رہتے ہوئے تمہارا یہ خواب کبھی پورا نہ ہو گا۔"

شیر خان نے روبی کو اپنے ساتھ لگا لیا' ہم جلد ہی اس جال سے نکل جائیں گے روبی' مجھے یقین ہے۔ روبی نے جسم کو جھٹک کر الگ کیا اور طنزیہ لہجے میں بولی۔

"تمہارا نام شیر خان ضرور ہے مگر تم میں شیروں والی کوئی بات نہیں۔" پھر اس نے شیر خان کے کندھوں پر اپنے کھردرے ہاتھ رکھ دیے اور ہلکا سا جھٹکا دے کر بولی۔

"کیا ہم اس جال کو ابھی..... اسی وقت نہیں توڑ سکتے؟"

یہ سارا علاقہ ہمارا جانا پہچانا ہے' ہم اسی سرزمین پر پیدا ہوئے ہیں' ہم فرار کا راستہ آسانی سے تلاش کر لیں گے۔"

شیر خان کی آنکھیں روبی کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں' سولہ سترہ سال کی اس خوبصورت دوشیزہ کا چہرہ جرائم پیشہ ماحول میں رہتے ہوئے کرخت سا ہو گیا تھا' زردی مائل رنگت سنولانے لگی تھی' اس نے روبی کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لئے۔

"تم شہاب اور فیروز کو جانتی ضرور ہو مگر انہیں پہچانتی نہیں' یہ دو آدمی نہیں ہیں' یہ ایک بہت بڑا اور بہت خطرناک گروہ ہے' جس کا جال اس ملک میں ہی نہیں بلکہ دنیا کے تقریباً ہر ملک میں پھیلا ہوا ہے۔" روبی کو غصہ آ گیا۔

"تو کیا تم ان سے ڈرتے ہو؟"

"نہیں! ایسی بات نہیں ہے' میں مناسب موقع کا انتظار کر رہا ہوں' جب وہ موقع آ گیا تو تم دیکھ لینا کہ ہم اس مکروہ اور انسانیت سوز ماحول سے نکل چکے ہوں گے' ابھی کوئی ایسی ویسی حرکت کی تو اس کا انجام سوائے ہم دونوں کی موت کے اور کچھ نہیں ہو گا اور میں حرام موت نہیں مرنا چاہتا۔" شیر خان نے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

روبی نے ناپسندیدگی کے اظہار میں کندھے اچکاتے ہوئے منہ دوسری طرف کر لیا' اتنے میں دور سے جیپ کی آواز آئی' شیر خان اور روبی اٹھ کھڑے ہوئے اور کیبن کی طرف چل دیے' جیپ درختوں کے درمیان بنے ہوئے کچے راستے سے نکلتی ہوئی کیبن کے سامنے آکر رک گئی' اس میں شہاب اور فیروز سوار تھے' یہ دونوں بھی نوجوان ہی تھے مگر چہروں سے کرختگی اور سنگ دلی ٹپکتی تھی' انہوں نے شیر خان اور روبی کو کیبن کی طرف آتے دیکھا تو فیروز نے شیر خان سے کہا۔

"جلدی سے آکر مال اندر رکھواؤ ہمیں زیادہ دیر یہاں نہیں ٹھہرنا' سیکورٹی پولیس نے اسی علاقے کو مارک کر لیا ہے۔"

شیر خان قریب آکر بولا۔"ہم نے ان کی جیپ نیچے سڑک پر دیکھی تھی۔ فیروز نے شہاب کی طرف دیکھا اور اسٹین گن کاندھے سے نکالی۔ شہابو میری اطلاع غلط نہیں تھی' جتنی جلدی ہو سکے مال لگا کر یہاں سے نکل چلو۔ روبی جیپ کے پاس کھڑی بے تعلقی کے انداز میں ان کی طرف دیکھ رہی تھی فیروز اسے گالی دیتے دیتے رک گیا' کیونکہ اسے معلوم تھا کہ روبی ایسی لڑکی نہیں ہے جو اس کی گالی کے جواب میں خاموش رہے' پھر بھی وہ اس پارٹی کا سرغنہ تھا اور اسے ہر حالت میں اپنا دبدبہ برقرار رکھنا تھا' وہ کڑک کر بولا۔

"تم کیا تک رہی ہو وہاں کھڑی' مال اٹھواؤ ان کے ساتھ۔"

روبی کے چہرے پر نفرت کے اثرات نمایاں ہو گئے' مگر وہ خاموش رہی اور شیر خان شہاب وغیرہ سے مل کر پلاسٹک کے بڑے تھیلے میں رکھے مال کو کیبن میں لے جانے لگی' پلاسٹک کے ان تھیلوں میں بڑی اعلیٰ قسم کی کوکین بھری ہوئی تھی جسے ان لوگوں کو وہاں سے پچاس میل دور ساحل سمندر کی ایک ویران جگہ پر جنوب مشرقی ایشیا کے ایک دوسرے گروہ کے سرغنہ کے حوالے کر کے اسی سے رقم وصول کرنی تھی' یہ رقم بیس لاکھ ڈالر تک پہنچتی تھی۔

شہاب اور فیروز اس انسان دشمن دھندے کے مختار کل نہیں تھے' وہ ایک بہت بڑے گروہ کے آلہ کار تھے جس کا جنوبی سمندروں کے سارے علاقے پر کنٹرول تھا اور عرصے سے یہ ناپاک دھندا چل رہا تھا' اس گروہ میں بحرہند اور اس سے ملحق سمندروں کے ممالک

کے ارب پتی تاجر بھی شامل تھے جن کا اصل کام منشیات کی سپلائی کرنا تھا' شہاب اور فیروز کو لاکھوں روپوں کی صورت میں کمیشن ملتی تھی' جس میں سے وہ کچھ ہزار شیر خان اور روبی کو ادا کرتے تھے۔

روبی اور شیر خان کو ان دونوں نے ایک طرح سے پھانس رکھا تھا' شیر خان کے ماں باپ فوت ہو چکے تھے' وہ پنجابی والدین کا بیٹا تھا جو پنجاب سے لنکا آکر آباد ہو گئے تھے' شیر خان کی پیدائش بھی لنکا کے ایک شہر میں ہی ہوئی تھی' وہ اپنے ماں باپ کی اکلوتی اولاد تھا ابھی نو عمر تھا کہ پہلے باپ کا انتقال ہوا اور کچھ دنوں بعد ماں بھی اللہ کو پیاری ہو گئی' شیر خان کی پرورش اور نگہداشت کرنے والا کوئی نہیں تھا' وہ ادھر ادھر موٹر گیراجوں اور ریستورانوں میں چھوٹی موٹی مزدوری کرنے لگا' اٹھارہ انیس برس کا ہوا تو اس پر فیروز اور شہاب کی نظر پڑ گئی وہ اسے روپے پیسے کا لالچ دے کر اپنے ساتھ لے گئے' یہاں آکر جب شیر خان کو پتا چلا کہ اسے ایک مکروہ دھندے میں الجھا لیا گیا ہے تو وہ بھاگ نکلا' لیکن شہاب اور فیروز کے آدمی جزیرہ نما میں بلکہ اس کے باہر کے علاقوں میں بھی پھیلے ہوئے تھے' شیر خان بہت جلد پکڑ لیا گیا' تب شیر خان پر یہ حقیقت آشکار ہوئی کہ وہ سر سے پاؤں تک دلدل میں دھنس چکا ہے۔

چند ماہ بعد اس کی ملاقات روبی سے ہوئی اور وہ پہلی ہی نظر میں اس سرکش منہ زور دوشیزہ کا اسیر ہو گیا' روبی کی ماں انڈونیشیا کی رہنے والی تھی اور پنجابی باپ سماٹرا میں کانسٹیبل تھا ماں باپ کے مرنے کے بعد روبی بھی نوجوانی میں ہی اکیلی رہ گئی' وہ تعلیم حاصل نہ کر سکی تھی' وہ بھی جرائم پیشہ لوگوں کے ہتھے چڑھ گئی اور پھر ایک دن فیروز اور شہاب کے جال میں آن پھنسی' وہ بھی شیر خان سے محبت کرتی تھی اور ایک بار دونوں اکٹھے فرار بھی ہوئے مگر ساحل سمندر تک پہنچنے سے پہلے ہی پکڑ لیے گئے' شہاب اور فیروز نے انہیں سخت اذیتیں دیں اور کئی دن تک بھوکا رکھا' پھر ان پر دو ٹوک الفاظ میں واضح کر دیا کہ وہ جب تک زندہ ہیں ان کے جال سے نہیں نکل سکتے' روبی اور شیر خان نے عارضی طور پر فیروز اور شہاب کے گروہ سے سمجھوتہ کر لیا تھا مگر اندر ہی اندر وہ اسی مکروہ دھندے سے نجات حاصل کرنے کے موقعے کی تلاش میں تھے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جنگل کے بوسیدہ کیبن کی واحد کھڑکی بند کر دی گئی تھی اور فیروز تھوڑی تھوڑی دیر بعد اس کے خفیہ سوراخ میں سے جھانک کر باہر دیکھ لیتا تھا' شہاب' شیر خان اور روبی پلاسٹک کی چھوٹی چھوٹی تھیلیوں میں کوکین کا پاؤڈر بند کر رہے تھے' انہوں نے تھیلیوں کو کمر کے گرد باندھنے والی چار پٹیاں تیار کر لیں' ایک ایک پٹی ان سب نے کپڑوں کے نیچے اپنی اپنی کمر کے ساتھ باندھ لی' جو مال بچ گیا شہاب نے اسے کیبن کے نیچے تہہ خانے میں چھپا دیا' وہ تیزی سے کیبن سے نکل کر جیپ میں سوار ہوئے اور جیپ جنگل میں آگے کی طرف چل دی' شہاب خود جیپ چلا رہا تھا' شہر میں ان دونوں نے لاکھوں روپے کاروبار میں لگا رکھے تھے۔ شہر کے مضافات میں ایک ایک فارم بھی خریدا ہوا تھا۔ اس کے علاوہ دوسرے ممالک میں بھی لاکھوں ڈالر ان کے حساب میں بینکوں میں جمع تھے۔ شیر خان اور روبی کو جو کمیشن ملتی تھی ان کا کھاتہ بھی شہاب اور فیروز نے شہر کے ایک بینک میں کھلوا رکھا تھا اور کمیشن بینک میں ان کے حساب میں جمع کرا دی جاتی تھی۔

شیر خان اور روبی انگریزی اور سنہالی زبانوں میں اپنے ٹیڑھے میڑھے دستخط کر لیتے تھے' سنہالی وہ روانی سے پڑھ لکھ اور بول لیتے تھے مگر انگریزی کا کوئی کوئی لفظ ہی اٹھا سکتے تھے۔

جیپ جنگل میں اونچے نیچے پتھریلے راستوں سے گزرتی ساحل سمندر کی طرف بڑھی چلی جا رہی تھی' فیروز اگلی سیٹ پر شہاب کے ساتھ بیٹھا تھا۔ جب کہ روبی اور شیر خان پچھلی سیٹوں پر بیٹھے تھے' ان کے ہاتھوں میں اسٹین گنیں تھیں اور عقابی نظریں آس پاس کے جنگل کا جائزہ لے رہی تھیں' انہیں خطرہ تھا کہ کہیں سے سیکورٹی پولیس کی پارٹی نکل کر ان

پر فائرنگ نہ شروع کر دے۔ مگر پولیس پارٹی ادھر نہ آئی اور یہ لوگ جنگل پار کر کے وقت سے کچھ پہلے ہی ساحل سمندر پر پہنچ گئے۔ شہاب نے جلدی سے جیپ ایک طرف جھاڑیوں کی اوٹ میں کھڑی کی اور باہر نکل کر ماحول کا جائزہ لیا' بھوری اور سیاہ چٹانیں کنارے کے ساتھ ساتھ دور تک چلی گئی تھیں' شہاب نے گھڑی پر نگاہ ڈالی اور فیروز سے کہا۔

ہم کچھ پہلے آ گئے ہیں۔"

"ہم اتنی دیر میں مال لگا لیتے ہیں۔" فیروز نے کہا۔

"ٹھیک ہے۔" یہ کہہ کر شہاب نے شیر خان اور روبی کو بھی اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا۔ یہاں جھاڑیوں کے درمیان زمین میں ایک بڑا گڑھا بنا ہوا تھا۔ انہوں نے جیپ میں سے پلاسٹک کا بڑا تھیلا نکالا اور گڑھے میں بیٹھ کر کمر کے گرد لپٹی ہوئی پٹیاں کھولیں اور کوکین کی تھیلیوں کو بڑے تھیلے میں ڈالنے لگے۔ جب پلاسٹک کا تھیلا بھر گیا تو فیروز نے نائیلون کی رسی سے اس کا منہ بند کر کے ایک طرف رکھ دیا شہاب نے ایک بار پھر گھڑی پر نگاہ ڈالی۔

"ابھی آدھا گھنٹہ رہتا ہے وانگ کے آنے میں۔" پھر متفکر نگاہوں سے گڑھے میں سے نکل کر جنگل میں ادھر ادھر دیکھنے لگا اس کو ابھی تک خطرہ تھا کہ سیکورٹی گارڈ کے سپاہی ضرور ان کی کھوج میں ہیں۔ وہ چاہتا تھا کہ ان کے آنے سے پہلے وہ مال وانگ کے حوالے کر کے اس سے دو کروڑ ڈالر کی رقم وصول کر کے جتنی جلدی ہو سکے وہاں سے نکل جائیں۔ مال دے کر انہوں نے ہمیشہ ڈالر کرنسی کی شکل میں رقم وصول کی تھی' چونکہ ہر پارٹی اسی مکروہ دھندے کی وجہ سے بے حد عیش و آرام کی بلکہ عیاشی کی زندگی بسر کر رہی تھی اس لئے کاروبار میں کسی طرف سے بھی بددیانتی نہیں کی جاتی تھی۔

شہاب نے شیر خان اور روبی کی طرف دیکھ کر کہا۔ "تم مال کے پاس ٹھہرو' فیروز تم میرے ساتھ آؤ ہو سکتا ہے وانگ کے آدمی چٹانوں کی دوسری طرف بیٹھے ہمارا انتظار کر رہے ہوں۔" شیر خان اور روبی وہیں گڑھے میں بیٹھ گئے۔

شہاب اور فیروز گڑھے سے نکل کر ساحل سمندر کی طرف چل دیے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

روبی گڑھے کی دیوار سے ٹیک لگائے اس طرح بیٹھی تھی کہ اسٹین گن اس کی گود میں تھی' اس کے ہونٹوں کے اوپر پسینے کے موتی چمک رہے تھے' شیر خان بھی وہیں قریب ہی نیم دراز تھا اور اسٹین گن اس نے اپنے سینے پر رکھی ہوئی تھی' روبی نے اپنے گھٹنے پر بیٹھے ہوئے مچھر کو کچلتے ہوئے بیزاری سے کہا۔

"شیر خان! ہم جس موقع کی تلاش میں ہیں وہ موقع کبھی آئے گا بھی کہ نہیں؟ بول میرے یارا۔"

شیر خان نے آنکھیں بند کر رکھی تھیں اور گھاس کے تنکے سے دانتوں کو کرید رہا تھا۔ ویسے ہی آنکھیں بند کئے ہوئے بولا۔

"خدا جانتا ہے کہ ہم اس مکروہ دھندے میں پھنسا دیے گئے ہیں۔ وہ ضرور ہماری مدد کرے گا' ہماری نیت صاف ہے۔"

"نیت صاف ہونے سے کیا ہو گا؟ ہمیں خود بھی ہمت کرنی ہو گی۔"

شیر خان نے خاکی کپڑے کا ہیٹ اپنی آنکھوں پر کر لیا۔

"گھبراؤ نہیں روبی' موقع آ لینے دو۔"

روبی نے اسٹین گن کی نال تڑپ کر شیر خان کی گردن میں چبھو دی اور غصے میں کہا۔

"میں تمہاری اس بک بک سے تنگ آ گئی ہوں' برسات گزرنے کے بعد تم نے کوئی ہاتھ پاؤں نہ مارے تو میں تمہیں چھوڑ کر اکیلی بھاگ جاؤں گی' پھر مجھے تلاش کرتے پھرنا۔"

شیر خان نے کوئی حرکت نہ کی' اس طرح نیم دراز آنکھوں پر ہیٹ آگے کیے پڑا رہا' صرف چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ نمودار ہوئی ہاتھ بڑھا کر روبی کا بازو تھام لیا اور بولا۔

"میں تیرا مرزا جٹ ہوں روبی' تو میری صاحباں ہے۔ تو جہاں بھی ہو گی میں اٹھا کر لے آؤں گا۔ پھر وہ دبی ہوئی آواز میں گنگنانے لگا۔

چڑھدے مرزے خان نوں
جٹ و بجھل ویندا مت
بھٹ رناں دی دوستی
تے لھ ی جناں دی مت

روبی نے شیر خان کو ایک بے ضرر سی گالی دی اور اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔ اتنے میں مشین گن کے برسٹ کے فائر کی آواز سے جنگل گونج اٹھا' شیر خان اور روبی تیزی سے اٹھے اور گڑھے کے باہر سر نکال کر دیکھنے لگے۔ مشین گن کی فائرنگ مسلسل ہو رہی تھی یہ آوازیں ساحل سمندر کی طرف سے آ رہی تھیں' دونوں گڑھے سے باہر نکلے اور جھک کر سمندر کی جانب دوڑے

جس وقت سیکورٹی گارڈ کی پارٹی نے شہاب اور فیروز کو دیکھا کہ وہ ساحلی چٹان کے درمیان ان کی مشین گنوں اور کلاشنکوفوں کی زد میں آ گئے ہیں تو انسپکٹر کے حکم سے فائرنگ شروع کر دی گئی' انہیں یہ آرڈر تھا کہ کسی بھی اسمگلر کو ہلاک نہ کیا جائے' بلکہ زندہ حالت میں گرفتار کرنے کی کوشش کی جائے تاکہ پوچھ گچھ سے گروہ کے باقی لوگوں کا پتا چلایا جا سکے' پولیس شہاب اور فیروز کے سروں کے اوپر اور دائیں اور بائیں فائرنگ کر رہی تھی' شہاب اور فیروز ایک دم بیٹھ گئے اور انہوں نے بھی جوابی فائرنگ شروع کر دی مگر سیکورٹی پولیس چٹانوں اور درختوں کی آڑ میں تھی۔

انسپکٹر نے اسپیکر پر سنہالی ہندوستانی اور انگریزی زبان میں باری باری اعلان کیا کہ تم چاروں طرف سے گھیرے میں لے لئے گئے ہو تمہاری بہتری اسی میں ہے کہ ہتھیار پھینک کر اپنے آپ کو قانون کے حوالے کر دو۔ شہاب اور فیروز نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا انہیں بھی اوپر سے ہدایت تھی کہ اگر کبھی ایسا موقع آ جائے تو مال ضائع کر دو یا چھوڑ دو اور خود کو قانون کے حوالے کر دو' کیونکہ اوپر والے لوگوں کا ہر جگہ اثر و رسوخ تھا' لاکھوں ڈالر کی رشوت چلتی تھی۔ ہر محکمے میں ان کے آدمی موجود تھے۔ جن کو ماہانہ ملتا تھا اور وہ اپنے آدمیوں کو چھڑا لیتے تھے' چنانچہ شہاب اور فیروز نے ہتھیار پھینک کر ہاتھ اوپر اٹھا دیے' اس وقت روبی اور شیر خان ایک درخت کی اوٹ میں سے یہ سارا منظر دیکھ رہے تھے' روبی نے آہستہ سے کہا۔

"یہ دونوں پکڑے گئے ہیں وہ مال کی نشاندہی نہیں کریں گے' یہ موقع ہے شیر خان بھاگ چلو۔"

شیر خان کے دماغ میں بھی جیسے بجلی سی چمکی' موقع آ گیا تھا' جو ہو گا دیکھا جائے گا۔ کم

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

از کم شہاب اور فیروز اب ان کی تلاش میں ان کے پیچھے نہیں آسکیں گے۔ شیر خان نے روبی کا ہاتھ پکڑا اور دونوں درختوں سے نکل کر پیچھے کی طرف بھاگ کھڑے ہوئے' جنگل میں ایک طرف ان کی جیپ کھڑی تھی' شیر خان نے مڑ کر پیچھے دیکھا اور کہا۔

"ہم جیپ نہیں لیں گے' سیکورٹی پولیس گاڑی کی آواز سن کر ہمارے پیچھے لپکے گی اور ہم بھی پکڑ لیے جائیں گے۔"

انہوں نے جیپ وہیں چھوڑی اور جنگل میں مشرق کی طرف دوڑ پڑے' راستے میں وہ گڑھا آگیا جس کے اندر کوکین کی تھیلیوں سے بھرا ہوا پلاسٹک کا بڑا لفافہ ویسے ہی پڑا تھا۔ روبی نے اس کی طرف ایک نظر دیکھا اور شیر خان کا بازو پکڑ کر اسے روک لیا اور کہا۔

"شیر خان! یہ تھیلا سیکورٹی والوں کے ہاتھ آگیا تو وہ بھی اسے فروخت کر دے گی اور نہ جانے کس کس نوجوان کا مستقبل تباہ ہو گا' اسے آگ لگا دیتے ہیں۔ اس طرح یہاں آگ دیکھ کر پولیس کی توجہ اس طرف ہو جائے گی اور ہم نکل جائیں گے۔"

انہوں نے سوکھی جھاڑیاں اور سوکھے پتے جمع کر کے تھیلے پر رکھے اور شیر خان نے سگریٹ لائیٹر جلا کر آگ لگا دی' اس کے ساتھ ہی وہ گڑھے سے باہر نکلے اور جتنی تیزی سے بھاگ سکتے تھے بھاگنے لگے۔

سیکورٹی پولیس کے انسپکٹر نے شہاب اور فیروز کو ہتھکڑیاں لگا کر پولیس وین میں بند کیا اور حکم دیا کہ انہیں ہیڈ کوارٹر لے جاؤ اور خود علاقے کی تلاشی لینے سپاہیوں کے ساتھ جنگل میں داخل ہوا' اچانک ایک طرف آگ کے شعلے نظر آئے وہ اس طرف دوڑے ان کے آنے تک کوکین کا تھیلا جل کر راکھ ہو چکا تھا۔ فضا میں کوکین کے پاؤڈر کی مخصوص بو پھیلی ہوئی محسوس کرتے ہی انسپکٹر نے اپنے آدمیوں کو دوسری طرف جانے کا اشارہ کیا انہیں بہت جلد شہاب اور فیروز کی جیپ بھی مل گئی جس میں باقی ماندہ کوکین کی تھیلیاں لکڑی کے باکس میں محفوظ تھیں' انسپکٹر نے اسے اپنی تحویل میں لیا اور ساحل سمندر پر گھات لگا کر اس پارٹی کا انتظار کرنے لگے' جنہیں یہ مال سپلائی کرنا تھا مگر وانگ کا ایک آدمی حسب دستور پہلے سے موقع پر آگیا تھا جس نے اپنی آنکھوں کے سامنے شہاب اور فیروز کو گرفتار ہوتے اور سیکورٹی پولیس کی گاڑیوں کو کھڑے دیکھ لیا تھا اس نے واپس جا کر وانگ

کو خبر کر دی کہ چھاپہ پڑ گیا ہے اور وانگ وہیں سے اپنی لانچ میں واپس چلا گیا۔

آخر وہ دن آگیا تھا جس دن کا شیر خان اور روبی کو ایک عرصے سے انتظار تھا' وہ پنجرہ توڑ کر نکل گئے تھے' مگر ابھی وہ شہاب فیروز اور اس کے اوپر والے خطرناک گروہ کے جال سے پوری طرح آزاد نہیں ہوئے تھے۔ اس حقیقت کی ان دونوں کو بھی پوری طرح خبر تھی لیکن انہوں نے بھی فیصلہ کر لیا تھا کہ اگر اب نہیں تو پھر کبھی بھی نہیں۔

انہیں کس طرف جانا تھا؟ ان باتوں کا انہیں پوری طرح علم تھا پہلے وہ مغرب کی طرف چلتے گئے۔ جب راستے میں ایک دریا آیا تو اس کا رسوں کا پل عبور کر کے انہوں نے اپنا رخ جنوب مغرب کی طرف کر لیا یہاں انہیں تھوڑی دور تک چلنے کے بعد چھوٹی سی پکی سڑک مل گئی۔

روبی اور شیر خان پکی سڑک پر نکل آئے۔ سڑک کی دوسری طرف اترنے پر درختوں میں گھرا ہوا ایک پرانا ایک منزلہ مکان تھا جس کے باہر دو پرانی جیپیں کھڑی تھیں۔ یہ شہاب اور فیروز کا ایک اڈہ تھا جہاں سے مال آس پاس کے علاقوں میں اپنے خفیہ آدمیوں کے ذریعے تقسیم کیا جاتا تھا۔ یہاں کے آدمی شیر خان اور روبی کو پہچانتے تھے' شیر خان نے انہیں بتایا کہ آگے چھاپہ پڑ گیا ہے اور شہاب اور فیروز پکڑ لئے گئے ہیں۔ مال ہم نے جلا دیا ہے اور اب ہمیں جیپ چاہئے تاکہ شہر والے اڈے پر جا کر سیٹھ کو خبر کریں تاکہ ان دونوں کی ضمانت کا بندوبست ہو سکے۔ اگرچہ وہاں پر ٹیلی فون موجود تھا مگر یہ لوگ اس قسم کے معاملات میں خفیہ الفاظ میں بھی فون پر بہت کم باتیں کیا کرتے تھے ان لوگوں کے لئے شیر خان اور روبی کوئی اجنبی نہیں تھے۔ ان دونوں کو فوراً جیپ مہیا کر دی گئی' وہ دونوں وہاں منہ ہاتھ دھو کر تازہ دم ہوئے اور شہر کی طرف روانہ ہو گئے اس وقت دن کے دو بج رہے تھے۔ ان کی جیپ جزیرے کے جنوب مغربی ساحلی شہر میں داخل ہو گئی۔ وہ جانتے تھے کہ انہیں سیٹھ سے ہرگز ہرگز ملاقات نہیں کرنی ہے۔ انہوں نے جیپ کا رخ اپنے چھوٹے سے بنگلے کی طرف کر دیا۔ یہ بنگلہ سمندر کے کنارے درختوں کے جھنڈ میں ایک ٹیلے پر بنا تھا یہاں ایک نوکر اور نوکرانی ہر وقت موجود رہتے تھے انہوں نے شیر خان اور روبی کو آتے دیکھا تو جلدی سے بنگلے کا گیٹ کھول دیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

رات کا کھانا کھانے کے بعد وہ دونوں کمرے میں بیٹھ گئے اور وہاں سے فرار کے منصوبے پر غور کرنے لگے۔

"ایک بات طے ہے کہ ہماری منزل پاکستان ہے۔ پاکستان ہمارا آزاد اسلامی وطن ہے۔ ہم وہاں جا کر ایک نئی زندگی شروع کریں گے' میرے ماں باپ اور تمہارے والد پاکستان ہی سے بغرض تجارت اس ملک میں آئے تھے اور ہم دو بار خود بھی پاکستان کی سیر کر چکے ہیں اب وہاں جانے کے دو ہی ذریعے ہیں۔ ایک بحری جہاز اور دوسرا ہوائی جہاز اگر ہم نے ان میں سے کوئی بھی ذریعہ استعمال کیا تو ہمیں دیکھ لیا جائے گا۔ کیونکہ تم بھی خوب جانتی ہو کہ ائر پورٹ اور بندرگاہ پر بڑے سیٹھ اور شہاب اور فیروز کے خاص جاسوس چوبیس گھنٹے موجود رہتے ہیں اور وہ اپنے آدمیوں کی نگرانی کرتے ہیں اور مال کے لے جانے لانے والوں کو بھی سہولت مہیا کرتے ہیں۔ یہ سارے آدمی ہم دونوں کو جانتے ہیں۔ ان میں سے کسی ایک نے بھی ہمیں دیکھ لیا تو وہ ایک منٹ گزرنے سے پہلے پہلے ہمیں وہاں ڈھیر کر دیں گے۔ ہم انہیں جل بھی نہیں دے سکتے کیونکہ جزیرے میں سے گروہ کے جس آدمی کو ملک سے باہر جانا ہوتا ہے اس کی اطلاع باقاعدہ سب سے پہلے بندرگاہ اور ائر پورٹ پر ان لوگوں کو پہنچا دی جاتی ہے۔"

"تم بات مختصر کرو' یہ بتاؤ کہ ان کے علاوہ ہمارے پاس یہاں سے نکلنے کا کونسا راستہ ہے؟"

شیر خان نے پیالی میز پر رکھ دی اور بولا۔

"صرف ایک ہی راستہ باقی رہ جاتا ہے اور وہ یہ کہ ہم انڈیا اور تھائی لینڈ کے درمیان گرم مسالوں اور جواہرات کی اسمگلنگ کرنے والوں سے مدد حاصل کریں ان کی لانچیں راتوں کو ملک برما کی طرف بھی جاتی ہیں۔ میں کچھ آدمیوں کو جانتا ہوں ان کو تھوڑی سی رقم دے کر ہم برما پہنچ سکتے ہیں' وہاں سے پاکستان جانا مشکل نہ ہو گا۔"

روبی اٹھ کر کھڑکی کے پاس گئی باہر چاندنی میں سمندر کی پرسکون لہریں ساحل کی ریت پر آہستہ آہستہ بازو کھولے چلی آ رہی تھیں' اس نے پردہ گرا دیا اور شیر خان کی طرف پلٹ کر بولی۔

"تو پھر کس بات کا انتظار ہے۔ آج ہی رات یہاں سے نکل چلتے ہیں۔" شیر خان بولا۔

"تم بھول رہی ہو کہ یہاں کے بینک میں ہم دونوں کی کچھ رقم جمع ہے۔ ہمیں وہ رقم کراچی کی کسی شاخ کو منتقل کروانی ہو گی۔"

روبی نے جھڑک کر کہا۔

"یہ حرام کی کمائی ہے۔ میں اسے اپنے ساتھ پاکستان نہیں لے جاؤں گی۔ ہمیں پاک صاف ضمیر کے ساتھ پاکستان میں نئی زندگی شروع کرنی چاہئے۔ اگر تم یہاں سے ایک پائی بھی پاکستان اپنے ساتھ لے گئے تو میں تمہیں کبھی معاف نہ کروں گی۔"

شیر خان سوچ میں پڑ گیا۔ بینک میں اس کی کافی رقم جمع تھی وہ اپنے موقف کے جواز میں کچھ کہنے ہی لگا تھا کہ روبی نے غصیلی آواز میں کہا۔

"مت بھولو کہ یہ رقم ہم نے کوکین فروخت کرنے کے عوض میں بطور کمیشن پائی ہے اور جو کوکین ہمارے ہاتھوں سے نکل کر دوسرے شہروں میں پہنچی ہے اس نے نہ جانے کن کن گھرانوں کو تباہ و برباد کر دیا ہو گا۔ کیسے کیسے ہونہار طالب علموں کے مستقبل کو تباہ و برباد کر دیا ہو گا۔ ہمیں یہ رقم غریبوں میں بانٹ دینی چاہئے شاید اسی طرح خدا ہمارے گناہ معاف کر دے۔"

شیر خان کے دماغ میں یہ بات آ گئی۔ اس نے کھڑے ہو کر روبی کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا اور اسے گرم جوشی سے دباتے ہوئے کہا۔

"روبی! قسم ہے کہ میں بھی تمہاری طرح اپنے جمع شدہ سرمائے میں سے سوائے سفر خرچ کے ایک پائی نہیں نکالوں گا ہم یہ ساری رقم یہاں کے ایک فلاحی ادارے کو دے دیں۔"

روبی مسکرائی' شیر خان نے شاید پہلی بار روبی کے چہرے پر ایک نورانی روشنی دیکھی تھی' روبی نے اسے بتایا اس وقت یہی نورانی روشنی شیر خان کے چہرے پر بھی ابھر آئی تھی' سچ ہے نیکی کرنے سے تو جو اجر ملتا ہے سو ملتا ہی ہے۔ لیکن نیکی کرنے کے خیال سے ہی انسان کی روح ایک بار روشن ہو جاتی ہے۔ اگلے دن روبی اور شیر خان نے ٹیلی فون پر بینک میں جمع اپنے کل سرمائے کا حساب لگوایا اور پھر انہوں نے ساری رقم بینک سے نکلوانے کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

شیر خان نے نوکر اور نوکرانی سے یہی کہا کہ ہم ایک ضروری کام پر جا رہے ہیں دو ایک دن میں واپس آجائیں گے۔ نوکر ان باتوں کے عادی تھے ایک کام شیر خان نے اور کر رکھا تھا جس کی خبر اس نے روبی کو نہیں دی تھی۔ اس نے اپنے بنگلے کو اپنے بوڑھے سنہالی نوکر کے نام منتقل کر دیا تھا اور اس کے باقاعدہ کاغذات بھی تیار کروالیے تھے۔ جاتے ہوئے اس نے لفافہ بوڑھے نوکر کے حوالے کرتے ہوئے آہستہ سے کہا۔

"یہ میرے جانے کے بعد کھولنا۔"

روبی اس وقت جیپ کی طرف جا رہی تھی شیر خان بھی جیپ میں آکر بیٹھ گیا۔ یہ اس کی اپنی جیپ تھی جو کافی پرانی تھی' مگر اس کا انجن بہترین حالت میں تھا' شیر خان نے جیپ اسٹارٹ کی اور اسے بنگلے کے احاطے سے نکال کر آگے لے گیا۔ سڑک کی طرف گھومتے ہوئے اس نے اپنے بنگلے پر آخری الوداعی نگاہ ڈالی اور پھر جیپ کی رفتار تیز کر دی۔ آدھے گھنٹے میں ائر پورٹ تک کا راستہ طے ہو گیا۔ اسے معلوم تھا کہ سیٹھ نے اس دوران اس کے بنگلے پر فون کیا ہو گا شیر خان نے دونوں نوکروں کو سمجھا دیا تھا کہ سیٹھ کا فون آئے تو اسے کہیں کہ وہ ان کی طرف آرہے ہیں پھر بھی سیٹھ کو شک پڑ سکتا تھا۔ اس لئے ائر پورٹ پر پہنچتے ہی شیر خان نے سیٹھ کو خود فون کر دیا۔ سیٹھ بری طرح دہاڑا۔

"تم کہاں مر گئے ہو؟ ابھی تک پہنچے کیوں نہیں؟" شیر خان نے بہانہ بنایا کہ راستے میں جیپ کا ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا۔ اب ٹیکسی لے کر آرہا ہوں سیٹھ کا بنگلہ بھی شہر کے جنوب کی طرف کافی دور ایک پر فضا مقام پر تھا۔ سیٹھ نے شیر خان کو برا بھلا کہا اور حکم دیا کہ وہ ابھی اسی وقت پہنچے۔ "یس سر" کہہ کر شیر خان نے ریسیور رکھ دیا اور پنجابی میں سیٹھ کو ایک موٹی سی گالی دی' گالی سن کر روبی مسکرائی پندرہ منٹ بعد وہ ہوائی جہاز میں بیٹھے ہوئے تھے اور جہاز اڑان بھرنے کے لئے رن وے پر پوری رفتار سے دوڑ رہا تھا۔

ڈیڑھ گھنٹے کی پرواز کے بعد وہ جزیرے کے شمالی ساحلی شہر پہنچ گئے۔ ائر پورٹ سے وہ سیدھے ہوٹل پہنچے۔ شیر خان نے روبی کو کمرے میں ہی ٹھہرنے کو کہا اور خود اپنے خاص آدمی کی طرف چل پڑا یہ ایک تھائی اسمگلر تھا جس سے شیر خان کی پرانی جان پہچان تھی۔ شیر خان نے اس سے کہا کہ ہمیں ایک خاص مشن پر برما پہنچنا ہے۔ یہ بات تم بھی راز میں

بجائے صرف سفر خرچ کے طور پر بیس ہزار امریکی ڈالر نکلوا لیے اور باقی کی ساری رقم کے دو چیک روبی اور شیر خان نے اسی شہر کے ایک فلاحی ادارے کو خود جا کر دے دیے جو اس علاقے میں جذام کے مریضوں کے علاج کے لئے کام کر رہے تھے۔ اس کے بعد شیر خان نے شہر سے شمال کی جانب اسی ملک کے آخری بندرگاہی شہر کے واسطے ہوائی جہاز کے دو ٹکٹ خریدے اور بنگلے پر آگیا۔

ان کی فلائیٹ کا وقت شام پانچ بجے تھا۔ ٹھیک چار بجے شہر کے گینگ کے سرغنہ بڑے سیٹھ کا فون آیا۔ شیر خان نے ریسیور اٹھایا سیٹھ نے شہاب اور فیروز کی گرفتاری کے بارے میں دریافت کرتے ہوئے سخت الفاظ میں شیر خان کی سرزنش کی کہ وہ سیدھا اس کے پاس اطلاع کرنے کیوں نہیں آیا شیر خان فون اٹھا کر غلطی کر بیٹھا تھا مگر وہ گھبرایا بالکل نہیں اس نے کہا۔

"سیٹھ میں ابھی وہاں سے لوٹا ہوں۔ آپ کی طرف خود آرہا تھا۔ جنگل والے سینٹر پر میں نے خبر کر دی تھی۔"

"جلدی پہنچو میں تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔" سیٹھ نے غصیلی آواز میں یہ کہہ کر فون بند کر دیا۔

روبی شیر خان کی طرف دیکھ رہی تھی۔ شیر خان نے دانت پیستے ہوئے ریسیور زور سے رکھ دیا۔ روبی اپنی مردانہ جیکٹ کے بٹن بند کرتے ہوئے بولی۔

"اس سور کو شوٹ کر کے جانا چاہئے تھا۔ نہ جانے اس کی وجہ سے کتنے گھرانے تباہ و برباد ہو گئے ہیں۔"

پھر پلٹ کر اس نے شیر خان کی طرف دیکھا۔ روبی کی آنکھوں میں بجلیاں سی چمک رہی تھیں' کہنے لگی۔

"شیر خان کیوں نہ اس بدکار ناپاک سیٹھ کو قتل کر کے یہاں سے جائیں؟ یہ کام میں کر لوں گی۔" شیر خان اپنے بیڈ روم کی طرف جاتے ہوئے بولا۔

"ان باتوں کو چھوڑو اور جلدی سے اپنا بریف کیس تیار کرو ہمیں ابھی ائر پورٹ بھی پہنچنا ہے جو کافی دور ہے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہی رکھنا تھائی اسمگلر ان باتوں کا عادی تھا وہ خود یہی کام کرتا تھا۔ شیر خان نے اسے ایک ہزار ڈالر کی رقم اسی وقت ادا کر دی۔

"کل رات گیارہ بجے یہاں پہنچ جانا میں تمہارا انتظار کروں گا۔"

دوسرا دن روبی اور شیر خان نے ہوٹل کے کمرے میں ہی گزار دیا وہ لوگوں کی نظروں میں نہیں آنا چاہتے تھے۔ کیونکہ اس وقت تک سیٹھ کو پتا چل گیا تھا کہ شیر خان اور روبی فرار ہو گئے ہیں۔ مگر شیر خان کو اب سیٹھ کی پروا نہیں تھی۔ اس نے پاکستان پہنچ کر روبی سے شادی کر کے ایک نئی پاک صاف زندگی شروع کرنے کا فیصلہ کر رکھا تھا اور اپنے اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے وہ کسی بھی بدکار سیٹھ کو موت کے گھاٹ اتار سکتا تھا روبی بڑی خوش تھی کہ آخر شیر خان اسے لے کر یا وہ شیر خان کو لے کر گناہ اور جرائم پیشہ زندگی کی دلدل سے نکلنے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔ شیر خان نے امریکی ڈالروں کے کرنسی نوٹ پلاسٹک کی تھیلیوں میں ڈال کر کچھ اپنی کمر کے گرد اور کچھ روبی کی کمر کے گرد باندھ رکھے تھے۔ دونوں کے بریف کیس میں معمولی سفر کی ضروری چیزوں کے اور کچھ نہیں تھا۔ تھوڑی بہت اس ملک کی کرنسی ان کی جیب میں تھی' امریکی ڈالر جنوب مشرقی ایشیا کے سارے ملکوں میں بڑی خوشی سے کیش کر دیا جاتا تھا۔ ساڑھے دس بجے رات تک روبی اور شیر خان کھانا کھانے کے بعد ہوٹل کے کمرے میں بیٹھے کافی اور سگریٹ پیتے رہے۔ پھر وہ ہوٹل سے نکل کر کریک پوائنٹ کی طرف روانہ ہو گئے۔ تھائی اسمگلر ان کے انتظار میں پہلے سے موجود تھا۔ یہاں اندھیرا تھا۔ ایک اسٹیمر لانچ پہلے سے سمندر میں کھڑی تھی اس میں کچھ سامان لدا تھا اور دو چار آدمی منہ سر لپیٹے ایک طرف لگ کر بیٹھے تھے۔ تھائی اسمگلر نے شیر خان سے سنہالی زبان میں کہا۔

"میں نے لانچ مین کو سب کچھ سمجھا دیا ہے۔ لانچ رات بھر سمندر میں سفر کرے گی۔ صبح منہ اندھیرے تمہیں برما کے قریبی جزیرے پر پہنچا دے گی۔ وہاں سے تم کسی بھی اسٹیمر میں بیٹھ کر چلے جانا۔"

"ٹھیک ہے دوست! شکریہ۔" شیر خان نے سنہالی کی زبان میں ہی جواب دیا۔

روبی اور شیر خان نے پتلون اور جیکٹ پہن رکھی تھی جو وہاں کے نوجوانوں کا عام

لباس ہوتا ہے۔ لانچ زیادہ بڑی نہیں تھی۔ مگر اس کا انجن کیبن کافی بڑا تھا۔ ان دونوں کو انجن کیبن میں جگہ دے دی گئی جہاں وہ آمنے سامنے والی برتھوں پر لیٹ گئے۔ لانچ کا رسا کھول دیا گیا اور وہ اندھیرے میں روانہ ہو گئی۔ اگرچہ لانچ ساحل سے زیادہ دور نہیں تھی مگر سمندر آخر سمندر ہوتا ہے اور بحر ہند کا سمندر بارہ مہینے چڑھا ہوا ہوتا ہے۔ لانچ چھوٹی ہونے کی وجہ سے ڈول رہی تھی۔ مگر وہ دونوں سمندر میں اس طرح سفر کرنے کے عادی تھے۔ وہ آنکھیں بند کیے برتھ پر خاموشی سے لیٹے سونے کی کوشش کر رہے تھے۔ رات کے تین بجے تک اسمگلر لانچ سمندر میں خاموشی سے سفر کرتی رہی اس کے بعد لانچ میں کچھ شور سا ہوا۔ روبی اور شیر خان سو رہے تھے۔ ان کی آنکھ کھل گئی۔ کیبن کے شیشوں پر سرچ لائٹ کی روشنی پڑتے ہی ایک بار کیبن کا ماحول روشن ہو گیا۔ شیر خان اور روبی نے غیر شعوری طور پر سر نیچے کر لئے۔ لانچ مین گھبرایا ہوا اندر آیا اور بولا۔

"کوسٹ گارڈ کی لانچ آگئی ہے۔" یہ کہہ کر وہ باہر بھاگ گیا وہ دونوں جانتے تھے کہ اسمگلنگ میں جب اس قسم کے حالات پیدا ہو جائیں تو کوئی کسی کی ذمہ داری نہیں لیتا۔ ہر کسی کو اپنی جان آپ ہی بچانی ہوتی ہے۔ باہر سے فائرنگ کی آواز آئی۔ گولیاں کیبن کے شیشے پر لگیں۔ شیشہ ایک چھناکے سے ٹوٹ کر بکھر گیا۔ شیر خان روبی کو بازو سے پکڑ کر دوسرے دروازے سے لانچ کے عقب میں لے آیا۔ سمندر میں کوسٹ گارڈ کی تین لانچیں چکر لگا رہی تھیں۔ وہ اسمگلر لانچ پر فائر بھی کر رہی تھیں اور اسپیکر پر اسمگلروں کو اپنے آپ کو قانون کے حوالے کرنے کے لئے بھی کہہ رہی تھیں۔ لانچ مین اور دوسرے آدمیوں نے سمندر میں چھلانگیں لگا دیں۔ شیر خان نے دیکھا کہ تھوڑے فاصلے پر سمندر کے کنارے پر دھندلی دھندلی روشنیاں ہو رہی تھیں۔ وہ یہی سمجھا کہ ملک برما کے ساحل کا قریبی جزیرہ آگیا ہے۔ اس نے روبی سے کہا

"ہمیں بھی سمندر میں کود جانا چاہئے۔ جزیرہ سامنے ہی ہے پکڑے گئے تو آٹھ دس سال کے لئے ضرور اندر کر دیے جائیں گے۔"

روبی ایک دلیر لڑکی تھی۔ اس قسم کی مشکلات کی وہ عادی تھی۔ دونوں بڑے اچھے تیراک بھی تھے۔ ان کی لانچ ذرا اندھیرے میں آئی تو وہ بھی باری باری سمندر میں کود گئے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

شیر خان آگے آگے تھا۔ روبی اس کے پیچھے تھی ان کی نگاہیں کنارے کی دھندلی روشنیوں کی طرف تھیں۔ وہ اس طرف ہی تیرتے چلے جا رہے تھے۔ ان کے پیچھے جو ان کی اپنی اینچ اور کوسٹ گارڈ والوں کی لانچیں تھیں ان کے انجنوں' آدمیوں اور اکا دکا فائر کی آوازیں دور ہوتی جا رہی تھیں۔ شیر خان اور روبی نے کپڑوں سمیت ہی چھلانگ لگائی تھی۔ ان کے بریف کیس لانچ میں ہی رہ گئے تھے۔ رات کا اندھیرا ان کی مدد کر رہا تھا۔ کسی کی نظر ان پر نہیں پڑی تھی۔ جزیرے کی روشنیاں قریب آنے لگی تھیں روبی تیرتے تیرتے شیر خان کے قریب آگئی۔ اس نے روشنیوں کی طرف ہاتھ سے اشارہ کیا ادھر ایک اونچی جگہ سے سرچ لائٹ کی روشنی بار بار گھومتی ہوئی سمندر پر پڑ رہی تھی۔ شیر خان نے اپنا رخ دوسری طرف کر لیا۔ وہ دونوں لائٹ ہاؤس کو داہنی طرف چھوڑتے ہوئے چھوٹی چھوٹی چٹانوں کے درمیان آگئے یہاں سمندر کی لہروں میں کافی زور تھا۔ ان چٹانوں کے درمیان تیرتے ہوئے وہ دونوں پتھریلے ساحل پر چڑھ گئے۔ ان کی پتلونیں اور جیکٹس پانی میں شرابور تھیں وہ وہیں بیٹھ کر سانس درست کرنے لگے شیر خان نے کہا۔

"خدا کا شکر ہے ڈالر ہم نے کمر کے ساتھ باندھ لئے تھے۔ بریف کیسوں میں ہوتے تو بڑی مشکل پیش آتی۔" روبی نے ارد گرد دیکھا اور کہا۔

"کیا تمہیں یقین ہے کہ ہم برما کے ساحل پر آگئے ہیں۔" شیر خان کی بائیں جانب جو چند ایک روشنیاں جھلملا رہی تھیں۔ ان کی طرف دیکھنے لگا۔

"میں یقین سے نہیں کہہ سکتا مگر لانچ مین نے تو مجھے یہی کہا تھا۔" شیر خان نے کلائی کی گھڑی پر ٹائم دیکھنے کی کوشش کی مگر اسے اندھیرے میں کچھ پتا نہ چل سکا' بولا۔

"میرا خیال ہے ہمیں دن نکلنے سے پہلے پہلے کسی محفوظ جگہ پہنچ جانا چاہئے۔"

وہ دونوں ساحل والی روشنیوں کی طرف چل دیئے۔ یہ روشنیاں ایک قطار میں بنی ہوئی بیرکوں کی تھیں۔ بیرکوں کے آگے خار دار تار کی باڑھ لگی تھی۔ روبی نے کہا

"یہ کوئی فوجی بیرک لگتی ہے۔ اسی طرف چلتے ہیں۔"

دوسری طرف سے ہو کر وہ ایک پتلی سی پکی سڑک پر آگئے جو آگے جا کر ایک طرف گھوم گئی تھی۔ شیر خان کو ایک جگہ ٹریفک سائین لگا نظر آیا۔ اس نے قریب جا کر اسے غور سے دیکھا اور بولا۔

"روبی! مجھے خطرہ ہے کہ یہ برما کا علاقہ نہیں ہے بلکہ ہم انڈیا کے جنوب مشرقی ساحل پر نکل آئے ہیں۔" روبی کا دل ایک بار زور سے دھڑک کر معمول پر آگیا۔

"یہ تم نے کیسے اندازہ لگایا۔" اس نے رک کر پوچھا۔

جس چھوٹی سی سڑک پر وہ کھڑے تھے اس کے دونوں جانب بانس کے گھنے جھنڈ تھے۔ شیر خان کو دور سے کسی ٹرک کی روشنیاں نظر آئیں۔ اس نے جلدی سے روبی کو بانس کے درختوں کی طرف کھینچ لیا۔ یہ ایک فوجی ٹرک تھا۔ جو تیزی سے گزر گیا۔ اندھیرے میں شیر خان کو یہ اندازہ نہ ہو سکا کہ وہ ٹرک کس ملک کی فوج کا تھا۔ روبی کو تشویش ہو گئی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ انڈیا اور پاکستان کے آپس میں بڑے اختلافات ہیں۔ خاص طور پر کشمیر کے مسئلے پر دونوں ملکوں کے درمیان کافی تناؤ رہتا ہے۔ اسی اعتبار سے انڈیا ایک دشمن ملک تھا اور ان دونوں میں سے کسی کے پاس کوئی پاسپورٹ وغیرہ نہیں تھا۔ ان کے تمام کاغذات بریف کیس میں ہی رہ گئے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ برما پہنچ کر انہیں کوئی پریشانی نہیں ہو گی۔ وہ پاکستانی سفارت خانے جا کر اپنی کہانی سچ سچ سنا دیں گے اور سفارت خانہ ان کی پوری مدد

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کرے گا۔ لیکن اگر یہ واقعی انڈیا کی زمین ہے تو پھر انہیں کافی مشکلات پیش آسکتی ہیں۔
اس قسم کے خیالات روبی کو وقتی طور پر پریشان کیے ہوئے تھے۔ ٹرک کے گزر جانے کے بعد روبی نے شیر خان سے کہا۔

"فرض کرو کہ ہم انڈیا کے علاقے میں آگئے ہیں۔ ہمیں کیا طریقہ اختیار کرنا ہو گا کہ ہم پاکستان پہنچ سکیں۔" شیر خان کہنے لگا۔

"جہاں تک میرا خیال ہے ہم کسی طرح پاکستانی سفارت خانے پہنچنے کی کوشش کریں گے۔"

"اور اگر پاکستانی سفارت خانے پہنچنے سے پہلے ہی ہمیں بھارتی پولیس نے پکڑ لیا تو کیا ہو گا؟ وہ تو ہمیں پاکستانی جاسوس سمجھ کر جیل میں ڈال دیں گے اور پاکستانی سفارت خانے کو کانوں کان خبر نہ ہو گی۔" شیر خان نے ہنس کر کہا۔

"تم کیوں ڈر رہی ہو۔ پہلے اس بات کی تصدیق تو ہو جائے کہ ہم کس ملک میں آگئے ہیں۔" شیر خان نے اس سوال کا جواب دینے کی بجائے روبی کو ساتھ لیا اور سڑک سے نیچے اتر کر شمال کی طرف چل دیا۔

آسمان پر بادل بھی تھے اور کہیں کہیں کوئی تارا بھی چمکتا نظر آجاتا تھا۔ رات حبس آلود نیم گرم تھی۔ ان کے کپڑے کافی حد تک خشک ہو گئے تھے۔ جس وقت دن کا اجالا پھیلا تو وہ مچھیروں کی ایک بستی کے قریب سے گزر رہے تھے۔ ماہی گیروں کے رنگ کالے تھے، شیر خان بولا۔

"روبی ہم انڈیا آگئے ہیں۔ یہ ہندوستانی تامل مچھیرے ہیں۔ میں انہیں اچھی طرح پہچانتا ہوں۔" اب روبی کو بھی یقین ہو گیا تھا کہ وہ انڈیا میں ہیں اور یہاں سے پاکستان پہنچنے میں انہیں بے شمار دشواریوں کا سامنا کرنا ہو گا۔ ایک شہر کے مضافات شروع ہو گئے۔ انہیں جنوبی انڈیا کے خاص قسم کے مندر دکھائی دیے ایک کافی کشادہ سڑک شہر کی طرف جا رہی تھی۔ جس پر بھاری ٹریفک گزر رہی تھی۔ شیر خان اور روبی ایک درخت کے پیچھے ہو کر بیٹھ گئے۔ وہاں انہوں نے فیصلہ کیا کہ سب سے پہلے انہیں کسی ہوٹل میں جا کر کپڑے تبدیل کر کے اپنا حلیہ درست کرنا ہو گا۔ اس کے بعد شہر میں پاکستانی سفارت خانے وغیرہ کا

پتا چلانا ہو گا۔ یہ فیصلہ کر کے وہ اٹھے اور شہر میں داخل ہو گئے۔ یہ کافی بڑا شہر تھا۔ اونچی اونچی عمارتیں تھیں۔ انہیں بہت جلد معلوم ہو گیا کہ یہ تامل ناڈو کا صوبہ ہے اور اس شہر کا نام ناگاپٹنم ہے۔ یہاں ایک درمیانے درجے کا ہوٹل نظر آیا تو وہ اس میں داخل ہو گئے۔ اپنے آپ کو سنہالی میاں بیوی سیاح ظاہر کیا اور ایک کمرہ کرائے پر لے لیا سب سے پہلے انہوں نے ناشتہ کیا پھر بازار میں آکر کپڑے خریدے۔ ہوٹل میں واپس آکر انہیں پہنا۔ شیر خان نے شیو بنائی روبی نے نئی پتلون جیکٹ پہن لی۔ اس نے ہمیشہ یہی لباس پہنا تھا اور انڈیا میں لڑکیاں یہ لباس عام پہنتی ہیں۔ کسی نے ان کی طرف کوئی توجہ نہ دی شیر خان کہنے لگا۔

"اس شہر سے ہمیں آگے کسی بڑے شہر میں جانا ہو گا کیونکہ کسی بڑے شہر میں ہی پاکستان کا سفارت خانہ ہو گا۔"

یہ بات انہوں نے معلوم کر لی تھی کہ اس سے آگے بڑا شہر مدراس پھر حیدر آباد ہے۔ روبی نے مشورہ دیا کہ ہمیں حیدر آباد جانا چاہئے وہاں مسلمانوں کی آبادی زیادہ ہے۔ وہاں ہمیں زیادہ خطرہ نہیں ہو گا۔ شیر خان کو یہ مشورہ پسند آیا وہ بینک گیا اور خود کو سنہالی سیاح ظاہر کر کے کچھ امریکی ڈالروں کو انڈین کرنسی میں تبدیل کروا لیا۔ اس شام وہ ٹرین میں بیٹھ کر مدراس کی طرف روانہ ہو گئے مدراس تک انہیں کسی نے کچھ نہ کہا۔ پولیس والے بھی جگہ جگہ ملے مگر کسی نے ان پر کوئی شک نہ کیا۔ مدراس میں اسٹیشن کے سامنے ایک ہوٹل میں انہوں نے رات بھر قیام کیا۔ یہاں سیاحوں والے دو چمڑے کے تھیلے بھی خرید لئے اب وہ پوری طرح سے سیاح جوڑا نظر آرہے تھے اگرچہ ان کے پاس پاسپورٹ وغیرہ بالکل نہیں تھے امریکی ڈالروں کی تھیلیاں ابھی تک ان کی کمر کے ساتھ بندھی ہوئی تھیں۔ اگلے روز مدراس سے انہوں نے ایک گاڑی پکڑی اور وجے واڑہ کی طرف چلے جہاں سے انہیں حیدر آباد (دکن) والی گاڑی پکڑنی تھی۔

یہ سارا سفر خیر و عافیت سے گزر گیا۔ حیدر آباد پہنچتے ہی انہوں نے حسب دستور ایک انگریزی فیشن کے ہوٹل میں اپنے آپ کو میاں بیوی ظاہر کر کے ایک کمرہ لے لیا اور اپنے اگلے پروگرام پر غور کرنے لگے۔ شیر خان کہنے لگا۔

"تم ہوٹل میں ہی ٹھہرو میں شہر میں جا کر پاکستانی سفارت خانے کا پتا چلاتا ہوں۔" روبی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کو ہوٹل کے کمرے میں چھوڑ کر شیر خان شہر میں آگیا۔ اسے ایک بڑی عظیم الشان مسجد نظر آئی۔ مسجد کے نیچے ایک قطار میں کپڑوں کی دکانیں تھیں۔ یہاں ایک مسلمان دکاندار سے جس کی باقاعدہ شرعی داڑھی تھی شیر خان نے سلام علیکم لی اور کہا۔

"محترم کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ یہاں پاکستانی سفارت خانے کی عمارت کہاں ہے؟"

دکاندار نے اوپر سے نیچے تک شیر خان کو دیکھا پھر بولا۔

"برخوردار! یہاں تو پاکستانی سفارت خانہ موجود نہیں مگر تم کون ہو اور کہاں سے آئے ہو؟" شیر خان نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"بات یہ ہے کہ جی کہ میں سنہالی مسلمان سیاح ہوں۔ اپنی بیوی کے ساتھ یہاں سیرو سیاحت کرنے آیا ہوا ہوں۔ سوچا کیوں نہ آگے پاکستان کی بھی سیر کرتے چلے اسی وجہ سے پاکستانی سفارت خانے کا پتا پوچھا تھا کہ ان سے معلومات حاصل کروں کہ یہاں سے پاکستان کیسے جایا جا سکتا ہے۔" مسلمان دکاندار نے کہا۔

"برخوردار! تم ایسا کرو کہ یہاں سے راجدھانی دلی جاؤ' وہاں پر تمام ملکوں کے سفیر رہتے ہیں۔ پاکستانی سفیر بھی وہاں رہتا ہو گا۔ ان کا سفارت خانہ بھی ہو گا دلی سے ہی تمہیں معلومات مل سکتی ہیں۔" شیر خان نے مسلمان دکاندار کا شکریہ ادا کیا اور سلام کر کے واپس چل دیا۔ ہوٹل میں آکر اس نے ساری بات روبی کو بتا دی وہ بولی۔

"تو کیا اب ہمیں دلی جانا ہو گا؟" شیر خان نے کندھے اچکاتے ہوئے کہا۔

"وہ تو جانا ہی پڑے گا۔ کیونکہ پاکستان کا سفیر وہیں رہتا ہے اور وہی اس حالت میں ہمارے کام آسکتا ہے۔" روبی نے سگریٹ کی راکھ جھاڑتے ہوئے کہا۔

"تو پھر نکل چلتے ہیں۔ یہاں بیٹھنا تو بیکار ہے۔" شیر خان نے کہا۔

"ٹرین کی بجائے ہوائی جہاز سے سفر کریں گے۔ جلدی دلی پہنچ جائیں گے۔ ٹرین کا سفر بھی لمبا ہے اور راستے میں اگر کسی پولیس والے کو شک پڑ گیا تو ہم پر مصیبت بھی ٹوٹ سکتی ہے۔" چنانچہ اسی تجویز پر عمل کیا گیا۔

دونوں بذریعہ ہوائی جہاز حیدر آباد سے دلی آگئے دلی اس سے پہلے بھی روبی اور شیر خان دیکھ چکے تھے۔ رات انہوں نے ہوٹل میں آرام کیا۔ اگلے روز شیر خان نے حسب

دستور روبی کو ہوٹل میں ہی چھوڑا اور خود پاکستانی سفارت خانے کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا۔ ایک ٹیکسی ڈرائیور نے اسے پاکستانی سفارت خانے تک پہنچا دیا۔

شیر خان کا خیال تھا کہ وہ مسلمان ہے۔ اس کے ماں باپ پاکستانی تھے۔ بڑی آسانی سے اس کا کام ہو جائے گا اور اسے اور روبی کو پاکستان پہنچا دیا جائے گا مگر دفتری کارروائی اور خاص طور پر ایک دشمن ملک میں کام کرتے سفارت خانے کی کارروائی کس قدر محتاط اور پیچیدہ ہوتی ہے اس کا شیر خان کو احساس نہیں تھا۔ ایک تو وہ نوجوان تھا۔ دوسرے وہ پڑھا لکھا نہیں تھا۔ اسمگلنگ کے کاروبار میں ہی اس نے اپنی نو عمری اور نوجوانی گزاری تھی۔ اس میں لوگوں کو پہچاننے کی صلاحیت ضرور پیدا ہو گئی تھی مگر سفارتی دنیا کی مصلحت کوشیوں سے وہ بالکل واقف نہیں تھا۔ پہلے تو اسے کسی نے اندر ہی نہ جانے دیا۔ اس کے پاس پاکستانی پاسپورٹ بھی نہیں تھا۔ بڑی مشکل سے اس کی ملاقات ایک سفارتی اہلکار سے ہوئی۔ شیر خان نے سادہ دلی اور جذباتی رو میں اسے سب کچھ بتا دیا کہ وہ کون ہے۔ روبی کون ہے اور یہ کہ اب وہ اپنے پیارے وطن پاکستان جا کر ایک نیک اور صاف ستھری رزق حلال کمانے کی زندگی شروع کرنا چاہتے ہیں۔ سفارتی عہدیدار محتاط ہو گیا کسی حد تک یہ کام اس کے لئے بھی مشکل ہی تھا۔ اس نے شیر خان سے کہا کہ وہ پہلے اپنے اور روبی کے سنہالی نیشنل ہونے کا سرٹیفکیٹ لائے اور یہ بھی ثابت کرے کہ اس کے ماں باپ پاکستانی تھے۔ اس کے بعد کچھ غور کیا جا سکے گا۔ شیر خان پریشان ہو گیا۔ کہنے لگا

"سر! میں اگر واپس گیا تو جرائم پیشہ گروہ کے لوگ مجھے اور میری منگیتر روبی کو زندہ نہ چھوڑیں گے۔" سفارتی عہدیدار نے کہا۔

"پھر ہم مجبور ہیں۔" سفارت خانے والے بھی سچے تھے۔ بغیر کسی دستاویز یا تصدیق کے وہ شیر خان کو کیسے پاکستانی پاسپورٹ بنا کر دے سکتے تھے۔ اس طرح سے تو کوئی دشمن ملک کا جاسوس بھی پاکستانی پاسپورٹ بنوا کر پاکستان میں داخل ہو سکتا تھا۔

شیر خان نے ساری کارروائی ہوٹل میں آکر روبی کو سنا دی۔ وہ بھی سفارت خانے والوں کی مجبوری اور فرض شناسی کو نہ سمجھ سکی۔ سفارت خانے والوں پر غصہ کرنے لگی۔ شیر خان نے صوفے پر بیٹھ گیا سگریٹ سلگایا اور کہنے لگا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"لگتا ہے ہم ایک مصیبت سے نکل کر دوسری مصیبت میں پھنس گئے ہیں۔ بھلا ہم واپس کیسے جا سکتے ہیں؟ مجھے تو یہ بھی خطرہ ہے کہ ہمارے گروہ کے قاتل جاسوس کہیں یہاں بھی ہمارے پیچھے نہ چلے آرہے ہوں۔ کہاں یہ کہ ہم خود موت کے منہ میں واپس جائیں۔"

"پھر اب کیا سوچا ہے تم نے؟" روبی نے تلخی سے پوچھا۔ شیر خان کی اب تک کی زندگی زیادہ تر غیر قانونی کام کرتے ہوئے گزری تھی۔

"کسی جگہ سے بارڈر کراس کریں گے اور کیا ہو سکتا ہے۔"

روبی کے لئے بھی یہ بات کوئی انوکھی یا پریشان کر دینے والی نہیں تھی۔۔ البتہ انہیں اس بات کا احساس نہیں تھا کہ پاک بھارت سرحد پر دونوں طرف سے کس قدر سختی برتی جاتی ہے اور ناجائز طور پر سرحد پار کرنا کتنا جان جوکھوں کا کام ہے۔ یہی وجہ تھی کہ دونوں غیر قانونی طور پر سرحد پار کرنے پر فوراً تیار ہو گئے۔ روبی کہنے لگی۔

"اس کے لئے سب سے پہلے تو ہمیں کسی سرحدی گاؤں میں جا کر کسی اسمگلر سے بات کرنی ہو گی اسے رشوت دینی ہو گی اور اس کے علاوہ ہمیں کہیں سے اپنی حفاظت کے لئے اسلحہ بھی حاصل کرنا ہو گا۔ کیونکہ انڈین اسمگلر بھی ہم پر کسی لالچ کی وجہ سے حملہ کر سکتے ہیں۔"

شیر خان خاموشی سے سگریٹ پیتا اور سوچتا رہا۔ وہ اس سے پہلے پاک بھارت سرحد پر کسی سرحدی گاؤں میں نہیں گیا تھا یہ وہ ضرور جانتا تھا کہ دنیا کے ہر ملک کی سرحد پر پیشہ ور اسمگلر ضرور رہتے ہوتے ہیں۔ شیر خان کو اسمگلروں سے بات کرنے کا گر آتا تھا۔ اس کے پاس امریکی ڈالر بھی تھے۔ اس معاملے میں اسے کافی سوجھ بوجھ تھی کہنے لگا۔

"روبی! میرا خیال ہے ہمیں پنجاب کی بجائے راجستھان کی طرف سے سرحد پار کرنی چاہئے۔ میری چھٹی حس کہتی ہے کہ راجستھان کی طرف سے ہم نکل جانے میں کامیاب ہو جائیں گے۔"

روبی کے لئے سارے کا سارا بارڈر ایک جیسا تھا اور ہر جگہ ایک جیسا ہی خطرہ تھا۔ اس نے کہا۔

"چاہے جس طرف سے نکلیں لیکن ہمیں پاکستان ہر حالت میں پہنچنا ہو گا۔ اگر انڈین بارڈر پولیس سے مقابلہ بھی کرنا پڑا تو مقابلہ کریں گے۔ کاش اس وقت ہمارے پاس ہمارا اپنا اسلحہ ہوتا ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ میں راجستھان کے بارے میں پوری معلومات حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہوں کہ یہ علاقہ یہاں سے کتنی دور ہے کہاں تک ریل گاڑی جاتی ہے۔ وغیرہ..."

دلی جیسے شہر میں ایسی معلومات حاصل کرنا کوئی مشکل کام نہیں تھا۔ شیر خان نے بہت جلد معلوم کر لیا کہ اسے دلی سے راجستھان کے سرحدی شہر جودھ پور جانا ہو گا۔ وہاں سے آگے پاکستان کا بارڈر شروع ہو جاتا ہے۔ اس کے لئے اتنی معلومات ہی کافی تھیں۔ چنانچہ انہوں نے ایک روز ٹرین پکڑی اور دلی سے اجمیر شریف آگئے۔ یہاں سے "جودھ پور" جانے کے لئے دوسری ٹرین میں سوار ہو گئے۔ ابھی تک وہ بڑی آسانی سے سفر کر رہے تھے۔ کسی جگہ بھی وہ انڈین انٹیلیجنس والوں کی نظر میں نہیں آئے تھے۔ اس کی وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ وہ سیاحوں کے حلیئے میں تھے اور دونوں نوجوان تھے اور کالج کے اسٹوڈنٹ لگتے تھے۔ لیکن اجمیر شریف سے جب وہ "جودھ پور" جانے والی گاڑی میں سوار ہوئے تو سی آئی ڈی انسپکٹر کمنہ لعل ان کے پیچھے لگ گیا۔ اس ہندو خفیہ انسپکٹر نے دیہاتیوں ایسا حلیہ بنا رکھا تھا۔ یہ بڑا گھاگ قسم کا سی آئی ڈی انسپکٹر تھا اور اس کے تجربے اور زیرکی کی وجہ سے محکمے نے اس کی ڈیوٹی بارڈر کے علاقے میں لگا رکھی تھی۔ انسپکٹر کمنہ لعل نے شیر خان اور روبی کو ٹرین میں سوار ہوتے دیکھا تو اسے خیال آیا کہ یہ دونوں بظاہر سیاح لگتے ہیں مگر اس موسم میں راجستھان میں سیاح بہت ہی کم آتے ہیں۔ پھر یہ غیر ملکی بھی نہیں لگتے۔

شیر خان اور روبی کے چہروں پر قدرتی طور پر جو ایک تجسس کی کیفیت طاری تھی اسے بھی انسپکٹر کمنہ لعل نے پڑھ لیا تھا۔ یہ لڑکا لڑکی کون ہیں اور انڈین سرحد کی طرف کیا کرنے جا رہے ہیں جب کہ جودھ پور کی طرف ایسی کوئی جگہ بھی نہیں تھی جس میں سیاحوں کے لئے زیادہ دلچسپی ہو ہندو انسپکٹر جان بوجھ کر پلیٹ فارم پر ایک طرف چھپ کر کھڑا رہا۔ جب گاڑی چل پڑی تو وہ لاٹھی اٹھائے گنواروں کی طرح پلیٹ فارم پر دوڑتے ہوئے شیر خان اور روبی کے ڈبے میں گھس گیا۔ ٹرین رفتار پکڑ چکی تھی۔ ہندو انسپکٹر وہیں ڈبے کے دروازے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں بیٹھ کر سانس درست کرنے کی جھوٹ موٹ کوشش کرنے لگا۔ ڈبے میں تین چار مسافر ہی تھے۔ یہ سیکنڈ کلاس کمپارٹمنٹ تھا۔ ایک مسافر نے انسپکٹر کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔

"ابے تو یہاں کیوں چڑھ آیا ہے۔ یہ سیکنڈ کلاس ہے۔"

انسپکٹر کمنہ لعل ادھیڑ عمر کا آدمی تھا۔ اس نے سر پر راجستھان دیہاتیوں والی پگڑی باندھ رکھی تھی۔ بدن پر انگرکھا طرز کی چولی اور نیچے دھوتی باندھی ہوئی تھی۔ وہیں بیٹھے بیٹھے ہاتھ جوڑ کر بولا۔

"مہاراج! غریب آدمی ہوں۔ دوسرے ڈبے میں جگہ نہیں ملی۔ معافی دے دیں۔"

شیر خان اور روبی نے اس کی طرف توجہ دینے کی ضرورت محسوس نہ کی۔ وہ اپنے تھیلے اتار کر ایک طرف رکھنے میں مصروف رہے دوسرا مسافر بھی اخبار پڑھنے میں مصروف ہو گیا۔ ٹرین پلیٹ فارم سے نکل چکی تھی اور اس کی رفتار آہستہ آہستہ تیز ہو رہی تھی۔ انسپکٹر کمنہ لعل وہیں دروازے کے پاس ہی گھٹنے چھاتی سے لگائے گنواروں ایسے انداز میں بیٹھا رہا۔ مگر کبھی کبھی وہ بڑی گہری نگاہوں سے شیر خان اور روبی کو دیکھ لیتا۔

جودھ پور تک انسپکٹر برابر دونوں کا جائزہ لیتا رہا۔ اس نے ایک اور خاص بات بھی نوٹ کی تھی۔ اس علاقے میں جو بھی سیاح آتے تھے ان کے پاس تصویریں اتارنے والے کیمرے ضرور ہوتے تھے جب کہ ان دونوں کے پاس کوئی کیمرہ نہیں تھا۔ دوسری طرف شیر خان نے بھی محسوس کیا کہ ڈبے کے دروازے کے پاس بیٹھا گنوار دیہاتی کبھی کبھی ان کی جانب گہری نظروں سے دیکھ لیتا ہے۔ ایک بار شیر خان اور انسپکٹر کی آنکھیں چار ہو گئیں تو ہندو انسپکٹر نے جلدی سے نظریں دوسری طرف کر لیں۔ شیر خان کا جنوب مشرقی ایشیا میں اسمگلنگ کی جرائم پیشہ زندگی کے دوران کئی تجربہ کار انٹیلیجنس افسروں سے پالا پڑ چکا تھا اور وہ ان لوگوں کی حرکات و سکنات سے بخوبی واقف تھا سب سے پہلے تو اسے یہی شک گزرا کہ ہو نہ ہو یہ آدمی ان کے گینگ کا کوئی جاسوس ہے جو دیہاتی کے روپ میں ان کے پیچھے لگ گیا ہے۔ شیر خان نے روبی سے اس کا بالکل ذکر نہ کیا مگر وہ دل ہی دل میں اس جاسوس سے چھٹکارا حاصل کرنے اور اسے جل دے کر نکل جانے کے منصوبے پر غور کرنے لگا۔

"جودھ پور" ریلوے اسٹیشن پر اترنے کے بعد شیر خان اور روبی دوسرے درجے کے

ویٹنگ روم میں آ گئے۔ یہاں شیر خان نے اپنے پیچھے لگے ہوئے دیہاتی آدمی کے بارے میں روبی کو بتایا تو وہ بولی۔

"اگر یہ ہمارے گروہ کا آدمی ہے تو اسے کسی طریقے سے قتل کر دینا چاہئے۔ ورنہ ہم دونوں کی خیر نہیں ہے۔"

شیر خان نے کہا کہ ہمارے پاس تو چھوٹا چاقو بھی نہیں ہے۔ روبی کسی بڑے خطرے کو قریب آتے دیکھ رہی تھی۔ اسے معلوم تھا کہ لنکا میں ان کے بین الاقوامی جرائم پیشہ گروہ کے انچارج سیٹھ نے دونوں کے فرار کی اطلاع علاقے کے سارے ملکوں میں اپنے آدمیوں کو کر دی ہو گی اور یہ قاتل پیشہ لوگ ان دونوں کی تلاش میں ہوں گے۔ روبی کو اس بات پر حیرانی بھی ہو رہی تھی کہ ابھی تک کوئی ان کے تعاقب میں کیوں نہیں آیا۔ جب شیر خان نے دیہاتی جاسوس کی بات بتائی تو ایک بار تو اس سرکش منہ زور اور بہادر لڑکی کا دل بھی بیٹھ گیا۔ کیونکہ وہ جانتی تھی کہ ان کے گروہ کے ہاتھ بڑے لمبے ہیں اور وہ دنیا کے جس حصے میں جس کو چاہیں قتل کروا سکتے ہیں اور روبی قتل ہونا نہیں چاہتی تھی۔ اس نے شیر خان کے ساتھ شادی کر کے پاکستان میں ایک صاف ستھری نئی زندگی شروع کرنے کا فیصلہ کر رکھا تھا۔ اس نے شیر خان سے کہا۔

"اگر تم ایسا نہیں کر سکتے تو میں اسے ختم کر دوں گی۔ تم کہیں سے مجھے پیاز کاٹنے والی چھری ہی لا دو۔" شیر خان نے روبی کو سمجھانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"جذبات کی رو میں بہنے سے کچھ نہیں ہو گا روبی اگر یہ ہمارے گروہ کا آدمی ہے تو یقینی بات ہے کہ اس نے اطلاع کر دی ہو گی کہ میں نے شکار تلاش کر لیا ہے اور اس کے پیچھے جودھ پور جا رہا ہوں۔ یوں ایک کو مار دیا تو دوسرا اس کی جگہ پر آ جائے گا اور پھر یہ لوگ ہمیں ہلاک کرنے میں ذرا سی بھی تاخیر نہیں کریں گے۔"

"تو کیا پھر ہم اپنے آپ کو ان درندوں کے حوالے کر دیں۔" روبی نے تلخ انداز میں پوچھا شیر خان چمڑے کے تھیلے کا زپ بند کرتے ہوئے بولا۔

"ہمیں ہوشیاری سے کام لینا ہو گا۔ کوئی اسکیم بنانی ہو گی تاکہ اس آدمی کی نظروں سے غائب ہو جائیں۔" روبی ریلوے ویٹنگ روم کی آرام کرسی پر بیٹھی تھی ویٹنگ روم

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں ان کے سوا کوئی نہیں تھا۔ شیر خان نے بند دروازے کے پاس جا کر پردے کو ذرا سا کھسکایا اور جالی میں سے باہر دیکھا اسے جاسوس دیہاتی نظر نہ آیا وہ تیزی سے پلٹا اور اپنی کمر کے گرد بندھی ہوئی پیٹی کو کھولتے ہوئے بولا۔

"تم بھی کمر کی پیٹی کھول کر ڈالر کرنسی نوٹ مجھے دے دو۔" روبی نے پتلون سے قمیص باہر نکالی پھر کمر کے ساتھ بندھی پیٹی کھول کر شیر خان کے آگے رکھ دی۔ شیر خان اپنی پیٹی بھی باہر نکال چکا تھا اس نے دونوں پیٹیوں کے ساتھ بندھی ہوئی پلاسٹک کی تھیلیاں پھاڑ کر ان میں سے سارے کے سارے ڈالر نکال کر تھیلے میں بھر لئے یہ ہزار ہزار ڈالر کے کرنسی نوٹ تھے جن کی سات گڈیاں بن گئی تھیں۔ اس کے بعد شیر خان نے روبی سے کہا۔

"تم یہیں ویٹنگ روم میں ہی بیٹھو اور میرا انتظار کرو۔ میں آتا ہوں۔"

"تم کہاں جا رہے ہو؟" روبی نے پوچھا۔شیر خان نے کہا۔ "میں اس رقم کو کسی محفوظ جگہ پر چھپا دینا چاہتا ہوں جب تک پیچھے لگے ہوئے اس قاتل سے چھٹکارا نہیں مل جاتا۔ ہم نہ بارڈر کراس کر سکتے ہیں اور نہ یہ رقم اپنے پاس رکھ سکتے ہیں۔ تم باہر مت نکلنا یہاں سے میں بڑی جلدی واپس آرہا ہوں۔"

یہ کہہ کر شیر خان نے تھیلا کاندھے سے لٹکایا اور ویٹنگ روم کا دروازہ کھول کر باہر آگیا۔

پلیٹ فارم پر گاڑی ابھی تک کھڑی تھی جو خالی ہو چکی تھی اور ریلوے کے آدمی ڈبوں کی صفائی وغیرہ کر رہے تھے۔ مسافر بھی پلیٹ فارم پر کہیں کہیں سامان وغیرہ قلیوں سے اٹھواتے نظر آرہے تھے۔ شیر خان کی نظریں دیہاتی گنوار یعنی سی آئی ڈی انسپکٹر کمنہ لعل کو ڈھونڈ رہی تھیں۔ وہ اسے چائے کے اسٹال یا کسی بینچ پر بھی بیٹھا دکھائی نہ دیا۔ لیکن شیر خان کو یقین تھا کہ وہ کسی نہ کسی جگہ چھپ کر اسے ضرور دیکھ رہا تھا اس کا اندازہ غلط نہیں تھا انسپکٹر کمنہ لعل پلیٹ فارم کے پل کے ستون کے پیچھے بیٹھا شیر خان کو دیکھ رہا تھا۔ شیر خان دل میں ایک منصوبہ بنا کر نکلا تھا۔ اسے یقین تھا کہ اس شہر میں جو مسلمان آباد ہیں وہ ان میں سے کسی ایک کے دل میں ہمدردی کے جذبات پیدا کر سکتا ہے۔ گیٹ پر ٹکٹ چیکر کھڑا تھا شیر خان نے اسے سیکنڈ کلاس کا ٹکٹ دکھایا اور کہا۔

"جناب میں اور میری بیوی دلی سے آئے ہیں میرے ایک دوست نے ہمیں لینے آنا تھا' وہ نہیں آیا' میری بیوی ویٹنگ روم میں ہی ہے۔ میں اپنے دوست کا پتا کرنے جا رہا ہوں۔ ابھی واپس آجاؤں گا۔"

ٹکٹ چیکر نے شیر خان کا ٹکٹ چیک کر کے اپنے پاس رکھ لیا اور کہا۔ "تم واپس بھی آسکتے ہو۔ میں یہیں ڈیوٹی پر ہوں گا۔"

شیر خان اسٹیشن کے باہر آگیا۔ شہر کو وہ پہلی بار دیکھ رہا تھا۔ اس سے پہلے وہ یہاں کبھی نہیں آیا تھا۔ وہ کسی مسجد کی تلاش میں تھا کیونکہ ایسے ہی علاقے میں اسے کوئی مسلمان مل سکتا تھا اس نے ریل بازار میں ایک طرف چلنا شروع کر دیا اسے کسی بھی جگہ کسی مسجد کے مینار نظر نہ آئے بازار ختم ہو گیا۔ ایک طرف چھوٹا سا ریتلا میدان تھا جہاں پہلے کچھ سرسبز

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کھیتیاں تھیں۔ ہندو انسپکٹر بھی ایک خاص فاصلہ رکھ کر شیر خان کا تعاقب کر رہا تھا۔ شیر خان نے ایک بار بھی پیچھے مڑ کر نہ دیکھا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ مشتبہ شخص ضرور اس کا پیچھا کر رہا ہو گا۔ وہ اپنے منصوبے کے مطابق آگے بڑھتا چلا جا رہا تھا۔ آخر اسے ایک مسجد کے مینار نظر آگئے۔ یہ مسجد آبادی سے ذرا باہر بنی ہوئی تھی۔ احاطے کی دیوار کے اندر کھجور کے کچھ درخت اگے تھے۔ شیر خان نے مسجد کی چار دیواری کے گرد ایک چکر لگایا اسے امید کی ایک کرن دکھائی دی مسجد کی عقبی دیوار میں ایک چھوٹا سا دروازہ جو ایک باغ میں کھلتا تھا۔ اس باغ میں آم اور کیکر کے درخت ساتھ ساتھ اگے ہوئے تھے۔ شیر خان مسجد کے دروازے پر آکر رک گیا مسجد کا دروازہ کھلا تھا اندر پختہ صحن میں صف بچھی ہوئی تھی جس پر کچھ لڑکے بیٹھے سیپارے پڑھ رہے تھے۔ شیر خان نے جوتا اتارا اور مسجد کے صحن میں آکر بچوں کے پاس ہی بیٹھ گیا مسجد کے حجرے بھی تھے۔ بچوں نے سیپارہ پڑھتے ہوئے ایک نظر شیر خان کو دیکھا اور پھر سیپارہ پڑھنے میں مصروف ہو گئے۔ مسجد میں اجنبی مسافر آیا ہی کرتے تھے۔ شیر خان کی تیز آنکھوں نے پل بھر میں مسجد کا جائزہ لے لیا۔ حجرے کے پہلو میں دو چار سیڑھیاں صحن میں اترتی تھیں۔ یہاں چند قدم کے فاصلے پر مسجد کی عقبی دیوار تھی جس میں وہی چھوٹا سا دروازہ تھا جو باغ میں کھلتا تھا۔ شیر خان کو اسی دروازے کی تلاش تھی۔ جوتا اس نے تہہ کر کے اپنے پاس ہی رکھ لیا تھا وہ اٹھ کر مسجد کے سامنے والے دروازے پر آیا۔ اس نے جھانک کر دیکھا۔

انسپکٹر کمنہ لعل کہیں نہیں تھا۔ شیر خان یہی سمجھا کہ وہ شخص کسی جگہ چھپ کر اس کی نگرانی کر رہا ہے۔ یہ ظاہر کرنے کے بعد کہ شیر خان مسجد میں ہی ہے اس نے جوتے پہنے مسجد کی اندرونی دیوار کے ساتھ ساتھ چلتا عقبی دروازے ہی سے تیزی سے باغ میں نکل گیا۔ یہاں آکر اسے معلوم ہوا اس باغ میں پندرہ بیس کچی پکی قبریں بنی ہوئی ہیں۔ ایک خیال شیر خان کے دماغ میں لہرا گیا باغ بالکل خالی تھا چاروں طرف جھاڑیوں کی قد آدم باڑھ بنی ہوئی تھی باہر سے نظر نہیں پڑ سکتی تھی۔ شیر خان جھک کر چلتا قبروں میں سے گزرنے لگا۔ کیکر کے ایک چھتاروں والے درخت کے نیچے پرانی کچی قبر ایک طرف جھکی ہوئی تھی۔ ایک جانب اس میں سوراخ بن گیا تھا شیر خان وہاں بیٹھ گیا۔ اس نے سوراخ میں ہاتھ ڈالا۔

اندر ریت اور مٹی تھی۔ اس نے چمڑے کے تھیلے میں سے ڈالروں کے نوٹوں والا پلاسٹک کا بند پیکٹ نکالا اور قبر کے سوراخ کے کافی اندر کر کے رکھ دیا اور سوراخ کو روڑوں سے بند کر کے اوپر مٹی ڈال دی اور اسے اچھی طرح سے دبا دیا پھر چاروں طرف دیکھا۔ اسے کوئی دوسرا آدمی وہاں دکھائی نہ دیا۔ شیر خان نے دل میں کہا اب یہ ڈالر خدا کے سپرد۔ زندگی رہی تو پاکستان جاتے وقت یہاں سے نکال لیں گے۔ نہیں تو پھر جو خدا کو منظور!

باغ سے گزرتا وہ واپس مسجد میں آگیا شیر خان مسجد کے سامنے والے دروازے سے باہر آگیا۔ چمڑے کا تھیلا اس نے اسی طرح کاندھے پر ڈال رکھا تھا۔ وہ دونوں ہاتھ بار بار چہرے پر پھیر کر یہ تاثر دینے کی کوشش کر رہا تھا کہ وہ مسجد میں نفل ادا کر کے آرہا ہے۔

وہ اپنی طرف سے بڑا چوکس ہو کر ریلوے اسٹیشن کی طرف جا رہا تھا جب وہ ریل بازار میں داخل ہوا تو اچانک ایک ذیلی گلی میں سے پولیس کی جیپ تیزی سے نکل کر اس کے سامنے آکر رک گئی۔ جیپ میں سے ایک تھانیدار اور پانچ چھ سپاہی اترے اور انہوں نے شیر خان کو گھیرے میں لے لیا۔ گنوار دیہاتی یعنی انسپکٹر کمنہ لعل بھی تھانیدار کے ساتھ تھا۔ شیر خان کو اب معلوم ہوا کہ جس مشتبہ شخص کو وہ اپنے گینگ کا آدمی سمجھ رہا تھا اصل میں وہ انڈین سی آئی ڈی کا آدمی تھا۔ شیر خان نے جس قسم کی جرائم پیشہ زندگی بسر کی تھی اس کی وجہ سے اس کے اعصاب لوہے کے بن چکے تھے۔ وہ بغیر کسی گھبراہٹ کے تھانیدار کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"کیا بات ہے جناب؟"

تھانیدار کے ہاتھ میں بید تھا۔ کمر کے ساتھ پستول لٹک رہا تھا۔ سپاہیوں کے پاس بھی صرف لاٹھیاں ہی تھیں۔ انسپکٹر کمنہ لعل نے تھانیدار کی طرف معنی خیز نگاہوں سے دیکھا۔ تھانیدار ایک ہاتھ سے بید دوسرے ہاتھ کی ہتھیلی پر آہستہ آہستہ بجاتے ہوئے شیر خان کے قریب آگیا اور بولا۔

"کہاں سے آئے ہو؟ یہاں کیا کر رہے ہو؟"

شیر خان نے بڑے اطمینان دے جواب دیا کہ "وہ دلی سے اپنی بیوی کے ساتھ یہاں کی سیر کرنے آیا ہے اور بیوی اسٹیشن پر ہے۔" تھانیدار نے سپاہیوں کو اشارہ کیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"اسے تھانے لے چلو۔" شیر خان جب بھی نہ گھبرایا اسے ابھی تجربہ نہیں تھا کہ انڈین پولیس جب کسی مسلمان کو بھارت میں مشتبہ حالات میں گرفتار کرتی ہے تو اس کے ساتھ کس قدر بہیمانہ سلوک کرتی ہے۔ خاص طور پر جب وہ بھارت کا رہنے والا نہ ہو اور مسلمان بھی ہو تو اسے پاکستانی جاسوس سمجھ کر ایسی ایسی ناقابل برداشت اذیتیں دی جاتی ہیں کہ وہ جیل کے اندر ہی مرجاتا ہے۔ وہ بڑے اطمینان سے یہ سوچ کر پولیس کے ساتھ چل پڑا پولیس کے پاس اسے مجرم ثابت کرنے کے لئے کوئی ثبوت تو ہے نہیں۔ اس لئے اسے چھوڑ دیا جائے گا۔ اس نے صرف اتنا کہا کہ میری بیوی اسٹیشن کے ویٹنگ روم میں ہے اسے اطلاع کر دی جائے۔ تھانیدار نے شیر خان کو جیپ میں سوار کراتے ہوئے کہا۔

"اس کی فکر نہ کرو۔ اسے بھی ہم تمہارے پاس لے آئیں گے۔" پولیس کی گاڑی ریلوے اسٹیشن کی طرف روانہ ہو گئی۔ انسپکٹر کمنہ لعل شیر خان کی ساتھی لڑکی روبی کو بھی اسی وقت گرفتار کرنا چاہتا تھا۔

شیر خان کو گئے جب کافی دیر ہو گئی تو روبی ویٹنگ روم سے نکل کر پلیٹ فارم پر ایک طرف کھڑی ہو گئی اس کی بے قرار نظریں شیر خان کو تلاش کر رہی تھیں۔ اسٹیشن کے گیٹ سے نکل کر ایک سڑک شہر کی طرف اور دوسری بائیں جانب اس پرانی مسجد والے قبرستان کی طرف جاتی تھی۔ جدھر شیر خان گیا تھا۔ روبی پلیٹ فارم پر ٹی اسٹال کی اوٹ میں کھڑی تھی۔ اچانک اس کی نظر پولیس کی کھلی جیپ پر پڑی جو اسٹیشن کی طرف چلی آرہی تھی۔ شیر خان کو جیپ میں پولیس کے نرغے میں بیٹھا دیکھا روبی کا ماتھا ٹھنکا وہ ایک دم ہوشیار ہو گئی یقیناً پولیس شیر خان کو پکڑنے کے بعد اب اسے گرفتار کرنے آرہی تھی۔ روبی تیزی سے پیچھے ہٹی تیز تیز قدموں سے ویٹنگ روم میں گئی وہاں سے اپنا تھیلا اٹھا کر کاندھے سے لٹکایا اور پلیٹ فارم سے ریلوے لائن پر کودی اور دوسری طرف نکل کر جنگلہ پار کر کے ریت کے چھوٹے سے ٹیلے کے پیچھے غائب ہو گئی۔

پولیس ویٹنگ روم میں گھس گئی۔ روبی وہاں نہ ملی تو انسپکٹر کمنہ لعل نے تھانیدار سے کہا۔" وہ بھاگ کر کہاں جائے گی۔ اسے ہم پکڑ لیں گے۔" پولیس سیٹیاں بجاتی روبی کی تلاش میں ادھر ادھر دوڑ پڑی۔

شیر خان جیپ میں خاموش بیٹھا تھا۔ جب اسے معلوم ہوا کہ روبی فرار ہو گئی ہے تو جانے کیوں اس کو کچھ اطمینان سا ہوا تھانیدار نے شیر خان کو اسی وقت ہتھکڑی لگوا دی اور دو سپاہیوں کے ساتھ تھانے روانہ کر دیا اور خود دو آدمی لے کر روبی کی تلاش میں اسٹیشن کی دوسری طرف نکل گیا۔ مگر روبی کہیں نہیں تھی۔

روبی بھی کوئی عام قسم کی گھریلو زبان لڑکی نہیں تھی۔ اس نے بھی جرائم پیشہ اسمگلروں کے گروہ میں آنکھ کھولی تھی اور اس قسم کے حالات سے اسے کئی بار واسطہ پڑ چکا تھا۔ ٹیلے کے پیچھے آتے ہی روبی کی نگاہ ایک مال گاڑی پر پڑی جو کسی طرف جا رہی تھی۔ یہ سائیڈ لائین تھی۔ مال گاڑی کی رفتار زیادہ تیز نہیں تھی۔ اس جگہ سے دور ہو جانے کا روبی کے لئے یہ ایک ایسا سنہری موقع تھا جو شاید قدرت نے خود اس کے لئے مہیا کیا تھا۔ مال گاڑی کے ساتھ ساتھ دوڑنے لگی۔ ایک خالی ڈبہ کھلا تھا اس کی زنجیر کو پکڑ کر روبی ڈبے میں گھس گئی۔ اس نے ایک نظر اسٹیشن کی طرف ڈالی پلیٹ فارم پر اسے پولیس کے آدمی ویٹنگ روم کی طرف جاتے نظر آتے۔ وہ ڈبے کی آہنی دیوار کے ساتھ لگ کر بیٹھ گئی مال گاڑی ست رفتار سے جا رہی تھی روبی کو کچھ پتا نہیں تھا کہ وہ کدھر جا رہی ہے۔

مال گاڑی جب جودھ پور ریلوے اسٹیشن سے اتنی دور نکل آئی کہ ریلوے اسٹیشن نگاہوں سے اوجھل ہو گیا تو روبی نے سوچنا شروع کیا کہ اب شیر خان سے ملاپ کیسے ہو گا۔ وہ اسی علاقے میں رہنا چاہتی تھی تاکہ وہاں رہ کر کسی طریقے سے شیر خان کو پولیس کے چنگل سے رہا کرائے۔ وہ شیر خان سے بے پناہ محبت کرتی تھی اور اب تو ان دونوں نے جرائم پیشہ زندگی سے توبہ کر کے پاکستان جا کر شادی کے بعد نیک زندگی بسر کرنے کا فیصلہ کیا ہوا تھا۔ شیر خان اگر صرف ان کے گروہ کا ایک ساتھی ہوتا تو روبی کے دل میں کبھی اس علاقے میں رہنے کا خیال نہ آتا۔ وہ خدا کا شکر ادا کرتی کہ اس کی جان پولیس سے بچ گئی ہے۔ لیکن شیر خان اس کا ساتھی ہی نہیں اس کا محبوب بھی تھا۔ دونوں نوجوان تھے دونوں کے دل ایک دوسرے کی محبت میں لبریز تھے اور محبت کا یہ وہ زمانہ ہوتا ہے جب آدمی طوفانی جذبات کی رو میں بہہ کر کچھ بھی کر گزرتا ہے۔ شیر خان کے بغیر روبی کو اپنی زندگی ادھوری اور خالی خالی لگ رہی تھی۔ اس نے ڈبے میں سے باہر جھانک کر دیکھا مال گاڑی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ایک طرف گھوم گئی تھی اور نصف دائرہ بناتے ہوئے مڑ رہی تھی۔ اس کی رفتار بھی اب تیز ہو گئی تھی۔ روبی کو قدرے اطمینان ہوا کہ ٹرین اس علاقے سے باہر نہیں جائے گی پھر بھی دل میں ایک خیال ضرور کانٹے کی کھٹک رہا تھا کہ کہیں کسی جگہ وہ پکڑی نہ جائے باہر رہ کر وہ شیر خان کی مدد کر سکتی تھی۔ اگرچہ علاقہ اس کے لئے اجنبی تھا مگر روبی کے پاس تجربہ تھا۔ جرات اور دلیری تھی۔

مال گاڑی کی رفتار ہلکی ہونے لگی۔ روبی نے جھانک کر دیکھا۔ دور اسے ریلوے کے سگنل نظر آئے۔ کوئی اسٹیشن آرہا تھا۔ مال گاڑی عام طور پر چھوٹے چھوٹے اسٹیشنوں پر کھڑی نہیں ہوا کرتی مگر یہاں شاید گاڑی کے ساتھ کوئی ڈبہ لگنے والا تھا۔ روبی کے پاس چمڑے کا چھوٹا سفری تھیلا ہی تھا۔ اسے یہ بھی خبر نہیں تھی کہ شیر خان ڈالر کرنسی نوٹوں کو کسی خفیہ مقام پر چھپانے میں کامیاب ہوا ہے کہ نہیں۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ پولیس نے اس سے کرنسی نوٹ بھی برآمد کر لئے ہوں۔ یہ بات روبی کے لئے بلاشبہ تشویس ناک تھی۔

ٹرین کے ارد گرد اب دو مزید ریلوے لائین نمودار ہو گئی تھیں۔ ٹرین کی رفتار مزید کم ہو گئی تھی۔ روبی ڈبے کی دیوار سے اسی طرح لگ کر بیٹھی تھی کہ باہر سے اسے کوئی دیکھ نہیں سکتا تھا۔ یہ کوئی چھوٹا اسٹیشن تھا۔ ٹرین ریلوے یارڈ میں ہی ایک دھچکے کے ساتھ رک گئی۔ روبی نے سر باہر نکال کر دیکھا گارڈ کے ساتھ دو آدمی چلے آرہے تھے۔ وہ جلدی سے پیچھے ہٹ کر دیوار کے ساتھ لگ گئی۔ گارڈ اور ریلوے کے آدمی ڈبے کے قریب سے گزر گئے۔ ان میں سے کسی کی آواز آئی۔

"دلی تک ٹرین رن تھرو جائے گی۔ بریکیں ایک بار پھر چیک کر لینا۔"

روبی کے کان کھڑے ہو گئے۔ یہ مال گاڑی یہاں سے دلی جا رہی تھی۔ روبی دلی نہیں جانا چاہتی تھی۔ وہ شیر خان کے بغیر کہیں جانے کا تصور بھی نہیں کر سکتی تھی۔ جب گارڈ وغیرہ کی آوازیں دور چلی گئیں تو روبی نے ڈبے کی دوسری طرف جھانک کر دیکھا ادھر اونچی نیچی چھوٹی چھوٹی بنجر ٹیکریاں تھیں۔ اس نے ڈبے میں سے نیچے چھلانگ لگا دی۔ چھلانگ لگاتے ہی وہ بھاگ کر ایک ٹیکری کے پیچھے ہو گئی۔ وہ جتنی تیز چل سکتی تھی چلنے لگی۔ اس کا حلیہ سیاحوں جیسا تھا۔

مٹیالے رنگ کی پتلون اور جیکٹ کاندھے سے لٹکا ہوا چمڑے کا تھیلا اس کے پاس انڈین کرنسی میں کچھ نقدی موجود تھی۔ جب وہ اسٹیشن سے کافی دور نکل آئی تو کیکر کے ایک درخت کے نیچے بیٹھ گئی۔ دھوپ نکلی ہوئی تھی اور فضا میں گرمی تھی۔ روبی کو پسینہ آگیا تھا۔ اسے پیاس محسوس ہوئی مگر وہاں پانی کہیں نہیں تھا۔ اسے کچھ انسانی آوازیں سنائی دیں۔ ان میں عورتوں اور بچوں کی آوازیں بھی تھیں۔ پھر بکری کے ممیانے کی آواز آئی یہ ساری آوازیں بائیں جانب جو ریت کے ٹیلوں نے ایک دیوار سی کھڑی کر دی تھی اس کی دوسری طرف سے آرہی تھیں۔

روبی ٹیلے کی طرف چلنے لگی۔ ٹیلے کے اوپر جا کر اس نے دیکھا کہ دوسری طرف کچھ فاصلے پر خانہ بدوشوں نے ڈیرا ڈال رکھا ہے ایک اونٹ اور بکریاں بندھی ہیں۔ سرخ چولیوں اور گھگھریوں والی عورتیں ادھر ادھر کام میں لگی ہیں۔ مرد بھی وہیں بیٹھے تھے۔ روبی کو سخت پیاس لگ رہی تھی۔ ان خانہ بدوشوں کے قریب پہنچ کر روبی رک گئی۔ ایک عورت جو کلہاڑی سے سوکھی شاخیں کاٹ رہی تھی روبی کی طرف دیکھ کر مسکرائی اور پھر اپنے کام میں لگ گئی اس کا لباس دوسری عورتوں کی طرح راجستھانی لباس تھا روبی کو دیکھ کر دوسری لڑکیاں بھی آگئیں۔ روبی نے پینے کے لئے پانی مانگا۔ یہ چار خواتین تھیں ان میں ایک ادھیڑ عمر کی تھی باقی تینوں جوان اور خوش شکل تھیں۔ رنگ گہرے سانولے آنکھوں میں صحرائی ہرنیوں والی وحشی چمک' بال بھورے' مینڈھیا نکلی ہوئیں۔ یہ عورتیں روبی کو اپنے ساتھ لے گئیں۔ ایک جگہ انہوں نے چھولداری لگا رکھی تھی۔ باہر چارپائی پر ایک بوڑھا بیٹھا ناریل کی گڑگڑی پی رہا تھا۔ اس کی سفید داڑھی راجپوتوں کی طرح اوپر کو کھینچی ہوئی تھی اور سر پر بھاری پگڑھ تھا۔ دو چار نوجوان بھی تھے سب اپنے اپنے کام میں لگے تھے۔

ادھیڑ عمر عورت کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

"یہ لڑکی کون ہے؟"

عورت نے بتایا کہ سیر کرنے آئی ہے ادھر پانی پیئے گی۔ روبی نے انہیں یہی بتایا تھا کہ وہ سیرو سیاحت کے لئے گھر سے نکلی ہے۔ ایک جواں سال لڑکی نے روبی کو پانی پلایا وہ روبی کی جیکٹ اور پتلون دیکھ دیکھ کر شرماتے ہوئے ہنس رہی تھی۔ کسی مرد نے روبی کی طرف

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

زیادہ توجہ نہ دی۔ روبی کو یہ لوگ بڑے اچھے لگے ان لوگوں میں وہ کچھ وقت کے لئے اپنے آپ کو روپوش رکھ سکتی تھی۔ اس نے لڑکی سے پوچھا۔

"تمہارا نام کیا ہے؟" وہ چنری کا پلو دانتوں میں دبا کر ہنسنے لگی۔ پھر بولی۔

"لاکھی۔" روبی کو یہ نام اچھا لگا۔ روبی نے تھیلے میں سے چاکلیٹ اور بسکٹ نکال کر انہیں دیے۔ لڑکیاں بڑی خوش ہوئیں ان سے باتیں کرنے کے بعد روبی کو معلوم ہوا کہ یہ لوگ خانہ بدوش ہی نہیں ہیں بلکہ اصل میں نوٹنکی والے ہیں علاقے میں جہاں کہیں گاؤں میں کوئی بیاہ شادی یا خوشی کا موقع ہو تو یہ وہاں بلاوے پر جا کر نوٹنکی کرتے ہیں۔ ناچتے اور گاتے ہیں روبی کو موقع مل گیا اس نے لاکھی سے کہا۔

"لاکھی بہن! میں دلی کے اخبار میں بھی کام کرتی ہوں۔ اگر تم لوگ نوٹنکی کرتے ہو تو میں تم لوگوں پر ایک مضمون لکھنا چاہتی ہوں۔ مگر اس کے لئے ضروری ہے کہ میں کچھ روز تم لوگوں کے ساتھ رہوں۔ اخبار میں تمہاری تصویریں بھی چھاپوں گی۔ کیا تم لوگ مجھے اس کی اجازت دو گے؟"

لاکھی ہنسنے لگی۔ اس نے اپنی اماں کو آواز دی۔ ادھیڑ عمر عورت پاس آگئی لاکھی نے اسے ساری بات بتا دی۔ وہ روبی کی طرف دیکھ کر بولی۔

"تم ہمارے ساتھ رہ لوگی چھوکری؟" روبی نے اسے بسکٹوں کا ڈبہ پیش کرتے ہوئے کہا۔

"اماں! میں ضرور رہ لوں گی۔ مجھے بڑا مزا آئے گا۔ تم دو تین روز مجھے اپنے پاس رکھ لو۔ تمہاری نوٹنکی دیکھوں گی۔ پھر اخبار میں سارا حال چھاپوں گی دلی گجرات کے لوگ بھی تمہیں جان جائیں گے اور تمہیں بلایا کریں گے۔" یہ بات ادھیڑ عمر خانہ بدوش عورت کو بہت پسند آئی۔ اس طرح سے اس کے کاروبار میں ترقی ہو سکتی تھی۔ اس نے اپنے باپ سے بات کی جو چارپائی پر بیٹھا ناریل پی رہا تھا۔ بوڑھے نے ساری بات غور سے سنی۔ پھر سر کو اثبات میں ہلایا۔ روبی بڑی خوش ہوئی۔ خانہ بدوش لڑکی لاکھی نے باری باری سب کو روبی سے ملایا ان میں اس کا خاوند اس کے دو بھائی اور ایک بہن بھی تھی۔ یہ سب آپس میں رشتے دار تھے۔ دو چھوٹے لڑکے بھی تھے جن کے بارے میں لاکھی نے روبی کو بتایا کہ

یہ دونوں نوٹنکی میں شیشہ ترنگ بجاتے ہیں اور اس کے ساتھ ناچتے بھی ہیں اور رام لچھمن کی نوٹنکی بھی کرتے ہیں۔ روبی نے انہیں اپنا نام کوشلیا بتایا تھا۔ تب روبی بوڑھے کے پاس گئی اور جیب سے پچاس پچاس کے دو نوٹ نکال کر اس کی خدمت میں نذرانہ پیش کیا جسے بوڑھے نے بڑی جلدی قبول کر لیا اور روبی کے سر پر ہاتھ پھیرا۔ دوپہر کو روبی نے ان کے ساتھ ہی کھانا کھایا روبی لاکھی کے ساتھ ایک درخت کی چھاؤں میں بیٹھ کر باتوں میں مصروف ہو گئی۔ دھوپ کے ڈھلتے ہی خانہ بدوشوں نے چلنے کی تیاری شروع کر دی۔ روبی نے لاکھی سے پوچھا کہ تم لوگ یہاں سے کس طرف جاؤ گی؟ لاکھی نے بتایا کہ ہول گڑھ گاؤں کے رانا کے بیٹے کی سالگرہ ہے وہاں رات کو نوٹنکی کریں گے۔ ابھی چلیں گے تو شام تک ہول گڑھ پہنچ جائیں گے۔ سامان اور چھولداریاں اونٹ پر لاد دی گئیں۔ عورتیں بچے دوسرے اونٹ پر بیٹھ گئے۔ روبی اور لاکھی گدھوں پر سوار ہو گئیں اور یہ خانہ بدوش کنبہ ایک طرف چل پڑا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کوشلیا یعنی روبی کو ان نوٹنکی والے خانہ بدوشوں کے پاس چھوڑ کر ہم واپس شیر خان کی طرف چلتے ہیں۔ جب تھانیدار نے اسے ہتھکڑی لگوا کر سپاہیوں کے ساتھ تھانے کی طرف روانہ کیا تو شیر خان کو روبی کے بارے میں تشویش ہوئی۔ ظاہر تھا کہ پولیس پارٹی سی آئی ڈی انسپکٹر کمنہ لعل کے ساتھ ریلوے اسٹیشن پر جا کر روبی کو بھی حراست میں لے لے گی اور خدا جانے اسے کہاں رکھا جائے اور اس پر کیسا کیسا تشدد کیا جائے۔ شیر خان کا ذہن روبی کی طرف سے سخت پریشان تھا۔ تھانے میں اسے حوالات کے اندر بند کر دیا گیا۔

تھانیدار جب انسپکٹر کمنہ لعل اور چار سنتریوں کے ساتھ اسٹیشن پر آیا تو ویٹنگ روم خالی تھا۔ روبی وہاں نہیں تھی۔ تھانیدار نے انسپکٹر کی طرف دیکھا "وہ یہیں کہیں ہو گی۔" انسپکٹر نے ویٹنگ روم سے باہر نکلتے ہوئے کہا اسی وقت سپاہی تھانیدار کے حکم سے ادھر ادھر بھاگ دوڑ کر روبی کو تلاش کرنے لگے۔ مگر اس وقت تک روبی مال گاڑی میں سوار ہو کر ان کی پہنچ سے دور نکل چکی تھی۔ انسپکٹر کمنہ لعل کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ لڑکی کہاں نکل گئی۔ وہ تھانیدار کے ساتھ اسٹیشن کے گیٹ پر آیا۔ ٹکٹ چیکر سے پوچھا۔ ٹکٹ چیکر نے انہیں اپنے اور شیر خان کے درمیان ہونے والی گفتگو بتا دی۔

"کمنہ لعل! یہ دونوں پاکستانی جاسوس ہیں اور بڑے خطرناک جاسوس معلوم ہوتے ہیں۔ میں حیران ہوں کہ لڑکی کو کیسے معلوم ہو گیا کہ پولیس اس کے خاوند کو پکڑنے کے بعد اس کو پکڑنے آ رہی ہے۔"

انسپکٹر بھی اپنی جگہ حیران اور تذبذب میں تھا۔

"وہ اس شہر میں اجنبی ہے۔ ہم اسے بہت جلد ڈھونڈ نکالیں گے۔ تم شہر کی ناکہ بندی

کرا دو"

"وہ تو میں ابھی کرا دوں گا مگر یہ مت بھولو کہ ان پاکستانی جاسوسوں کے آدمی ضرور یہاں موجود ہوں گے۔ جنہوں نے لڑکی کو چھپا لیا ہو گا۔" تھانیدار نے کہا۔

پولیس نے شہر کی ناکہ بندی بھی کر دی اور شہر میں روبی کی تلاش بھی شروع ہو گئی۔

شیر خان سے بھی پوچھ گچھ کی گئی کہ اس کی بیوی یا ساتھی لڑکی کہاں جا سکتی ہے اور یہ کہ جودھ پور میں ان کے دوسرے ساتھی کہاں رہتے ہیں ان کا اڈہ کہاں ہے۔ شیر خان نے یہ سن کر اطمینان کا سانس لیا کہ روبی پولیس کے قابو نہیں آئی تھی مگر ساتھ ہی اسے فکر بھی لگی کہ روبی کے لئے یہ ملک اجنبی ہے وہ کہاں جائے گی؟ اس نے پولیس کو صاف صاف بتا دیا تھا کہ وہ لنکا سے انڈیا میں آئے ہیں اور پاکستان جا کر نئی زندگی شروع کرنے کا ارادہ رکھتے تھے۔ دونوں کی منگنی ہو چکی ہے اور انہوں نے پاکستان جا کر شادی کرنی تھی۔ تھانیدار نے دانت پیستے ہوئے کہا۔

"شادی تو ہم تمہاری یہیں کرائیں گے اب ....." رات شیر خان پر تشدد شروع ہو گیا۔ اگر اسے سخت جانی کی عادت نہ ہوتی تو پولیس تشدد سے بہت جلد اس کی موت ہو جاتی۔ مگر وہ زندہ رہا اسے روبی کے لئے زندہ رہنا تھا روبی کی محبت اور نئی زندگی کا خواب شیر خان کو بڑی طاقت دے رہا تھا۔

شیر خان کو مارا پیٹا گیا۔ اس کے بازوؤں اور گردن کو شکنجوں میں کسا گیا۔ مگر وہ زندہ رہا اور یہی کہتا رہا کہ میں پاکستانی جاسوس نہیں ہوں۔ روبی میری منگیتر ہے۔ ہم مسلمان ضرور ہیں مگر کسی بھی ملک کے دشمن نہیں ہیں۔ ہم بھاگ کر لنکا سے آئے ہیں۔ ہم برما جا رہے تھے کہ طوفان میں پھنس گئے اور ٹوٹی ہوئی کشتی نے ہمیں انڈیا کے ساحل پر لا پھینکا۔ مگر پولیس کو یقین تھا کہ شیر خان زیادہ دیر تک تشدد برداشت نہ کر سکے گا اور انڈیا میں اپنے دوسرے پاکستانی ساتھیوں کا ٹھکانہ ضرور بتا دے گا شیر خان کے بیان پر پولیس کو کبھی اعتبار نہیں آ سکتا تھا۔ چنانچہ اس پر تشدد جاری رکھا۔ اس قسم کی شدید جسمانی تکلیف سے شیر خان کا کبھی واسطہ نہیں پڑا تھا۔ اس کا کوئی پاکستانی ساتھی انڈیا میں ہوتا تو وہ اس کی نشاندہی کرتا۔ اسے تو کسی کے بارے میں کچھ معلوم نہ تھا۔ پولیس کا تشدد برداشت کرتا رہا اور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

روبی کے بارے میں یہی سوچتا رہا کہ وہ کہاں ہو گی۔ راجستھان پولیس نے شیر خان کے خلاف جاسوسی اور غیر قانونی طور پر انڈیا میں داخل ہونے کا پرچہ درج کر کے عدالت سے دس روز کا ریمانڈ لے لیا تھا۔ یہ دس روز قیامت کے دن تھے۔ جب پولیس شیر خان سے اپنے مطلب کا بیان حاصل کرنے میں ناکام رہی تو اس نے عدالت سے مزید دس روز کا ریمانڈ لے لیا۔

روبی اپنے محبوب اور جیون ساتھی شیر خان کی حالت سے بے خبر مگر دل میں طرح طرح کے وسوسے لئے خانہ بدوش راجستھانی نوٹنکی والوں کے ساتھ اس گاؤں میں پہنچ گئی جہاں زمیندار رانا جے سنگھ کے بچے کی سالگرہ کی تقریب میں ان کو نوٹنکی کا پروگرام پیش کرنا تھا۔ روبی کو اس حقیقت کا شدت سے احساس تھا کہ پتلون اور جیکٹ کے لباس میں وہ دوسروں کی نظروں میں آسکتی ہے چنانچہ اس نے لاکھی سے کہا۔

"میں چاہتی ہوں کہ تمہاری ہی طرح کے کپڑے پہن کر تمہارے ساتھ رہوں تاکہ مجھے تم لوگوں میں اجنبیت محسوس نہ ہو۔ اس طرح سے میں تم لوگوں کے زیادہ قریب ہو جاؤں گی اور اپنے آپ کو اجنبی ماحول میں محسوس نہ کروں گی۔" ان لوگوں کو کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔ چنانچہ لاکھی نے روبی کو خانہ بدوش عورتوں کا لباس پہنا دیا۔ اس لباس میں روبی ان لوگوں کی طرح نظر آنے لگی۔ اس کے بال گردن تک کٹے ہوئے تھے جس کی اس نے لاکھی سے مینڈھیاں گندھوالیں اور ماتھے پر چاندی کا ٹیکا بھی سجا لیا۔ اب اسے کوئی مشکل ہی سے پہچان سکتا تھا۔ چنانچہ جب نوٹنکی والوں کی یہ ٹولی رانا جے سنگھ کے گاؤں میں پہنچی تو روبی خانہ بدوش لڑکی کے بھیس میں تھی وہ لوگ سورج غروب ہونے سے ذرا پہلے گاؤں پہنچے۔ گاؤں والوں نے ان کی بڑی آؤ بھگت کی۔ رانا جے سنگھ نے انہیں ایک حویلی میں ٹھہرایا۔ رات کو نوٹنکی کا پروگرام تھا لاکھی اور دوسری عورتوں اور مردوں نے رات کے کھانے کے بعد تیاریاں شروع کر دیں۔ گاؤں کے باہر ایک کھلی جگہ پر دریاں بچھا دی گئیں۔ گاؤں کے مرد عورتیں دائرے کی شکل میں آکر بیٹھ گئے۔ گیس کے ہنڈے روشن کر کے بانس کے ڈنڈوں کے ساتھ لٹکا دیے گئے۔ نوٹنکی والوں نے ایک طرف پردے کی اوٹ میں اپنے لئے جگہ بنا لی تھی لاکھی کی ماں اور روبی دونوں ان سازندوں کے پہلو میں

بیٹھی تھیں لاکھی کی ماں کو بھی مردوں کے ساتھ گانا تھا۔ رانا جے سنگھ اپنے چھ سالہ بیٹے کو لئے آگیا۔ بچے نے زرق برق لباس پہن رکھا تھا۔ رانا جے سنگھ ایک جوان خوبرو تھا۔ اس کی بیوی ساتھ نہیں آئی تھی بلکہ جیسا کہ راجپوت شرفا میں رواج ہوتا ہے وہ اپنی حویلی کے جھروکے میں بیٹھی یہ منظر دیکھ رہی تھی۔

صحرائی رات خاموش اور سحر زدہ سی تھی۔ نوٹنکی والوں کی ٹولی میں لاکھی اور ویر بالا دو بہترین گانے اور ناچنے والیاں تھیں دونوں کو پردے کی اوٹ میں تیار کیا جا رہا تھا۔ رانا جے سنگھ اپنے بیٹے کو اپنے پہلو میں بٹھائے ایک کاؤچ پر براجمان تھا اور بڑا قیمتی سگار پی رہا تھا۔ اس نے اپنے مختار کار کو اشارہ کیا اور کہا

"انہیں کہو شروع کریں۔"

سازندوں نے رانا کا اشارہ دیکھ لیا تھا۔ اس سے پہلے کہ مختار کار ان کو کچھ کہتا نقارچی نے نقارے پر چھڑیاں چلانی شروع کر دیں۔ شیشہ ترنگ والے لڑکے بھی اپنے شیشے کے ساز بجانے لگے۔ روب مستی باز بہادر کی داستان الفت کا یہ کھیل صحرائی رات میں ستاروں کی چھاؤں میں جاری رہا روبی نے اس دوران محسوس کیا کہ رانا جے سنگھ کبھی کبھی بڑی گہری نظروں سے اسے دیکھ لیتا ہے۔ اس نے کوئی خیال نہ کیا۔ اصل وجہ یہ تھی کہ اپنے گورے رنگ اور دلکش شہری نین نقش کی وجہ سے وہ خانہ بدوشوں کے لباس میں بھی ان خانہ بدوش لڑکیوں سے بالکل مختلف لگ رہی تھی۔ وہ گیس کے ہنڈے کی روشنی میں بیٹھی تھی جہاں رانا جے سنگھ کی نظریں اس پر بڑی آسانی سے پڑ سکتی تھیں۔

رات کے تین بج رہے تھے جب نوٹنکی ختم ہوئی۔ روبی نے پردے کے پیچھے جا کر لاکھی اور ویر بالا کو مبارک باد دی اور اس کے رقص کی بڑی تعریف کی۔ سب لوگ اپنی اپنی چیزیں سمیٹ کر حویلی میں آگئے جہاں ان کی رہائش کا انتظام کیا گیا تھا۔ لاکھی ویر بالا روبی اور دوسری عورتیں پردہ لگا کر قالین پر سونے کے لئے لیٹ گئیں۔ دوسری طرف ادھیڑ عمر عورت اور اس منڈلی کا سربراہ بوڑھا جگو وہ نوٹ گن رہا تھا جو رانا نے گانے والیوں پر نچھاور کیے تھے۔ وہ بڑا خوش تھا۔

"آج تو لکشمی دیوی بڑی مہربان ہے رانی۔ ابھی ٹھاکر سے انعام کی رقم بھی ملنے والی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہے۔" اتنے میں رانا کا خاص نوکر اندر آیا اور اس نے جگو سے کہا

"تمہیں رانا جی نے یاد کیا ہے۔ میرے ساتھ چلو۔" جگو نے مسکرا کر ادھیڑ عمر عورت رانی کی طرف دیکھا اور فوراً نوکر کے ساتھ چل پڑا۔ رانا اپنی حویلی کی سجی سجائی بیٹھک میں آہستہ آہستہ ٹہل رہا تھا۔ دیوار کے ساتھ ساتھ پرانی وضع کے آبنوسی کاؤچ لگے تھے۔ دیواروں پر رانا کے اجداد کی بڑی بڑی رنگین تصویریں سجی تھیں جگو نے اندر داخل ہوتے ہی جھک کر پرنام کیا اور ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو گیا۔ رانا نے نوکر کو چلے جانے کا اشارہ کیا۔ پھر جگو کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔

"تمہاری نوٹنکی ہمیں بہت پسند آئی۔" پھر لکڑی کے کام والی پرانی الماری کھول کر اس میں سے نوٹوں کی ایک گڈی نکال کر جگو کی طرف بڑھائی۔ "یہ تمہارا انعام ہے۔" جگو نے بھکاریوں کی طرح ہاتھ پھیلا دیے۔ رانا نے ہاتھ ذرا پیچھے کھینچ لیا اور پوچھا "تمہارے پاس گورے رنگ والی لڑکی کون تھی جگو؟ اس نے نوٹنکی میں حصہ کیوں نہیں لیا؟" جگو ایک تجربہ کار ہوشیار اور بڑا کائیاں آدمی تھا اس نے ایسے کئی عیش پرست زمیندار رانا اور ٹھاکر دیکھے تھے۔ فوراً سمجھ گیا کہ رانا نے یہ بات کس غرض کے لئے پوچھی ہے۔ رانا کا اشارہ روبی کی طرف تھا۔ جگو نے انجان بنتے ہوئے پوچھا۔

"مائی باپ کس لڑکی کا پوچھتے ہیں؟"

رانا نے مزید وضاحت کرتے ہوئے روبی کا حلیہ بھی بیان کر دیا۔ جگو نے بڑی عیاری سے کام لیتے ہوئے فوراً ایک کہانی دل میں گھڑلی اور بولا۔

"مائی باپ! اس لڑکی کا نام کوشلیا ہے۔ وہ ہماری منڈلی میں نئی نئی آئی ہے۔ ابھی ناچ گانا سیکھ رہی ہے۔" جگو سمجھ گیا تھا کہ عیاش رانا کا جی اس لڑکی پر آگیا ہے اور مال کمانے کا یہ سنہری موقع ہے۔ روبی نہ جانے کون تھی اور کہاں سے آگئی تھی۔ جگو بڑی آسانی کے ساتھ اسے رانا کے پاس فروخت کر کے وہاں سے رفو چکر ہو سکتا تھا۔ خانہ بدوشوں کا کیا ہے۔ آج یہاں کل وہاں۔ پھر روبی کا کوئی والی وارث بھی نہیں تھا۔ اگر کوئی والی وارث کھوج لگاتا رانا جے سنگھ کی حویلی میں آبھی گیا تو وہ لڑکی برآمد نہ کر سکے گا۔ ایک بار لڑکی رانا کی حویلی میں داخل ہوئی تو پھر اس کی لاش بھی کسی کو نہ مل سکے گی۔ نہ جانے ایسی کتنی

لڑکیاں ان جاگیرداروں ٹھاکروں کی عیاشیوں کی بھینٹ چڑھ کر حویلی کے تاریک تہہ خانوں میں دفن ہو گئیں اور کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوئی۔ جگو ہاتھ باندھے رانا کے حضور کھڑا تھا رانا جے سنگھ نے سو سو کے نوٹوں کی گڈی جگو کے ہاتھ میں تھمائی اور کہا۔

"پانچ ہزار روپوں کی ایک گڈی میری الماری میں پڑی ہے وہ بھی تمہارا انعام ہے مگر یہ انعام تمہیں اس وقت ملے گا جب اس لڑکی کو میرے پاس چھوڑنے آؤ گے۔" جگو نے نوٹوں کی گڈی کو اپنی صدری میں ڈالتے ہوئے عرض کی۔

"مائی باپ! آپ کا حکم کیسے ٹال سکتا ہوں۔ پر ایک بات ہے۔ لڑکی کا ماموں بھی ہمارے ساتھ ہے مجھے اسے ادھر ادھر کرنا پڑے گا۔"

"ٹھیک ہے۔ تم ایک دن مزید یہاں ٹھہر جاؤ۔ کل کی رات بھی نوٹنکی کا کھیل کرنا۔" جگو یہی چاہتا تھا۔ ہاتھ باندھ کر بولا۔

"جو حکم مائی باپ۔ اب اجازت دیں۔" رانا نے اپنی شارک رسکن کی سفید اچکن کی جیب میں سے سو سو کے پانچ نوٹ نکال کر جگو کو دیے اور کہا۔

"کل رات لڑکی میرے پاس چھوڑ کر تم صبح ہونے سے پہلے پہلے یہاں سے نکل جاؤ گے۔ باقی ساڑھے چار ہزار روپے تمہیں اس وقت ملیں گے جب لڑکی کو میری اس بیٹھک میں لاؤ گے۔" جگو نے پانچ سو روپے کے نوٹ صدری کی دوسری جیب میں ٹھونسے اور دونوں ہاتھ ماتھے پر لے جا کر پرنام کیا۔

"لڑکی کل رات آپ کے قدموں میں ہو گی سرکار پر ہجور کسی کو اس کی خبر نہ ہو۔ ہم غریب آدمی ہیں پولیس کے ہتھے چڑھ گئے تو کوئی پوچھنے والا نہ ہو گا۔" رانا نے گردن اٹھا کر کہا۔

"تم اس کی فکر نہ کرو۔ لڑکی ایک بار ہمارے پاس آگئی تو پھر ہم جانیں اور ہمارا کام پولیس کی کیا مجال کہ ادھر آنکھ بھی اٹھا کر دیکھے۔ ہاں اگر لڑکی کے ماموں نے کوئی گڑبڑ کی تو اس کے ساتھ تمہاری لاش بھی کسی کو نہ ملے گی۔" جگو نے سر جھکا دیا اور عاجزی سے بولا۔

"مائی باپ میں اسے سنبھال لوں گا۔ آپ اس کی فکر نہ کریں۔ آدھی رقم اسے دے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دوں گا مگر آپ کو پریشان نہیں ہونے دوں گا۔"

"ٹھیک ہے۔ اب جاؤ آرام کرو۔ کل رات بارہ بجے کے بعد میں اس بیٹھک میں تمہارا اور لڑکی کا انتظار کروں گا۔" یہ کہہ کر رانا جے سنگھ نے چاندی کے راکھدان میں سگار مسل دیا۔ جگو جھک کر پرنام کرتا بیٹھک سے نکل آیا۔ اس کی خوشی کی کوئی انتہا نہیں تھی۔ دو ہزار انعام ملا تھا۔ پانچ سو روپے الگ مل گئے تھے۔ اور ساڑھے چار ہزار کی رقم کل رات ملنے والی تھی۔ حویلی میں آکر اس نے دو ہزار کی رقم ادھیڑ عمر عورت رانی کے حوالے کی اور کہا۔

"رانا جے سنگھ جی نے یہ انعام دیا ہے۔ اسے سنبھالو باقی انہوں نے کہا ہے کہ وہ کل بھی نوٹنکی دیکھیں گے۔" رانی دو ہزار روپے لے کر بڑی خوش ہوئی۔ اسے اتنے روپوں کی توقع نہیں تھی کہنے لگی۔

"ارے جگو! کل کی نوٹنکی کا بھی انعام ملے گا نا؟"

"کیوں نہیں۔ وہ کوئی ہماری طرح غریب غربا ہیں کیا؟" جگو نے پانچ سو روپے کے نوٹ اپنی صدری کی جیب میں ہی رکھے یہ تو اس کا مال تھا۔ وہ ایک طرف چادر اوڑھ کر لیٹ گیا۔ اس کا عیار دماغ بڑی تیزی سے کوشلیا یعنی روبی کو پھانس کر رانا کی بیٹھک میں لے جانے کے منصوبے پر کام کر رہا تھا۔ اس کے لئے یہ کوئی انوکھا اور دقت طلب مسئلہ نہیں تھا۔ اس نے خانہ بدوشوں میں آنکھ کھولی اور خانہ بدوشوں کے ماحول میں ہی زندگی گزاری تھی۔ اپنی طویل زندگی میں اس نے کئی چھوٹے موٹے جرم کیے تھے۔ چنانچہ بہت جلد ایک ترکیب اس کے دماغ میں آگئی اور وہ سو گیا۔

دوسرے دن دوپہر کو سب خانہ بدوش سو کر اٹھے۔ لاکھی اور روبی تالاب پر نہانے کے لئے گئی ہوئی تھیں جگو کے منصوبے کا سب سے اہم پہلو یہ تھا کہ اسے رات کو دس بجے نوٹنکی ختم کرتے ہی اس گاؤں سے کوچ کر جانا تھا۔ رانی چولہے کے پاس بیٹھی روٹیاں پکا رہی تھی۔ جگو گڑگڑی لے کر اس کے پاس بیٹھ گیا اور بولا۔

"نوٹنکی ختم کرتے ہی یہاں سے نکل جائیں گے۔"

"اتنی جلدی بھی کیا ہے۔ رات کو آرام کر کے صبح چلے جائیں گے۔" جگو نے اسے

ڈانٹ پلاتے ہوئے کہا۔

"جس بات کی خبر نہ ہو چپ رہا کرو۔" پھر حقے کے دو تین کش لگا کر بولا۔ "میرے آدمیوں نے خبر دی ہے کہ اس گاؤں میں کوئی جیل توڑ کر بھاگا ہوا قاتل چھپا ہے۔ ہو سکتا ہے آج رات پولیس یہاں چھاپہ مارے۔ پولیس ہمیں بھی شک شبے میں پکڑ سکتی ہے۔ اس لئے نوٹنکی کے ختم ہوتے ہی یہاں سے چلتے بنیں گے۔ رانا جی آج بھی تماشا دیکھنا چاہتے ہیں کیا کروں۔ مجبور ہو گیا ہوں۔ ورنہ ہم آج ہی یہاں سے کوچ کر جاتے۔" ادھیڑ عمر رانی چپ رہی اس نے جگو کے آگے کبھی زیادہ تکرار نہیں کی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ جگو ضدی آدمی ہے کسی کی نہیں سنتا اس نے رانی کی طرف متوجہ ہو کر رازداری کے انداز میں کہا۔

"ہمارے آج رات یہاں سے جانے کی لاکھی ویر بالا اور کوشلیا کو خبر نہ ہو۔ ورنہ یہ بات سارے گاؤں میں پھیل جائے گی۔ پولیس کو پتا چل جائے تو ہو سکتا ہے وہ رات ہونے سے پہلے ہی قاتل کی تلاش میں یہاں چھاپہ مار دے۔"

جگو اور رانی صرف پولیس کے چھاپے سے ڈرتے تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کی زندگیاں ان گنت قسم کے چھوٹے موٹے جرائم سے داغ دار تھیں اور انہیں معلوم تھا کہ ایک بار پولیس کے ہتھے چڑھ گئے تو پھر کوئی انہیں بچانے نہ آئے گا۔ رانی روٹیاں چنگیر میں رکھتے ہوئے بولی۔

"ٹھیک ہے۔ میں ان لڑکیوں سے بات نہیں کروں گی۔ تم کہاروں سے کہہ دینا کہ اونٹنیاں تیار رکھیں۔"

"یہ سب میں سنبھال لوں گا۔" جگو نے تیز نگاہوں سے ادھر ادھر تکتے ہوئے کہا۔ "بس لڑکیوں کے آگے تم زبان بند رکھنا۔ انہیں عین وقت پر بتا دیں گے کہ پولیس کے چھاپے کے ڈر سے کوچ کر رہے ہیں۔"

رانی نے کوئی جواب نہ دیا۔ شام ہونے سے پہلے پہلے جگو نے منڈلی کے ان آدمیوں کو بھی یہی پولیس چھاپے کی من گھڑت کہانی سنا کر ہوشیار کر دیا کہ وہ گدھوں اور اونٹوں پر ضروری سامان پہلے سے لاد کر تیار رکھیں گے تاکہ تماشا ختم ہوتے ہی وہ گاؤں خالی کر دیں۔ روبی کو رانا کے پھندے میں پھانسنے کے لئے جو جال تیار کیا جا رہا تھا وہ اس سے بالکل

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بے خبر دن بھر لاکھی اور ویر بالا کے ساتھ چھوٹے موٹے کام کرتی اور باتیں کرتی رہی۔ اس دوران کئی بار اس کا خیال شیر خان کی طرف گیا اور وہ سوچتی رہی کہ شیر خان کو پولیس کی حراست سے کیسے چھڑایا جا سکتا ہے۔ ابھی اس کے دماغ میں کوئی ترکیب نہیں آئی تھی لیکن اسے ایک اطمینان ضرور تھا کہ وہ اس علاقے میں ہی ہے جہاں شیر خان حوالات میں بند ہے۔ شام کے وقت جب نوٹنکی کھیلے جانے کی تیاریاں ہو رہی تھیں تو روبی اچانک اس خیال سے پریشان ہو گئی کہ کہیں پولیس شیر خان کو دلی نہ لے گئی ہو۔ یہ پتا چلانے کے لئے پولیس اسٹیشن جانا ضروری تھا۔ وہ خانہ بدوش لڑکی کے حلیئے میں تھی۔ وہ اس حلیئے میں اگر جودھ پور پولیس اسٹیشن پر گئی تو شاید اسے کوئی نہیں پہچانے گا۔ مگر اس میں خطرہ زیادہ تھا۔ وہ سوچنے لگی کہ کیوں نہ لاکھی کو اعتماد میں لے کر ایسا انتظام کرے کہ یہ لوگ نوٹنکی دکھانے جودھ پور چلے چلیں پھر وہ لاکھی کے ساتھ مل کر شیر خان کا سراغ لگا سکتی ہے۔ بلکہ اسے حوالات سے نکال لے جانے کی کوشش بھی کر سکتی ہے۔ روبی نے فیصلہ کر لیا کہ کل صبح وہ لاکھی کو شیر خان اور اپنے بارے میں ساری بات بتا دے گی اور اس سے امداد کی طلب گار ہو گی۔ لاکھی کی بات جگو بھی نہیں ٹالتا تھا۔ وہ منڈلی کو جودھ پور لے جانے میں کامیاب ہو جائے گی۔

روبی یہ سوچ رہی تھی اسے کوئی خبر نہیں تھی کہ جگو اسے رانا کے پاس فروخت کرنے کی اسکیم تیار کر چکا ہے۔ سورج غروب ہونے کے کچھ ہی دیر بعد جگو کی تجویز کے مطابق کھلی جگہ دریاں بچھا دی گئیں اور نوٹنکی شروع ہو گئی۔ گاؤں کے لوگ بڑے خوش تھے۔

رانا جے سنگھ بھی وہاں موجود تھا اور اپنے کاؤچ پر بیٹھا سگار پی رہا تھا۔ آج اس کا بیٹا ساتھ نہیں تھا۔ نوٹنکی شروع کروا کر جگو اس طرف درختوں میں چلا آیا جہاں اندھیرے میں اس کے خاص آدمی اونٹوں اور گدھوں پر چھوٹا موٹا سامان لاد رہے تھے۔ چھولداری بھی لپیٹ دی گئی تھی۔ جہاں نوٹنکی ہو رہی تھی ادھر سے گھنگھروؤں نقارے شہنائی اور شیشہ ترنگ بجنے کی آواز آ رہی تھیں۔ جگو نے ایک نظر تمام تیاریوں کو دیکھا اور پھر ناریل کی گڑگڑی منہ سے لگائے ہلکے ہلکے کش لیتا منڈلی والوں کے پیچھے آ کر بیٹھ گیا اس وقت ویر بالا

اور لاکھی راجستھانی لوک ناچ ناچ رہی تھیں۔

رانا کاؤچ پر بیٹھے بار بار پہلو بدل رہے تھے۔ جگو اس عیاش زمیندار کی بے چینی کو خوب جانتا تھا۔ روبی قریب ہی بیٹھی بڑی دلچسپی سے ناچ دیکھ رہی تھی۔ جگو کے دماغ میں پوری اسکیم موجود تھی۔ اس نے اپنی کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی پر نگاہ ڈالی۔ اس وقت رات کے نو بج رہے تھے۔ نوٹنکی کا آخر حصہ پیش کیا جا رہا تھا۔ پروگرام کے مطابق ٹھیک ساڑھے نو بجے اپنی گھڑی پر نظر ڈالنے کے بعد رانا جے سنگھ اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے ایک نظر جگو کو دیکھا اور اپنے ملازم کے ساتھ حویلی کی طرف چل دیا۔ کام شروع کرنے کا وقت آ گیا تھا۔ روبی جگو کے قریب ہی بیٹھی ناچ دیکھ رہی تھی۔ اس کی انگلیوں میں سگریٹ سلگ رہا تھا۔ روبی کی سگریٹ پینے کی عادت کو سامنے رکھتے ہوئے جگو نے اسکیم بنائی تھی۔ ان لوگوں کو جنگلی' صحرائی جڑی بوٹیوں کی بڑی واقفیت تھی۔ کوئی بیمار پڑتا تو یہ لوگ جڑی بوٹیوں سے ہی علاج کر لیتے تھے۔ ایک خاص بوٹی کا سفوف تیار کر کے جگو ہمیشہ اپنے پاس حاضر اسٹاک میں موجود رکھتا تھا اس سفوف کی یہ تاثیر تھی کہ اس کی چٹکی بھر خوراک پانی میں گھول کر کسی کو پلا دی جائے تو وہ بے ہوش ہو جاتا تھا۔ جگو نے موقع محل کی مناسبت سے ایک سگریٹ تیار کر رکھا تھا جس میں یہ سفوف بھر دیا گیا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

رانا جے سنگھ اٹھ کر اپنی حویلی کی طرف گیا تو اس کے تھوڑی ہی دیر بعد جگو اپنی جگہ سے اُٹھ کر روبی کے پیچھے آکر بیٹھ گیا اور اس کے کان کے قریب منہ لے جا کر بولا۔

"بیٹی کوشلیا تم سے ایک ضروری بات کرنی ہے۔ گاؤں کے باہر جو کنواں ہے وہاں چلو۔"

روبی نے تعجب بھری نگاہوں سے جگو کی طرف دیکھا۔ وہاں ڈھولک اور نقارے اور گانے والوں کی آوازیں گونج رہی تھیں۔ جگو اپنا منہ روبی کے کان کے قریب لے گیا۔

"بیٹی یہاں میں تمہیں کچھ نہیں بتا سکتا تم کنویں پر چلو۔ ایک آدمی نے تمہارے نام بڑا خاص پیغام بھیجا ہے جو تم تک پہنچانا ہے۔"

روبی کے کان کھڑے ہو گئے کہیں شیر خان نے تو کوئی پیغام نہیں بھجوایا۔ ہو سکتا ہے اسے کسی طریقے سے یہ خبر ہو گئی ہو کہ روبی خانہ بدوشوں کی منڈلی میں ہے۔ وہ فوراً اٹھی اور گانے والوں کے عقب سے ہوتی ہوئی گاؤں والے کنوئیں کی طرف چل پڑی۔ اسے پکا یقین تھا کہ شیر خان نے کسی کے ہاتھ اس کے لئے کوئی ضروری پیغام بھیجا ہے۔ دوسری طرف جگو نے یہ حربہ اس وجہ سے آزمایا تھا کہ یہ لڑکی شہر دلی سے آئی ہے شہر میں ضرور اس کے ماں باپ رہتے ہوں گے۔ ہو سکتا ہے کسی کے ساتھ اس کا عشق بھی چل رہا ہو۔ چنانچہ وہ یہ پیغام سننے کے لئے ضرور بے تاب ہو جائے گی اور ایسا ہی ہوا تھا۔

روبی کو گئے دس منٹ گزر گئے تو جگو نے گڑگڑی لکڑی کے ایک کھوکھے پر رکھی اور بڑے سکون سے چلتا اونٹنیوں کی طرف سے ہوتا ہوا گاؤں کے باہر والے کنوئیں کی طرف تیز تیز قدموں سے چلنے لگا۔ یہاں اندھیرا تھا۔ آسمان پر تارے نکلے ہوئے تھے۔ گاؤں میں

صرف رانا جے سنگھ کی حویلی کے اوپر والی منزل میں روشنی ہو رہی تھی۔ گاؤں والے کنوئیں کا انتخاب جگو نے اس لئے کیا تھا کہ یہاں سے رانا کی بیٹھک چند قدموں کے فاصلے پر تھی۔ اس وقت جگو کی جیب میں لکڑی کا ایک سگریٹ کیس بھی تھا۔ اس سگریٹ کیس میں صرف دو سگریٹ تھے۔ ایک عام سگریٹ تھا اور دوسرے سگریٹ میں بے ہوشی کا سفوف بھرا ہوا تھا۔ اس سگریٹ کے فلٹر کو جگو نے چاقو کی نوک سے کھردرا کر دیا تھا تاکہ رات کے اندھیرے میں اس کی انگلیاں اسے پہچان لیں۔ وہ کنوئیں کے پاس آیا تو روبی کنوئیں کی منڈیر پر بیٹھی بے چینی سے اس کی راہ دیکھ رہی تھی۔ جگو نے جاتے ہی روبی کے سر پر ہاتھ رکھا اور بولا۔

کوشلیا! تم میرے لئے بیٹی کی جگہ ہو۔ تمہیں ہماری منڈلی میں آئے ہوئے کچھ روز ہی ہوئے ہیں۔ مگر مجھے تم سے بیٹیوں جیسی محبت ہو گئی ہے۔"

روبی نے جلدی سے پوچھا۔" جگو بابا بات کیا ہے۔ کس نے پیغام بھیجا ہے میرے لئے؟" روبی کی بے چینی کو دیکھ کر جگو سمجھ گیا کہ تیر نشانے پر بیٹھا ہے اور اس لڑکی کے پیچھے ضرور کوئی ایسا آدمی ہے جس کے بارے میں یہ پریشان ہے۔ جگو کنوئیں کی منڈیر پر بیٹھ گیا۔ منڈیر کافی چوڑی تھی اور جگو کو یقین تھا کہ بے ہوش ہونے کے بعد یہ لڑکی کنوئیں میں نہیں گرے گی۔ اگر ایسی کسی بات کا خطرہ ہوتا تو وہ روبی کو وہاں سے اٹھا کر دوسری طرف لے جاتا۔ جگو نے جیب سے ماچس اور سگریٹ کیس نکال لیا اور سانس بھر کر بولا۔

"بیٹی! جس آدمی نے یہ پیغام بھیجا ہے اسے کسی طریقے سے پتا چل گیا ہے کہ تم ہماری منڈلی کے ساتھ ہو پیغام سے لگتا ہے کہ وہ تم سے پریم کرتا ہے۔"

جگو یونہی قیاس آرائی کے ساتھ اندھیرے میں تیر چلا رہا تھا۔ اور اس کا ہر تیر ٹھیک نشانے پر جا کر لگ رہا تھا۔ روبی کی بے چینی میں مزید اضافہ ہو گیا۔ اسے یقین ہو گیا کہ پیغام شیر خان کا ہی ہے۔

"بابا! جلدی بتاؤ نا کس نے پیغام بھیجا ہے؟ کیا اس کا نام شیر خان تو نہیں؟"

جگو بڑا خوش ہوا۔ روبی نے خود اس کے ہاتھ میں ترپ کا پتا تھما دیا تھا۔ وہ بولا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"تم نے ٹھیک پہچانا بیٹی کوشلیا! شیر خان نے ہی تمہارے لئے پیغام بھجوایا ہے۔ مگر گھبراؤ مت۔ ایسی ویسی کوئی بات نہیں ہے۔ تم اطمینان سے بیٹھو میں ساری بات تمہیں بتائے دیتا ہوں۔ لو سگریٹ پیئو۔ ولایتی سگریٹ ہے۔ جے پور میں ایک گورے سیلانی نے مجھے اس کی ڈبی دی تھی۔"

روبی کو اس وقت سگریٹ سے کوئی دلچسپی نہیں تھی مگر جگو کا دل رکھنے کے لئے اس نے سگریٹ لے لیا۔ جگو نے پوری احتیاط کے ساتھ روبی کو کھردرے فلٹر والا سگریٹ دیا تھا۔ دوسرا سگریٹ اس نے خود لے لیا۔ اس نے ماچس جلائی اور بولا۔

"میری بچی! شیر خان نے تمہیں آج رات دو بجے پرانی بارہ دری کے کھنڈر میں بلایا ہے۔"

روبی کا چہرہ خوشی سے کھل اٹھا۔ جگو نے اطمینان کا سانس لیا۔ اسکیم بڑی کامیابی کے ساتھ آگے بڑھ رہی تھی اسی دوران روبی نے سگریٹ سلگا لیا تھا۔ جگو اپنے سگریٹ کا لمبا کش لگا کر کہنے لگا۔ "بیٹی! زمانہ بڑا خراب ہے مجھے تم اپنی بچی کی طرح عزیز ہو۔ ڈر ہے تم کسی مصیبت میں نہ پھنس جاؤ۔ ویسے میں تمہارے ساتھ ہوں۔ مجھے بتاؤ گی کہ یہ شیر خان کون ہے؟ تم ہندو ہو اور یہ شخص مسلمان ہے۔ کیا تم اس سے پریم کرتی ہو بیٹی؟"

اس دوران روبی سگریٹ کے دو تین کش لگا چکی تھی شیر خان سے ملنے کے تصور نے اس کے جذبات میں ہلچل مچا دی تھی۔ کہنے لگی۔

"بابا! میں شیر خان سے پیار کرتی ہوں مگر دنیا والے ہمیں ایک جگہ اکٹھے نہیں دیکھنا چاہتے۔"

جگو روبی کی طرف گہری نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ بوٹی کے سفوف کا اس پر اثر کیوں نہیں ہو رہا؟ کہیں سفوف کی تیاری میں کوئی غلطی تو سرزد نہیں ہو گئی؟ جگو یہ سوچ ہی رہا تھا کہ بات کرتے کرتے روبی نے اپنا سر دونوں ہاتھوں سے پکڑ لیا۔ جگو جلدی سے بولا۔

"کیا بات ہے بیٹی! سر درد کرنے لگا ہے؟"

روبی کو ایک چکر آیا اور وہ جگو کی گود میں بے ہوش ہو کر گر پڑی۔ جگو نے فوراً اسے اپنے کاندھے پر ڈالا اور حویلی کی طرف چلا۔ حویلی کی بیٹھک میں روشنی ہو رہی تھی۔

دروازے کے دونوں پٹ کھلے تھے مگر پردہ گرا ہوا تھا۔ اس نے بیٹھک میں جاتے ہی بے ہوش روبی کو پلنگ پر ڈال دیا۔ رانا نے جلدی سے دروازہ بند کر دیا اور روبی کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

"اسے کیا ہو گیا ہے؟" جگو بولا۔

"سرکار میں نے اسے ایک بوٹی پلا کر بے ہوش کیا ہے۔ ایسا نہ کرتا تو میں اسے آپ کے پاس کبھی نہ لا سکتا تھا۔ اس کے ماموں کو میں نے دوپہر کو ہی جے پور بھجوا دیا تھا۔ ہم راتوں رات یہاں سے کوچ کر رہے ہیں۔ آپ کی امانت آپ کو پہنچا دی ہے۔ اب آگے جا کر میرا جو حال ہو سو ہو۔ بھگوان جانے ماموں مجھے زندہ بھی چھوڑے گا یا نہیں ..... اسے سنبھالئے۔ دن نکلنے تک بوٹی کا اثر رہے گا پھر اسے ہوش آجائے گا۔" رانا نے روبی کو جھک کر غور سے دیکھا۔ اس کی نبض پر ہاتھ رکھا۔ روبی کی نبض بالکل ٹھیک چل رہی تھی۔ وہ سانس بھی نارمل طریقے سے لے رہی تھی۔ اس کے جسم کی حرارت بھی نارمل تھی۔ سانس لیتے ہوئے بے ہوش روبی کا سینہ اوپر نیچے ہو رہا تھا۔ رانا جے سنگھ الماری کے پاس گیا۔ اندر سے ساڑھے چار ہزار روپے کے کرنسی نوٹ نکال کر جگو کو دیے اور کہا۔

"اب تم میں سے کبھی کوئی اس گاؤں کا رخ نہ کرے۔" جگو نے ہاتھ باندھ کر کہا۔

"مائی باپ ہم تو اس گاؤں کو بھول جائیں گے پر آپ بھی اس چھوکری کا خیال رکھئے گا۔ یہ بڑی ہوشیار لڑکی ہے۔"

رانا نے سگار سلگاتے ہوئے کہا۔

"وہ میں جانوں میرا کام، تم اب یہاں سے نکل جاؤ۔"

جگو نے عاجزی سے کہا۔

"سرکار! میرا انعام آپ نے وعدہ کیا تھا؟" رانا نے جیب سے سو سو کے پانچ نوٹ نکال کر جگو کے حوالے کیے۔ جگو سلام کرنے کے بعد بیٹھک سے نکل کر گاؤں کی اندھیری گلی میں غائب ہو گیا۔ اس کے جاتے ہی رانا جے سنگھ نے اپنا الٹا ہاتھ بے ہوش روبی کی گردن کے ساتھ لگایا۔

روبی کا دل نپی تلی تال کے ساتھ دھڑک رہا تھا۔ اس کا بدن گرم تھا۔ رانا کے چہرے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پر ہوسناک جذبوں کا ایک سایہ سا لہرا گیا۔ مجھے اس کے ہوش میں آنے کا انتظار کرنا ہو گا رانا پیچھے ہٹ گیا۔ پھر کچھ سوچ کر دوسرے کمرے میں چلا گیا۔

خانہ بدوش جگو نے کہا تھا کہ لڑکی کو صبح ہوش آئے گا۔ صبح ہونے میں زیادہ دیر نہیں تھی ۔ رانا اس وقت تک جام و مینا سے دل بہلانا چاہتا تھا۔ اس نے اپنی راز دار نوکرانی کو دوسرے کمرے میں بھجوا دیا تھا۔ رانا کی پتنی حویلی کے اوپر والی منزل میں اپنے بیڈ روم میں سو رہی تھی۔ وہ ایک مجبور اور خاندانی رسم و رواج اور وضع داریوں میں جکڑی ہوئی عورت تھی اور اپنے خاوند کی بد عادتوں سے اچھی طرح واقف تھی ۔ مگر وہ محل نما حویلی میں رہ کر اپنے بچوں کی اچھی طرح سے پرورش کرنا چاہتی تھی۔

رانا جے سنگھ نے ایک جام بنایا اور وکٹورین طرز کی اونچی پشت والی کرسی پر قد آدم آئینے کے سامنے بیٹھ کر ہلکے ہلکے گھونٹ بھرنے لگا۔ دیوار سے لگا لمبے پنڈولم والا کلاک آہستہ آہستہ چل رہا تھا۔ رات کا پچھلا پہر آہستہ آہستہ گزر رہا تھا۔ دوسری طرف ایسا ہوا کہ روبی کو ہوش آ گیا۔ شاید یہ اس کی قوت مدافعت تھی یا جوانی کے خون کا جوش تھا کہ بے ہوشی کے سگریٹ کا اثر وقت سے پہلے زائل ہو گیا۔ روبی نے آنکھیں کھول دیں۔ اسے محسوس ہوا کہ نرم نرم بستر پر لیٹی ہے۔ چھت کے ساتھ چھوٹا سا فانوس جل رہا تھا۔ جس کی روشنی میں روبی کو سامنے دیوار پر لگی کافی بڑی رنگین تصویر نظر آئی۔ اس نے فوراً پہچان لیا یہ رانا کی تصویر تھی۔ جو رات نوٹنکی میں بیٹھا اسے بری نظروں سے دیکھتے ہوئے بار بار پہلو بدل رہا تھا۔ روبی کے دماغ میں الٹی فلم چلنے لگی۔ سارا معاملہ ایک دم اس کی سمجھ میں آ گیا جگو نے اسے شیر خان سے ملاقات کرنے کے بہانے رانا کے حوالے کر دیا تھا۔ روبی پلنگ پر اٹھ کر بیٹھ گئی کلاک کی ٹک ٹک کے سوا کمرے میں اور کوئی آواز سنائی نہیں دیتی تھی۔

روبی کا ذہن بڑی تیزی سے کام کرنے لگا تھا۔ یہ بات اس سے چھپی ہوئی نہیں تھی کہ اگر رانا نے اسے خرید لیا ہے تو وہ اس کی قید سے اتنی آسانی سے نہیں نکل سکے گی۔ جب کہ وہ ابھی اسی علاقے میں رہنا چاہتی تھی مجھے کیا کرنا چاہئے؟ روبی کا دماغ گرم ہو گیا۔ وہ پلنگ سے اٹھ کر دروازے کے پاس گئی دروازے پر موٹا تالا پڑا تھا کمرے میں کوئی کھڑکی بھی

نہیں تھی۔ ایک دروازے پر پردہ گرا ہوا تھا۔ روبی پردے کے قریب گئی اور اس نے ذرا سا پردہ انگلیوں سے کھسکا کر دیکھا۔ دوسری جانب رانا شراب سے جی بہلا رہا تھا۔ وہ دبے پاؤں چلتی واپس پلنگ پر آ کر لیٹ گئی۔ اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ وہ ایک فیصلہ کر چکی تھی اسے ہر حالت میں راجستھان کے اس علاقے سے اپنے جیون ساتھی اور محبوب دوست شیر خان کو ساتھ لے کر پاکستان کی سرحد پار کرنی تھی۔ اسے قدموں کی آواز سنائی دی۔ رانا جے سنگھ دوسرے کمرے سے نکل کر روبی کے پلنگ کے پاس آیا۔ اسے جھک کر دیکھا اور پھر قالین پر ٹہلنے لگا۔ اس کے ایک ہاتھ میں سگار سلگ رہا تھا۔ کمرے کی بند فضا میں سگار کی تلخ سی بو پھیل گئی تھی روبی نے دل ہی دل میں ایک بار پھر اپنی اسکیم پر غور کیا اور پھر آنکھیں کھول کر مصنوعی گھبراہٹ کے ساتھ بولی

"میں کہاں ہوں جگو بابا' جگو بابا؟" رانا جلدی سے پلنگ کی طرف آ گیا۔ اور روبی پر جھک کر سخت لہجے میں بولا۔

"جگو بابا تمہیں میرے پاس بیچ گیا ہے اب تم میری ملکیت ہو۔ میری کنیز ہو میری داسی ہو' خبردار اگر شور مچایا تو تمہاری لاش بھی کسی کو نہ ملے گی۔"

روبی نے اپنی سوچی سمجھی اسکیم پر عمل کرتے ہوئے بڑی دلربائی کے انداز میں رانا کی طرف دیکھا اور بولی۔

"کنور جی! جگو بابا سے مجھے خریدنے کی کیا ضرورت تھی۔ میں تو پہلے ہی آپ کے ہاتھ بک چکی تھی۔ نوٹنکی میں آپ کو دیکھا تو آپ پر سو جان سے فدا ہو گئی۔ میرے دھن بھاگ کہ کام دیو نے مجھے آپ کے قدموں میں لا کر ڈالا۔"

رانا جے سنگھ کے چہرے کے تاثرات ایک دم سے بدل گئے وہ روبی کی جوانی اور اس کے حسن سے بے حد متاثر تھا۔ مگر اسے یقین نہیں تھا کہ یہ خانہ بدوش لڑکی خود بھی اس پر فریفتہ ہو گی۔ اور اس کے سامنے اتنی جلدی ہتھیار ڈال دے گی۔ آج تک رانا جے سنگھ نے اپنی بدکاریوں اور عیاشیوں کے سلسلے میں جتنی عورتوں کو اپنی ہوس کا نشانہ بنایا تھا ان سب نے زبردست مزاحمت کی تھی۔ مگر رانا نے ان مظلوم عورتوں کو مروا کر حویلی کے تہہ خانے میں ان کی لاشوں کو دبا دیا تھا۔ روبی ان سب لڑکیوں سے زیادہ خوب صورت اور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جوان تھی۔ اور خود سپردگی کی انتہائی کیفیت میں تھی ۔ عیاش رانا کا دل بھی اس پر آگیا تھا اور وہ اسے کافی دیر تک اپنی دسترس میں رکھنا چاہتا تھا اور خوش قسمتی سے کھل کھیلنے کے لئے اسے میدان صاف مل گیا رانا نے روبی کے کاندھے کو پیار سے سہلاتے ہوئے کہا۔

"تم نے یہ بات پہلے کیوں نہ بتائی کوشلیا؟" روبی نے مصنوعی اداؤں کے تیر چلاتے ہوئے کہا۔

"کنور جی! آپ نے موقع ہی نہیں دیا۔" پھر ہاتھ سے اپنا ماتھا دباتے ہوئے بولی۔

"کم بخت بھگو دادا نے مجھے ناحق بے ہوشی کا سگریٹ پلا دیا۔ آپ ایک اشارہ کرتے میں بے دام داسی بن کر آپ کے پاس آجاتی۔" رانا پلنگ کی پٹی پر بیٹھ کر سگار کو انگلیوں سے گھماتے ہوئے بولا۔

"وہ بد بخت تو مجھ سے بھاری رقم لے اڑا۔ کہہ رہا تھا تمہارے ماما کا بھی منہ بند کرنا ہے۔"

"یہ ماما کہاں سے ٹپک پڑا؟" روبی نے دماغ پر زور دیا۔

فوراً سمجھ گئی کہ بھگو نے پورا ڈراما کھیلا ہے۔ وہ اسے برا بھلا کہتے ہوئے بولی۔

"بھگو میرا اصلی باپ نہیں ہے۔ ہاں میرا ماما ضرور ہمارے ساتھ تھا۔"

رانا نے روبی کی طرف مسکرا کر دیکھتے ہوئے کہا۔

"خیر کوئی پروا نہیں۔ اب وہ کبھی ادھر کا رخ نہیں کرے گا۔ تم بے فکر ہو کر یہاں رہو گی۔" روبی نے جلدی سے رانا جے سنگھ کا بازو تھام لیا اور آنکھوں میں مصنوعی آنسو بھر کر بولی۔

"کنور جی! آپ مجھے چھوڑ تو نہیں دیں گے۔ بھگوان کے لئے ایسا کبھی نہ کیجئے گا۔ میں آپ کی داسیوں کی داسی بن کر رہ لوں گی۔ بس صرف آپ کے درشن کر لیا کروں گی۔ مجھے اور کچھ نہیں چاہئے۔"

اس قسم کی جذباتی محبت کا اظہار تو رانا جے سنگھ کی اپنی پتنی نے بھی اس کے آگے کبھی نہیں کیا تھا۔ رانا جے سنگھ کو یوں لگا جیسے وہ پہلی بار محبت کی بولی سن رہا ہے۔ اس کے جذبات میں ہیجان سا برپا ہونے لگا۔ اس نے روبی کو اپنی بانہوں میں بھر لیا۔ روبی نے رانا

کے ہونٹوں پر اپنی انگلی رکھ دی اور شرما کر کہا۔

"کنور جی میں تو اب آپ ہی کی داسی ہوں۔ جیون بھر آپ ہی کی سیوا کروں گی۔ مگر۔"

"مگر کیا؟" رانا جے سنگھ کے خون میں فرانسیسی وائین جوش مار رہی تھی۔ روبی نے رانا کے کان میں سرگوشی کی اور لجا کر منہ دوسری طرف کر لیا۔ رانا جے سنگھ نے روبی کا ماتھا چوم لیا اور بولا "کوئی بات نہیں" روبی نے رانا جے سنگھ کے بازو تھام لئے اور بولی

"صرف چار پانچ دن کی تو بات ہے کنور جی مجھے اتنے ہی دن لگتے ہیں۔ پھر میں آپ کے قدموں میں پڑی رہوں گی۔"

رانا پلنگ کی پٹی سے اٹھ کھڑا ہوا اس کے ہاں داشتاؤں کی کمی نہیں تھی۔ کہنے لگا۔

"تم اب آرام کرو کوشلیا۔ میں دن میں آؤں گا نوکرانی تمہارا ہر طرح سے خیال رکھے گی" اس نے روبی کے ماتھے کو چوما اور تیز تیز قدموں سے نکل گیا۔

دوسرے دن دوپہر کے بعد رانا نے روبی کو اس حویلی سے تھوڑی دور ایک دوسری حویلی میں پہنچا دیا۔ جو نسبتاً ویران جگہ پر کسی پرانے محل کی خستہ چار دیواری کے اندر بنائی گئی تھی محل کھنڈر بن چکا تھا مگر حویلی کی حالت بہتر تھی۔ یہاں ستونوں والے الان بھی تھے۔ چھجے دار کھڑکیاں بھی اور نیم روشن برآمدے بھی تھے۔ چار دیواری کے اندر چھوٹا سا باغیچہ تھا جس کے آمنے سامنے لکڑی کے منقش پرانی وضع کے دروازوں والی کوٹھریاں تھیں۔

روبی کو دوسری منزل کی ایک ایسی کوٹھری میں رکھا گیا جس کی واحد عقبی کھڑکی نیچے گہرے کھڈ کی طرف کھلتی تھی۔ اس کھڈ میں چٹانوں کے نوکیلے پتھر ابھرے ہوئے تھے۔ اپنے جذباتی لگاؤ اور روبی کے والہانہ اظہار عشق کے باوجود رانا روبی کے بارے میں محتاط تھا۔ اگرچہ روبی کو حویلی کی دوسری منزل میں چلنے پھرنے کی اجازت تھی لیکن وہ نچلی منزل میں نہیں اتر سکتی تھی۔ زینے کے دروازے پر دوسری طرف سے تالا لگا دیا گیا تھا۔ روبی نے اس سلسلے میں رانا سے بات کرنے کی ضرورت محسوس نہ کی۔ اس لئے تو صرف دو چار دن کی مہلت چاہتی تھی کہ اس کی عزت بھی محفوظ رہے اور وہ شیر خان کو جیل سے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

فرار کروانے کے بارے میں کسی اسکیم پر غور بھی کر سکے اور یہ مہلت اس نے اپنی عیاری اور ہوشیاری سے حاصل کی تھی۔ حویلی میں رانا کا خاص راز دار نوکر روبی کے لئے کھانا لے کر آجاتا تھا۔ حویلی کے باہر رانا کے دو ہٹے کٹے باڈی گارڈ چوبیس گھنٹے پہرہ دیتے تھے اور ان کے پاس ریوالور اور خنجر بھی تھے۔ رانا روزانہ شام کو روبی سے ملنے آتا اور وہ بے پناہ محبت کی اداکاری کرتی مگر رانا کو اپنی قدرتی بیماری کا بہانہ بنا کر اسے ایک خاص حد سے آگے کبھی نہیں بڑھنے دیتی تھی۔ کسی وقت ضرورت سے زیادہ اداکاری کرتے ہوئے وہ رانا کی محبت میں آنسو بھی بہانے لگتی اور رانا بھی اسے جھوٹی تسلیاں دینے لگتا کہ تم فکر نہ کرو میں تم سے بیاہ کر لوں گا۔ تمہارے لئے اودھے پور میں ایک الگ حویلی بنوا کر تمہیں وہاں رانی بنا کر رکھوں گا۔ اسی طرح تین دن گزر گئے۔ خطرہ قریب سے قریب تر آرہا تھا اور اس سے روبی کا بچنا قریباً ناممکن تھا۔ اس شکستہ کھنڈر حویلی میں روبی کو دن میں دو بار باقاعدہ کھانا پہنچ جاتا تھا۔ کھانا لے کر ایک ادھیڑ عمر ہندو عورت آتی جو روبی سے زیادہ بات چیت نہیں کرتی تھی۔ خاموشی سے کھانا وغیرہ رکھ کر چلی جاتی۔ پہلے ہی روز جب وہ دوپہر کو کھانا لے کر آئی تو کھانے کے ساتھ کچھ پھل بھی تھے۔ رانا روبی یا کوشلیا کو صحت مند دیکھنا اور رکھنا چاہتا تھا۔ کھانے کے ساتھ پھل کاٹنے والی ایک چھری بھی تھی۔ روبی کی نگاہ چھری پر پڑی تو اس نے ہندو نوکرانی سے آنکھ بچا کر چھری اٹھا کر سرہانے کے نیچے چھپا کر رکھ لی تھی۔ اس چھری کی اسے کسی بھی وقت ضرورت پڑ سکتی تھی۔ یہ چھری فولاد کی تھی۔ آگے سے نوک مڑی ہوئی تھی۔ دن کے وقت دو ایک بار اس نے اس چھری کی مدد سے زینے کے دروازے کا تالہ کھولنے کی کوشش بھی کی تھی مگر اسے کامیابی نہیں ہوئی تھی۔ اس لئے حویلی کی دوسری منزل میں بند تھی یہ منزل زمین سے کوئی چالیس پچاس فٹ اونچی تھی اور کھڑکی میں سے نکل کر نیچے اترنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ مگر روبی کے لئے خطرے کا دن قریب تر ہوتا جا رہا تھا۔ زیادہ سے زیادہ چھ دن گزرنے کے بعد اس کی عزت اور عصمت عیاش رانا کے ہاتھوں میں کھلونا بننے والی تھی۔ اور روبی نے ہر حالت میں اپنی عزت بچانے کا عزم کر رکھا تھا۔ دن بھر اسی ادھیڑ بن میں رہتی۔ یہاں سے فرار کا اسے کوئی راستہ دکھائی نہیں دیتا تھا۔ اس کا بستر صاف ستھرا تھا اور اس پر دو ریشمی چادریں بچھی ہوئی

تھیں روبی کو ایک ترکیب سوجھی اگر وہ ریشمی چادر کو پھاڑ کر اس کا رسا بنا لے تو کھڑکی سے نیچے اتر کر فرار ہو سکتی تھی۔ مگر رانا دن میں ایک بار شام کو اس سے ملاقات کرنے ضرور آتا تھا۔ بستر پر سے چادر غائب دیکھ کر اسے شک پڑ سکتا تھا اور اس کا بھانڈا پھوٹ سکتا تھا۔ بہت ممکن تھا کہ پھر رانا اس کے ساتھ درندوں جیسا سلوک کرے۔

جب چوتھا دن بھی گزر گیا اور روبی کو یقین ہو گیا کہ اب رانا زیادہ انتظار نہیں کرے گا تو روبی بستر پر سے اٹھ کر کھڑکی کے پاس آئی کھڑکی کا پٹ کھول کر دیکھا اگر ریشمی چادر کی رسی ٹوٹ گئی یا اس کے ہاتھ سے چھوٹ گئی تو دو سو فٹ گہرے کھڈ میں گرتے ہی چھلنی ہو جائے گی۔

رانا جے سنگھ دوپہر کو ہو کر چلا گیا تھا۔ اب اسے کل آنا تھا اس لئے کہہ گیا تھا۔

"کوشیلا! میں تمہیں صرف کل تک کی مہلت دوں گا پھر اس کوٹھری میں بھگوان کو اپنے سامنے حاضر جان کر شادی کر لوں گا۔"

روبی خوب جانتی تھی کہ یہ شادی کس قسم کی ہو گی۔ اس نے جرائم پیشہ لوگوں قاتلوں اور اسمگلروں میں رہ کر یہی سیکھا تھا کہ انسان کو اپنی ـــــــ عزت بچانے کے لئے اپنی جان بھی قربان کر دینی چاہئے مگر اپنی جان قربان کرنے سے پہلے پوری کوشش کرنی چاہئے کہ حملہ کرنے والے کی جان لے لی جائے یہ سارے خیالات روبی کے دماغ میں چکر لگا رہے تھے روبی کی عمر سترہ اٹھارہ سال ہی تھی مگر جرائم پیشہ ماحول نے اسے نڈر دلیر اور خونخوار بنا دیا تھا۔ رانا جے سنگھ کے ساتھ اس نے انکساری اور لجاجت سے جو کام لیا تھا تو اس لئے صرف اپنی عزت محفوظ رکھنے اور شیر خان کو تھانے کی حوالات سے نکال لے جانے کی کسی اسکیم پر عمل کے لئے مہلت حاصل کرنے کی خاطر کیا تھا۔

روبی نے کھڑکی بند کر دی اور کوٹھری میں ٹہلنے لگی۔ پھر سرہانے کے نیچے ہاتھ ڈالا اور چھری کو نیچے سے نکال کر پلنگ کی پٹی کے قریب گدے کے نیچے چھپا دیا۔

رات کا اندھیرا پھیل گیا روبی نے کونے کی تپائی پر رکھا ہوا ٹیبل لیمپ جلا دیا۔ اس کے شیڈ کا رنگ گہرا تھا اور کوٹھری میں اس کی دھیمی دھیمی روشنی ہی پھیلی رہتی تھی۔ اس نے اندازہ لگایا کہ اگر وہ ایک طرف سے چادر کی پوری نیچے تک چوڑی چوڑی کترنیں کاٹنی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

شروع کرلے تو اس کی رسی کھڑکی میں سے نیچے سطح زمین کی اس پٹی تک پہنچ سکتی تھی۔ یہ حویلی کی دیوار کے ساتھ سطح زمین کے لیول پر بنی ہوئی پتھر کی کوئی چھ سات انچ چوڑی پٹی تھی۔ اس کے نیچے گہرا کھڈ تھا۔ اگر دیوار کو پکڑ کر اس پٹی پر احتیاط سے چلا جائے تو دس بارہ فٹ کے فاصلے پر زمین تک پہنچا جا سکتا تھا۔ یہ سارے اندازے اور قیاس روبی نے کتنی کتنی دیر تک کھڑکی میں کھڑے رہ کر نیچے جھانکتے ہوئے لگائے تھے۔ اس نے چادر میں سے ایک لمبی کترن پھاڑ ڈالی اور پھر اسے بل دے کر زور سے کھینچا۔ ریشمی ہونے کی وجہ سے وہ کافی مضبوط تھی اور روبی کا بوجھ سہار سکتی تھی۔ آدھے گھنٹے کے اندر اندر روبی نے ساری چادر کو پھاڑ کر اس کی رسی بنا ڈالی پھر اسے کھڑکی میں سے نیچے گرا کر دیکھا باہر اندھیرا تھا۔ مگر آسمان پر جو ستارے چمک رہے تھے ان کی پھیکی پھیکی روشنی بھی پھیلی ہوئی تھی۔ روبی کا اندازہ بالکل ٹھیک نکلا رسی کا آخری سرا نیچے دیوار کی باہر کو نکلی ہوئی پٹی کو چھو رہا تھا اس نے رسی اوپر کھینچ لی اور اسے پلنگ کے نیچے ایک طرف چھپا دیا رات کے پچھلے پہر کا وقت روبی نے اس لئے چنا تھا کہ اس وقت اسے دور ریتلے خشک بنجر ٹیلوں کے پیچھے کسی سڑک پر سے گزرتے کسی ٹرک وغیرہ کی آواز کبھی کبھی سنائی دے جاتی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ کوئی سڑک ہے جو شہر کو جاتی ہے۔ اب اس نے یہ پروگرام بنایا تھا کہ وہ شہر میں جا کر کسی جگہ روپوش ہو جائے گی اور وہاں بیٹھ کر اپنے محبوب شیر خان کو چھڑانے کی کوئی اسکیم تیار کرے گی۔ اگر رانا کی حویلی میں اس کی عزت خطرے میں نہ ہوتی تو وہ اسی جگہ رہ کر کسی اسکیم پر غور کر سکتی تھی مگر یہاں تو اسے اپنی عزت کے لالے پڑ گئے تھے۔

ٹیبل لیمپ کی دھیمی دھیمی بیمار سی روشنی کوٹھری میں پھیلی ہوئی تھی راجستھان کے علاقے کی نیم صحرائی رات خنک تھی اور کھلی کھڑکی میں سے ٹھنڈی ہوا کے جھونکے آ رہے تھے۔ روبی نے بستر پر لیٹ کر آنکھیں بند کر لیں۔ عین اسی وقت اسے ایک آواز سنائی دی۔ یہ موٹر کی آواز تھی۔ روبی کے کان کھڑے ہو گئے۔ اس وقت کون آیا ہو گا؟ موٹر حویلی کے باہر آ کر رک گئی تھی کہیں رانا جے سنگھ نے اسے لے جانے کے لئے کوئی آدمی تو نہیں بھیجا؟ روبی جلدی سے اٹھ کر گیلری میں آ گئی پھر اس نے کھڑکی کا پٹ ہٹا کر نیچے حویلی کے صحن میں دیکھا دیوار والے کھمبے کے ساتھ جلتے بلب کی روشنی میں اسے رانا جے سنگھ

نظر آیا جس کی سفید ریشمی اچکن کے بٹن کھلے تھے وہ اوپر والے زینے کی طرف بڑھ رہا تھا۔ دو آدمی بھاگ کر زینے کی طرف گئے تاکہ اوپر والے دروازے کا تالا کھول دیں۔

روبی کا دل زور سے دھڑک اٹھا۔ مصیبت کی گھڑی آ گئی تھی۔ جو حادثہ اس کے خیال میں کل ہونے والا تھا اس نے آج کی رات چن لی تھی۔ روبی نے زینے کے دروازے میں قدموں کی آوازیں سنیں وہ بھاگ کر کوٹھری میں آ گئی۔ اتنا وقت نہیں تھا کہ وہ ریشمی چادر کی رسی کھڑکی کی دوسری طرف لٹکا کر فرار ہو سکتی اسے فوراً پکڑ لیا جاتا اور پھر نہ صرف یہ کہ اس کی عزت لٹتی بلکہ رانا جے سنگھ بعد میں اس کے ساتھ داشتاؤں سے بھی بدتر سلوک کرتا باہر گیلری میں کوئی کوٹھری کے دروازے کی طرف بڑھ رہا تھا۔ پھر دروازہ کھل گیا روبی کے سامنے رانا جے سنگھ موجود تھا۔ اس کی سفید ریشمی شیروانی کے سارے بٹن کھلے تھے۔ گولڈن کلر کی اصلی سلک کی قمیص پر پان کے دو چار دھبے پڑے تھے۔ ہاتھ میں سگار سلگ رہا تھا۔ اس نے پی رکھی تھی اور وہ ہلکے ہلکے سرور میں مسکرا رہا تھا اس نے بازو کھول دیے اور پلنگ کی طرف بڑھتے ہوئے بولا۔

"کوشیلا! میرے پاس آؤ۔ آج ہماری سہاگ رات ہے۔"

روبی کو یہ سمجھنے میں دیر نہ لگی کہ رانا جے سنگھ آج فیصلہ کر کے آیا ہے اور اسی لئے اس نے شراب بھی پی رکھی ہے۔ روبی نے بھی اپنے سارے تجربے اپنی ساری چالاکیوں اور ہوشیاریوں سے کام لیتے ہوئے اداکاری کرنی شروع کر دی۔ دل آویز مسکراہٹ کے ساتھ ہاتھ باندھ کر کہا۔

"کنور جی! داسی آپ پر قربان مگر ہمارا بیاہ تو کل ہو گا کل آپ کی داسی اشنان کر کے دلہن بن کر یہاں بیٹھی ہو گی۔" رانا جے سنگھ ایکدم بپھر گیا اور گرج کر بولا۔

"نہیں ..... نہیں ..... ہماری شادی آج ہی ہو گئی ہے یہ ہماری سہاگ رات ہے۔" اس نے شیروانی کی جیب سے چاندی کی چھوٹے سائز کی چوڑی سی بوتل نکالی۔ دانتوں سے اس کا کاگ اڑایا اور اس میں جو کچھ بھی تھا غٹا غٹ پی گیا۔ پھر سگار کو فرش پر پھینک کر پاؤں سے مسلا اور روبی کو بانہوں میں لینے کے لئے پلنگ پر آ گیا۔ روبی تڑپ کر اس کی آغوش سے نکل گئی۔ رانا کی سرخ آنکھیں اور سرخ ہو گئیں۔ اس کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"تم مجھے بے وقوف بنا رہی ہو۔ میں تمہیں نہیں چھوڑوں گا۔ میں نے تمہارے بگو کو دس ہزار روپے دیے ہیں۔ تم میری خریدی ہوئی لونڈی ہو۔" اور رانا نے روبی کو دبوچ لیا۔ روبی کوئی نرم و نازک لڑکی نہیں تھی زبان سے وہ بڑی نرمی کے ساتھ کنور جی کنور جی کہتی رہی اور بازوؤں سے اسے اپنے اوپر سے پرے بھی دھکیل دیا۔

رانا کو چڑھی ہوئی تھی پھر بھی مرد آخر مرد ہوتا ہے۔ عورت چاہے کتنی بہادر ہو ایک بھرپور مرد کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ لیکن روبی کے اندر ایک ناقابل شکست طاقت آگئی تھی۔ عیاش رانا نے اسے پلنگ پر گرا لیا۔ روبی تڑپ کر دوسری طرف ہو گئی۔ اچانک روبی کو اس چھری کا خیال آگیا جو اس نے پلنگ کے گدے کے نیچے چھپا رکھی تھی۔ اس نے پلنگ پر سے اٹھتے ہوئے گدیلے کے نیچے ہاتھ ڈال کر چھری نکال لی اور اسے اپنے پیچھے چھپا لیا۔ نشے کی حالت میں رانا کو کچھ پتا نہ چل سکا۔ روبی پلنگ کے پیچھے کھڑی رانا کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

"کنور جی! آج مجھے معاف کر دیجئے۔"

"عیاش رانا اسے گالیاں دینے لگا۔ اس نے شیروانی اتار کر پرے پھینک دی اور روبی کی طرف بڑھا۔ جونہی اپنے زور میں لئے روبی کو دبوچنے کے لئے اس کے پاس آیا روبی نے اپنا سیدھا ہاتھ باہر نکالا اور پوری طاقت سے چھری رانا کے پیٹ میں گھونپ دی۔ روبی کو اس کی ٹریننگ ملی ہوئی تھی کہ دشمن اسمگلر یا دشمن سپاہی کو پیٹ میں چھرا گھونپ کر کس طرح ہلاک کیا جاتا ہے۔ اگر چھری بالکل سیدھی پیٹ میں گھونپ کر نکال لی جائے تو دشمن کو پہلے پہل ذرا بھی پتا نہیں چلتا۔ اس کے جسم کی ساری توانائی ویسے ہی بحال رہتی ہے اور کوئی کارگر جوابی حملہ کر سکتا ہے۔ پیٹ میں چھرا گھونپنے کا صحیح طریقہ اس کو یہ بتایا گیا تھا کہ چھرا گھونپنے کے فوراً بعد ہاتھ کو اوپر کی طرف دو چار زبردست جھٹکے دے کر بائیں یا دائیں جانب آخری جھٹکا دے کر چھرا اس طرح باہر نکالا جائے کہ دشمن کی ساری انتڑیاں کٹ کر باہر آجائیں۔ اس طرح سے دشمن پر نقاہت سے زیادہ گھبراہٹ طاری ہو جائے گی۔ اس کے ساتھ ہی پہلو بچا کر اور دشمن کی گھبراہٹ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے پیچھے سے اس کی گردن پر کاری وار کیا جائے۔

روبی اس وقت سترہ اٹھارہ سال کی لڑکی ہی نہیں تھی بلکہ ایک تجربہ کار قاتلہ کی شکل

اختیار کر چکی تھی۔ رانا جے سنگھ کے پیٹ میں چھری گھونپنے کے ساتھ ہی اس نے اوپر کی طرف چار جھٹکے دیے اور پیٹ کو اوپر پسلیوں تک پھاڑنے کے بعد بائیں جانب آخری اور زبردست جھٹکا دے کر چھری باہر کھینچ لی اور جلدی سے پیچھے ہٹ گئی۔ رانا کی انتڑیاں رسی کے گچھوں کی طرح پیٹ سے باہر نکل کر نیچے جھولنے لگیں۔ خون پرنالے کی طرح بہنے لگا۔ رانا جے سنگھ دہشت زدہ ہو کر اپنی باہر نکلی ہوئی انتڑیوں کو دیکھنے لگا۔ پیٹ کے کٹنے سے آدمی کو زیادہ درد نہیں ہوتا اور جب آدمی نے نشہ کر رکھا ہو تو درد بالکل ہی نہیں ہوتا۔ لیکن خون کے بہہ جانے سے نقاہت طاری ہو جاتی ہے۔ اس سے پہلے کہ عیاش رانا جے سنگھ چیخ مار کر پہریداروں کو بلاتا روبی نے پیچھے سے اس کی گردن پر آگے کی جانب چھری رکھ کر تیزی سے پیچھے کھینچ لی۔ اس کی شہ رگ کٹ گئی۔ یہاں خون کا فوارہ نکلا۔ روبی اچھل کر کھڑکی کے پاس چلی گئی۔ رانا کے حلق سے خر خر کی آوازیں آنے لگیں۔

دونوں ہاتھوں سے اپنی باہر نکلی ہوئی انتڑیوں کو سنبھالتا دائیں پہلو کی طرف گر پڑا۔ شہ رگ کٹ جانے سے خون فوارہ کی طرح ابل رہا تھا۔ اب رانا کے جسم میں اتنی طاقت نہ رہی تھی کہ وہ کسی کو مدد کے لئے پکار سکتا۔ روبی چھری ہاتھ میں لئے بالکل تیار کھڑی تھی کہ اگر اس نے کوئی آواز نکالی تو اس کا نرخرہ بھی کاٹ دے گی۔ مگر اس کی نوبت نہ آئی۔ تھوڑا سا تڑپ کر رانا جے سنگھ بے ہوش ہو گیا یا مر گیا۔ روبی نے ٹیبل لیمپ کی مدھم روشنی میں اسے جھک کر دیکھا۔ عیاش رانا کی آنکھیں بند تھیں ہونٹ کھلے تھے اور اس کے ارد گرد خون کا چھوٹا سا تالاب بن گیا تھا جو ساتھ ہی ساتھ جمتا چلا جا رہا تھا۔ روبی نے اپنے کپڑوں پر نظر ڈالی اس نے ایسی تجربہ کاری سے چاقو چلایا تھا کہ اس پر خون نہیں گرا تھا۔ چھری دشمن کے خون سے ضرور لال تھی۔ روبی نے پیچھے ہٹ کر چھری کو ایک طرف پھینک دیا اور پلنگ کے نیچے سے ریشمی چادر کی بنائی ہوئی رسی نکالنے لگی۔ اچانک زینے والے دروازے پر کسی نے بلند آواز میں پکا کر کہا۔

"کنور جی مہاراج! کنور مہاراج" روبی کے ہاتھ رک گئے۔ یہ شاید پہرے دار یا باڈی گارڈ تھا زینے کا گیلری والا دروازہ کھلا تھا مگر کوئی شخص رانا جے سنگھ کے حکم کے بغیر آگے نہیں آسکتا تھا۔ روبی نے اپنے بال اور لباس درست کیا اور کچھ سوچ کر دروازے کی طرف بڑھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کوٹھری کا دروازہ بند کر کے روبی زینے کے دروازے کے پاس آ کر بولی۔"کون ہے جو کنور جی کو بے آرام کرنے آگیا ہے۔" زینے کے دروازے کے پٹ بند تھے۔ دوسری طرف سے پہرے دار کی آواز آئی۔

"میں ہوں جی کنور مہاراج کا داس پرتاپ سنگھ۔" روبی نے برہمی سے پوچھا۔

"کیا بات ہے؟ کنور جی آرام کر رہے ہیں" پہرے دار نے جواب میں کہا۔

"کنور مہاراج پان کی ڈبیا موٹر گاڑی میں بھول گئے تھے وہ لے کر آیا ہوں۔

روبی نے سوچا کہ یہ ڈبیا اس کم بخت سے لے ہی لینی چاہئے کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ دوبارہ اس وقت آجائے جب وہ کھڑکی سے نیچے اتر کر ٹیلوں تک ہی پہنچ پائی ہو۔ اس طرح سے رانا جے سنگھ کے قتل کا دن نکلنے سے پہلے ہی پتا چل جاتا اور روبی کو اس علاقے سے نکل جانے کا موقع نہیں مل سکتا تھا اس نے دروازہ تھوڑا سا کھول کر ہاتھ آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔

"لاؤ مجھے دے دو اور خبردار اب آواز نہ دینا کنور جی سو رہے ہیں۔" پہریدار نے ڈبیا روبی کے ہاتھ میں دے دی اور واپس سیڑھیاں اتر گیا اب روبی نے ایسا کیا کہ زینے کا دروازہ بند کر کے اندر سے کنڈی چڑھا دی۔ تاکہ صبح کو اگر کوئی آئے بھی تو اسے دروازہ توڑ کر ہی آنا پڑے اور یوں روبی کو وہاں سے بھاگ کر روپوش ہونے کا مزید کچھ وقت مل جائے وہ تیز تیز قدموں سے چلتی کوٹھری میں آگئی۔ کوٹھری کے دروازے کی بھی کنڈی لگا دی۔ اب اسے رانا جے سنگھ کی لاش سے کوئی سروکار نہیں تھا۔ اس نے پلنگ کے نیچے سے چادر پھاڑ کر بنائی ہوئی ریشمی رسی نکالی۔ اسے کھڑکی کے ساتھ خوب مضبوطی سے باندھا اور

دوسری طرف نیچے پھینک دیا۔ یہ مرحلہ بڑا خطرناک تھا۔ اتنی بلندی سے جب کہ نیچے دو سو فٹ گہرا کھڈ ہو نیچے اترنے کا روبی کو پہلے کبھی تجربہ نہیں ہوا تھا۔ مگر اس کا حوصلہ بلند تھا۔ اپنی عزت کی خاطر ایک ہوس پرست بدمعاش کو قتل کر دینے سے اس کا دل شیرنی کا دل بن گیا تھا۔ اس بدکردار آدمی نے نہ جانے کتنی مظلوم لڑکیوں کی عزتیں برباد کر کے انہیں موت کے گھاٹ اتار کر حویلی کے تہہ خانوں میں دفن کر دیا تھا۔ روبی نے اللہ کا نام لیا۔ کھڑکی پر چڑھ کر دونوں ہاتھوں سے رسی کو اچھی طرح سے پکڑا۔ اس کا ایک بل اپنی کمر کے گرد دیا اور دونوں پاؤں دیوار کے ساتھ ٹکا کر آہستہ آہستہ نیچے کھسکنے لگی۔ اسے بس ایک ہی ڈر تھا کہ کہیں رسی ٹوٹ نہ جائے مگر رسی بڑی مضبوط نکلی۔ اس ریشم میں نائیلون کے ریشے بھی شامل تھے وہ تھوڑا تھوڑا اچھل کر نیچے اتر رہی تھی۔ آخر اس کے پاؤں دیوار کے ساتھ باہر نکلی ہوئی پتھریلی پٹی سے جا کر لگ گئے۔ اتنی دیر میں اس کی ہتھیلیاں جیسے دہکنے لگی تھیں بعد میں روبی نے دیکھا تو دونوں ہتھیلیوں میں لمبے نشان پڑ گئے تھے اور ایک دو جگہوں سے خون بھی رسنے لگا تھا۔ اس نے رسی چھوڑ دی اور دیوار کو دونوں بازوؤں میں لے لیا۔ وہ گویا ایک دو سو فٹ گہرے کنوئیں کی منڈیر پر چل رہی تھی نیچے گہری کھڈ تھی۔

روبی کے اندر زندہ رہنے اور شیر خان کو وہاں سے نکال کر پاکستان لے جانے اور شادی کر کے سیدھی سادی نیک زندگی بسر کرنے کا جذبہ موجزن تھا۔ یہ جذبہ اسے ہر حالت میں طاقت بخش رہا تھا۔ زمین اندھیری رات میں صرف تین قدم کے فاصلے پر اسے دکھائی دے رہی تھی۔ وہ دل میں خدا کو یاد کر رہی تھی۔ جب کھڈ کے کنارے اگی ہوئی نسواری جھاڑیاں اسے بالکل سامنے نظر آنے لگیں تو اس نے اچھل کر اپنے آپ کو جھاڑی پر گرا دیا۔ اسے پسینہ آگیا تھا۔

رانا جے سنگھ کو قتل کرتے وقت اس کا دل نہیں دھڑکا تھا مگر اب وہ یوں ہانپ رہی تھی جیسے کہیں سے سرپٹ بھاگتی ہوئی آرہی ہو۔ وہ جلدی سے اٹھی اور اب واقعی اس نے ایک طرف دوڑنا شروع کر دیا۔ وہ پتھر کی طرح سخت ریتلے ٹیلوں کے درمیان بنی ہوئی قدرتی کھڈ کے کنارے دوڑ رہی تھی۔ آسمان پر تارے بھی اسے جیسے غور سے دیکھ رہے تھے۔ وہ جوان تھی۔ اس کی رگوں میں جوانی اور نوعمری کا تازہ خون گردش کر رہا تھا۔ وہ جانے کتنی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دیر تک بھاگتی چلی گئی۔ وہ اس خونی حویلی سے جتنی دور ہو سکے چلے جانا چاہتی تھی۔ وہ تھک کر ایک جگہ بیٹھ گئی ذرا سانس ٹھیک ہوا تو روبی کو اس بات کا افسوس ہونے لگا کہ اس نے آتی دفعہ لاش کی تلاشی کیوں نہ لی۔ رانا کی جیب میں ضرور کچھ نہ کچھ رقم موجود ہو گی۔ روبی کے پاس پندرہ بیس روپے ہی تھے اور اس نے پتلون کی بجائے راجستھانی دیہاتی عورتوں کی طرح لال اور زرد رنگ کی ساڑھی پہن رکھی تھی۔ پاؤں میں کچھ نہیں تھا۔ اس علاقے میں صحرائی سانپ بڑے زہریلے ہوتے تھے۔ روبی اٹھ کر چلنے لگی۔ اب وہ دوڑنے کی بجائے تیز تیز چل رہی تھی۔ اسے تھوڑا سا اطمینان تھا کہ رانا کی لاش صبح سے پہلے کسی کو نہیں ملے گی۔ جب تک روبی ان کی دسترس سے دور نکل چکی ہو گی۔ ابھی آدھی رات کا وقت تھا اور اسے اس سڑک کی تلاش تھی جہاں سے اس کے قیاس کے مطابق رات کے پچھلے پہر تھوڑی تھوڑی دیر بعد کسی ٹرک کے گزرنے کی آواز سنا کرتی تھی۔ وہ جس علاقے سے رات کے وقت گزر رہی تھی وہ ریگستانی علاقہ تھا۔ وہاں نرم ریت بھی تھی اور پتھر کی طرح سخت چٹانیں بھی زمین سے باہر نکلی ہوئی تھیں۔ کہیں کوئی درخت رات کے وقت ستاروں بھرے آسمان کے پس منظر میں نظر آتا تھا۔ روبی سخت زمین سے بچ کر نرم ریت پر چل رہی تھی۔ جفاکشی کی عادی تھی اس لئے اسے زیادہ تکلیف محسوس نہیں ہو رہی تھی۔ پھر بھی ننگے پاؤں چلتے چلتے اس کے پاؤں اکڑ سے گئے۔ چلنے میں اس کی ساڑھی بھی الجھ رہی تھی۔ اگر اس نے پتلون قمیص پہن رکھی ہوتی اسے آسانی ہوتی۔ اب اسے بار بار ایک ہاتھ سے ساڑھی کو سنبھالنا پڑ رہا تھا۔

اندھیرے اور ستاروں کی روشنی میں اسے کچھ فاصلے پر کالے کالے دھبے سے نظر پڑے۔ وہ ان کی طرف بڑھنے لگی۔ یہ دھبے کسی گاؤں کے دس بارہ کچے مکان تھے جن پر گہری خاموشی اور اندھیرا چھایا تھا۔ گاؤں سے باہر کیکر کے درختوں کا ایک کالے رنگ کا جھنڈ تھا۔ روبی قریب آئی تو دیکھا کہ وہاں ایک اونٹ بیٹھا جگالی کر رہا تھا۔ اونٹ نے اپنی لمبی خم کھائی ہوئی گردن گھما کر روبی کی طرف کی۔ اندھیرے میں اس کی آنکھیں چمک رہی تھیں۔ اونٹوں سے روبی خانہ بدوشی کے دنوں میں کافی روشناس ہو گئی تھی۔ یہ اونٹ اسے پیدل چلنے کی مشقت اور اس علاقے سے نکال کر دور لے جا سکتا تھا۔ روبی اونٹ کے قریب

آ گئی۔ اونٹ نے گردن دوسری طرف کر لی۔ جیسے روبی کو اس نے کوئی اہمیت نہ دی تھی۔ روبی نے قریب آ کر اس کی گردن پر پیار سے ہاتھ پھیرا۔ اونٹ نے کوئی رد عمل ظاہر نہ کیا۔ آخر اونٹ تھا۔ روبی نے دیکھا کہ اونٹ پر کجاوہ تو نہیں تھا مگر ایک کھیس ضرور اس کی کمر کے ساتھ بندھا ہوا تھا۔ روبی نے جھک کر درخت پر سے اونٹ کی رسی کھول دی۔ یہی اس اونٹ کی باگ بھی تھی۔ پھر آہستہ سے اونٹ پر بیٹھی اور بڑے پیار سے اونٹ کی پسلیوں کے ساتھ اپنا گھٹنا مارا۔ اونٹ کو اٹھانے' بٹھانے اور چلانے بھگانے کا فن روبی نے خانہ بدوشوں کے ساتھ رہ کر سیکھا تھا۔ اونٹ کے حلق سے ہلکی سی آواز نکلی اور پھر کھڑا ہو گیا۔ روبی نے اس کی باگ کو بائیں طرف کر کے آہستہ سے کھینچا اور دونوں گھٹنے اونٹ کی پھولی ہوئی پسلیوں پر ہلکے ہلکے مارنے لگی۔ اونٹ کیکر کے جھنڈ سے نکل کر رات کی تاریکی میں اس جانب روانہ ہوا۔ سوال اب صرف یہ تھا کہ اونٹ روبی کو کہاں لیے جا رہا تھا۔ وہ ستاروں کو دیکھ کر چل رہی تھی۔ اور اس جانب اونٹ کو بھگائے لئے جا رہی تھی جدھر سے سورج کو نکلنا تھا۔ اب اسے شیر خان کے پاس پہنچنے کی جلدی نہیں تھی بلکہ سب سے پہلے خود کو کسی جگہ روپوش کرنے کی ضرورت تھی۔ دور اسے لال رنگ کی روشنی دکھائی دی۔ روبی کو دور سے ریلوے کے سگنل کی روشنی نظر آئی یہ روشنی اس کے لئے ..... امید کی کرن بھی تھی۔ روبی نے اونٹ کا رخ سگنل کی روشنی کی طرف کر دیا۔ اونٹ نے بہت جلد اسے صحرا میں بچھی ہوئی ریلوے لائن پر پہنچا دیا۔

روبی نے کوئی ڈیڑھ دو فرلانگ کے فاصلے پر ریلوے اسٹیشن کی دو چار بتیاں جھلملاتی ہوئی دیکھیں۔ روبی کو رانا کے آدمیوں کے علاوہ اودھے پور کے تھانیدار اور سی آئی ڈی انسپکٹر کمنہ لعل کے ہاتھوں پکڑے جانے کا بھی خطرہ تھا۔ روبی سوچنے لگی کہ کیا وہ یہاں سے ریل گاڑی کے ذریعے کسی دوسرے شہر چلی جائے یا اس علاقے میں کسی جگہ چھپ کر شیر خان کو جیل یا حوالات سے نکال لے جانے کی کوشش کرے؟ علاقے کی پولیس اس کی کھوج میں تھی اور رانا جے سنگھ کے آدمی دن نکلتے ہی اس کی تلاش میں نکلنے والے تھے۔ ظاہر ہے رانا کے قتل کی رپورٹ پولیس تھانے میں درج کرائی جائے گی اور پولیس کو بہت جلد پتا چل جائے گا کہ یہ قتل اسی لڑکی نے کیا ہے جس کو شیر خان اپنی بیوی بتاتا ہے اور جو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

خانہ بدوش رقاصہ بن کر سفر کر رہی تھی اور رانا جے سنگھ اسے اپنی حویلی میں لے آیا تھا۔ تب پولیس زیادہ مستعدی سے اس کی کھوج میں نکل کھڑی ہو گی۔

"نہیں ..... نہیں۔ مجھے یہاں سے دور کسی شہر میں چلے جانا چاہئے۔ اس ملک میں لاکھوں مسلمان گھرانے آباد ہیں۔ مجھے کسی بھی گھر میں پناہ مل سکتی ہے۔ بس ذرا چالاکی اور ہوشیاری سے اداکاری کرنے کی ضرورت ہو گی۔" یہ سوچ کر روبی نے اونٹ کو ریلوے اسٹیشن کی روشنیوں کی طرف بڑھا دیا بہت جلد وہ ریلوے اسٹیشن کے پاس پہنچ گئی۔ یہاں اس نے اونٹ کو زمین پر بٹھایا۔ نیچے اتر کر دائیں بائیں ماحول کا جائزہ لیا۔ آسمان پر مشرق کی جانب رات کے پچھلے پہر کی پہلی نیلی جھلک نمودار ہونے لگی تھی۔ ریلوے اسٹیشن ویران ویران سا تھا۔ یہ ایک چھوٹا سا دیہاتی اسٹیشن تھا اور یہاں صرف پیسنجر گاڑیاں ہی رکتی تھیں۔ روبی کے کانوں میں ریل کے انجن کی سیٹی کی آواز آئی۔ اس نے پلٹ کر دیکھا جس طرف سے وہ آئی تھی ادھر سے دور ریل کے انجن کی روشنی جھلملا رہی تھی۔ یہ لائٹ آہستہ آہستہ بڑی ہوتی جا رہی تھی۔ روبی کو یہ علم نہیں تھا کہ یہ گاڑی یہاں رکے گی یا نہیں۔ اونٹ کو وہیں چھوڑ کر وہ ریلوے اسٹیشن کی طرف دوڑی اسٹیشن واقعی ویران پڑا تھا صرف اسٹیشن ماسٹر کے واحد کمرے میں لالٹین جل رہی تھی۔ انجن کی سیٹی کی آواز سن کر گیٹ کے باہر ایک چارپائی پر سویا ہوا بوڑھا آدمی اٹھ کر پگڑی باندھ رہا تھا۔ روبی نے اس کے قریب جا کر پوچھا۔

"بابا یہ گاڑی دلی جائے گی ناں؟" بوڑھے نے جلدی جلدی پگڑی باندھتے ہوئے روبی کی طرف دیکھے بغیر کہا۔

"ہاں۔" اور یہ کہہ کر کھاٹ کو درخت کے ساتھ لگایا اور گیٹ کی طرف چل دیا۔

پیسنجر ٹرین اسٹیشن میں داخل ہو گئی تھی۔ جس بوڑھے نے روبی کو نیند کے عالم یہ کہہ دیا تھا کہ یہ گاڑی دلی جا رہی ہے اصل میں اسے بھی معلوم نہیں تھا کہ دلی جانے والی پیسنجر ٹرین ایک گھنٹہ پہلے وہاں سے جا چکی تھی اور یہ ٹرین کتھا اور میواڑ سے ہوتی ہوئی احمد آباد جا رہی تھی۔ رات کے وقت اس چھوٹے سے اسٹیشن کا ٹکٹ گھر بھی نہیں کھلا تھا۔ صرف ایک اسٹیشن ماسٹر ہی تھا جو ہاتھ میں لالٹین لئے ویران پلیٹ فارم پر کھڑا ہو گیا

تھا۔ ٹرین سے ایک بھی مسافر نہیں اترا تھا۔ روبی دوسری طرف والی ریلوے لائن سے گزر کر ایک ڈبے میں سوار ہو کر وہیں فرش پر بیٹھ گئی۔ ٹرین یہاں بمشکل ایک منٹ کے لئے رکی انجن نے سیٹی بجائی اور چھک چھک کرتی چل پڑی۔ روبی کی بلا جانے کہ ٹرین کا رخ شمال کی طرف نہیں بلکہ جنوب کی طرف تھا۔ شمال کی طرف دلی کا شہر تھا اور جنوب کی طرف احمد آباد کا شہر تھا جو گجرات کاٹھیاواڑ کا دارالحکومت تھا۔ روبی اس علاقے میں کبھی نہیں آئی تھی۔ ڈبے میں عورتیں بھی تھیں اور مرد بھی سوار تھے۔ وہ سب اپنی اپنی جگہوں پر سو رہے تھے۔ ٹرین چلی تو کھلی کھڑکیوں میں سے ٹھنڈی ہوا کے جھونکے آنے لگے۔ روبی پر بھی نیند نے حملہ کر دیا۔ وہ ساری رات کی جاگی ہوئی تھی۔ وہ بیٹھی بیٹھی اونگھنے لگی۔ سر نیچے کو ڈھلکتا تو جلدی سے آنکھ کھول دیتی تھوڑی دیر بعد پھر اونگھنے لگ جاتی اس کے پاس ٹکٹ نہیں تھا دس پندرہ روپے ضرور ساڑھی کے پلو میں بندھے ہوئے تھے۔ رات ڈھلنے لگی تھی۔ ٹرین ایک خاص رفتار سے جا رہی تھی۔ مشرق کی جانب صبح کاذب نمودار ہو رہی تھی۔ کوئی اسٹیشن آیا جہاں ڈبے میں سے کچھ سواریاں اتر گئیں۔ اوپر والی ایک برتھ خالی ہو گئی روبی برتھ پر چڑھ کر لیٹ گئی۔ گاڑی آگے روانہ ہوئی تو اسے نیند نے آلیا اور وہ سو گئی۔

جب روبی کی آنکھ کھلی تو ٹرین کی رفتار ہلکی ہو گئی تھی اور ڈبے میں مسافر اپنا اپنا سامان باندھ رہے تھے۔ وہ برتھ سے نیچے اتر آئی۔ اس نے کھڑکی میں سے سر باہر نکال کر دیکھا۔ گاڑی کسی اسٹیشن پر رکنے والی تھی۔ دن نکل آیا تھا۔ یہ کسی قصبے کا اسٹیشن تھا اور زمین سرسبز ہو گئی تھی۔ ریت کے ٹیلے اور سنگلاخ ٹیکریاں غائب ہو گئی تھیں۔ ٹرین اسٹیشن پر رکی تو روبی دوبارہ برتھ پر چڑھ کر لیٹ گئی وہ اپنے آپ کو پولیس کی نظروں سے بچانا چاہتی تھی۔ مگر وہاں پولیس کا سپاہی کوئی بھی نہیں تھا۔ ایک موٹا آدمی اپنی بیوی بچوں کے ساتھ ڈبے میں سوار ہوا جس نے سفید دھوتی سفید کرتا اور سفید کپڑے کی کانگریسی ٹوپی پہن رکھی تھی۔ اس کے ہاتھ میں تھیلا تھا۔ بیوی بھی بھاری بھرکم تھی۔ بچوں میں ایک لڑکی دس گیارہ سال کی ہو گی اور ایک لڑکا پانچ چھ سال کا تھا۔ انہوں نے آتے ہی ڈبے میں دروازے کے پاس ہی جگہ بنائی اور بیٹھ گئے۔ یہ کوئی کانگریسی لیڈر لگتا تھا۔ روبی ابھی تک برتھ پر ہی لیٹی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھی۔ گاڑی چلی تو اس نے منہ دوسری طرف کر لیا اور دل میں سوچنے لگی کہ دلی کب آئے گا؟ شیر خان کس حال میں ہو گا رانا جے سنگھ کے قتل کا اسے کوئی افسوس نہیں تھا پولیس کا خوف بھی اب اس کے دل سے نکل چکا تھا شاید اس لئے بھی کہ وہ جائے واردات سے بہت آگے نکل آئی تھی۔

ٹرین ایک خاص رفتار سے چل رہی تھی۔ دھوپ نکلی ہوئی تھی۔ کانگریسی لیڈر اپنی بیوی سے اونچی آواز میں کسی جلسے جلوس کی بابت باتیں کر رہا تھا جن سے روبی کو کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ گاڑی اسٹیشن سے کافی دور نکل آئی تھی اور ایک گھنے جنگل سے گزر رہی تھی۔ اچانک ٹرین کو ایک دھچکا لگا اور روبی برتھ سے نیچے گرتے گرتے بچی کانگریسی لیڈر کی بیوی بچوں کی چیخیں نکل گئیں۔ اس کے بعد ایک اور دھچکا لگا اور روبی نے برتھ کی زنجیر کو مضبوطی سے پکڑ لیا۔ ٹرین کو جیسے ایک دم سے بریک لگائی گئی تھی۔ ٹرین کی رفتار گھٹتے گھٹتے رک گئی۔ کانگریسی لیڈر نے کھڑکی سے سر باہر نکال کر کہا۔

"کوئی گائے بھینس لائن پر آگئی ہو گی۔" پھر انجن کی طرف سے گولیاں چلنے کی آوازیں آنے لگیں۔ اب روبی نے چونک کر نیچے دیکھا کانگریسی لیڈر نے جلدی سے سر اندر کر لیا تھا۔ اس کے بچے ماں کے ساتھ لگے ہوئے تھے۔ عورت کا رنگ اڑ گیا تھا۔ کانگریسی لیڈر اسے حوصلہ دے رہا تھا۔ "اری کچھ نہیں ہوا۔ کوئی شکاری ہو گا یونہی فائر کر رہا ہو گا۔" فائر کی آوازیں رک گئی تھیں۔

"یہ کیا ہو سکتا ہے؟" روبی سوچنے لگی۔ دوسرے ڈبوں سے مسافروں کی آوازیں آنے لگیں۔ وہ سب پریشان تھے اور ایک دوسرے سے پوچھ رہے تھے کہ گولی کہاں چل رہی ہے؟ ٹرین کیوں رک گئی ہے۔ پھر گھوڑوں کی ٹاپیں سنائی دیں۔ اس کے ساتھ ہی دو فائر ہوئے اور کسی نے کرخت آواز میں پکار کر پوچھا۔

"ارے وہ کانگریس کا چیتا دیودر دھن کہاں ہے رے؟"

اس کے ساتھ ہی ڈبے میں جو کانگریسی لیڈر بیٹھا تھا تھر تھر کانپنے لگا۔ روبی نے دیکھا کہ اس کا رنگ پیلا پڑ گیا تھا اس کی بیوی کو تو جیسے غش آنے لگا تھا۔ اتنے میں دو گھڑ سوار ڈبے کے باہر لائن کے پاس آکر رک گئے۔ انہوں نے ہاتھوں میں رائفلیں اٹھا رکھی تھیں۔

سروں پر پگڑ بندھے تھے۔ چہرے دہشت ناک تھے۔ جو گھڑ سوار آگے تھا۔ اس کی نظر کانگریسی لیڈر پر پڑی تو ہوائی فائر کرنے کے بعد بلند آواز میں بولا۔

"واہ! شکار یہاں چھپا بیٹھا ہے۔" پھر انجن کی طرف سے کوئی گھوڑا دوڑاتے ڈبے کے سامنے آگیا۔ روبی برتھ پر ہی لیٹی رہی۔ وہ یہ سارا ڈراما دیکھ رہی تھی۔ جو گھڑ سوار اب آیا تھا اس نے کیسری رنگ کی پگڑی باندھی ہوئی تھی۔ گلے میں کنٹھا تھا۔ ایک رائفل کندھے کے پیچھے سے باہر نکلی ہوئی تھی اور ایک رائفل اس کے ہاتھ میں تھی۔ یہ ادھیڑ عمر کا سخت جان تھا۔ بڑی بڑی خوفناک مونچھیں تھیں اور آنکھوں سے خون ٹپک رہا تھا۔ وہ ڈبے کے اندر آگیا اور رائفل کی نالی دہشت کے مارے کانپتے ہوئے کانگریسی لیڈر کی گردن کے ساتھ لگا کر بولا۔

"مجھے پہچانا لالا.....؟" کانگریسی لیڈر کی ٹوپی رائفل کی نالی سے اوپر اٹھائی اور نالی کا رخ کھڑکی سے باہر کر کے فائر کر دیا۔ ایک دھماکہ ہوا اور کانگریسی کی ٹوپی خدا جانے کدھر چلی گئی۔

ڈبے کے باہر کھڑے گھڑ سوار قہقہے لگانے لگے۔ کانگریسی لیڈر کے بچے سہمے ہوئے آہستہ آہستہ سسکیاں لے رہے تھے۔ ان کی ماں کا خوف کے مارے برا حال تھا۔ کانگریس لیڈر سے تو مارے دہشت کے بات نہیں ہو رہی تھی۔ وہ ہاتھ باندھے بیٹھا تھر تھر کانپ رہا تھا۔ اس وحشی آدمی نے اب رائفل کی نالی کا رخ سہمی ہوئی لڑکی کی طرف کر دیا اور بولا۔

"کیوں نہ پہلے سانپ کے بچوں کو ختم کیا جائے؟" بے چاری ماں وحشی آدمی کے پاؤں پر گر پڑی۔

"بھگوان کے لئے رحم کرو میری بچی کو نہ مارو۔" وحشی آدمی نے اسے ٹھوکر مار کر پرے گرا دیا۔ خدا جانے روبی کے اندر کہاں سے ایک طوفان سا ایک دم بیدار ہو گیا۔ اس کے ہونٹ غصے سے پھڑپھڑانے لگے۔ وہ بھول گئی کہ وہ خود مجرمہ ہے اور پولیس اس کی تلاش میں ہے اور یہ اجنبی ملک ہے اور اس کے ساتھ کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ شاید یہ اس کی جرائم پیشہ زندگی کا اثر تھا کہ وہ ظلم ہوتا دیکھ کر خاموش نہیں رہ سکتی تھی۔ اگر وہ عام سی لڑکی ہوتی تو شاید وہ بھی اس وحشی مرد کے آگے ہاتھ جوڑنے لگتی۔ مگر روبی کی خصلت ایسی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بزدلی اور منافقت سے پاک تھی۔ وہ برتھ پر اٹھ کر بیٹھ گئی اور بولی

"تم کیسے مرد ہو ایک معصوم بچی پر گولی چلا رہے ہو؟" وحشی مرد دراصل اس علاقے کا بلکہ پورے ہندوستان کا بدنام اور خونی ڈکیت بھوپت ڈاکو تھا جو کانگریسی لیڈروں کو چن چن کر قتل کیا کرتا تھا۔ اس کانگریسی لیڈر کو وہ اس لئے قتل کرنے آیا تھا کہ اس نے بھوپت کے خلاف مخبری کر کے اس کے دو آدمیوں کو پولیس مقابلے میں مروا دیا تھا۔ بھوپت ڈاکو کو اطلاع ملی تھی کہ کانگریسی لیڈر ٹرین میں احمد آباد جا رہا ہے۔ چنانچہ اس نے راستے میں ہی جنگل میں ایک جگہ ریلوے لائن کی فش پلیٹیں اکھاڑ دی تھیں اور اب اپنے کانگریسی دشمن کو خون میں نہلانے والا تھا۔ بھوپت ڈاکو نے گردن گھما کر خونی آنکھوں سے روبی کی طرف دیکھا۔ وہ دل میں بڑا حیران ہوا کہ برتھ پر بیٹھی ایک عام قسم کی راجستھانی دیہاتی لڑکی میں یہ جرات کہاں سے آگئی ہے کہ وہ ایک خونخوار ڈاکو کو چیلنج کرے۔ اس کے ساتھ ایسی دلیری سے بات کرے۔ بھوپت کے دو ساتھی بھی ڈبے میں گھس آئے۔ بھوپت ڈاکو نے اب رائفل کی نالی کا رخ روبی کی طرف کر دیا اور تھوڑا مسکراتے ہوئے پوچھا

"تو کون ہے ری؟" روبی نے بے خوفی سے جواب دیا۔

"میں ایک عورت ہوں اور اتنا جانتی ہوں کہ کوئی مرد کا بچہ کسی عورت اور بچے پر ہاتھ نہیں اٹھاتا۔" بھوپت ڈاکو نے رائفل نیچی کر لی اور پوچھا۔

"کیا تو جانتی ہے کہ کس سے بات کر رہی ہے؟" روبی بڑے اطمینان سے برتھ پر پاؤں لٹکائے بیٹھی رہی اس کے اندر کی بہادر اور بے خوف عورت پوری طرح سے بیدار ہو چکی تھی اور اب اسے آگے پیچھے کی کوئی پروا نہیں رہی تھی۔ وہ موقع محل کے مطابق اپنا رنگ نہیں بدل سکتی تھی۔ اگر دشمن ہے تو دشمن ہے۔ اگر محبت ہے تو پھر محبت ہی ہے۔ یہ خالصتاً جبلی جذبہ تھا اس میں کسی ضابطہ اخلاق کا کوئی عمل دخل نہیں تھا۔ روبی نے بے پروائی سے کندھے اچکا کر کہا۔

"تم جو کوئی بھی ہو مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں لیکن تم عورتوں بچوں کو گولیاں مارتے پھرتے ہو تو پھر تم مرد کے بچے نہیں ہو۔"

بھوپت ڈاکو کے ایک ساتھی نے اس پر بندوق تان لی۔

وہ روبی کو گولی سے اڑانے ہی والا تھا کہ بھوپت ڈاکو نے ہاتھ سے اس کی نالی پرے کر دی اور روبی سے پوچھا۔

"کیا نام ہے تمہارا.....؟" روبی نے بھوپت ڈاکو کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔

"شیرنی....."

بھوپت ڈاکو کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ وہ روبی کے بے خوف اور دلکش چہرے کو بڑے غور سے دیکھ رہا تھا۔ اس نے اپنے ایک ساتھی سے کہا۔

"اس شیرنی کو پکڑ کر لے چلو۔" جونہی ایک ڈاکو روبی کی طرف بڑھا روبی نے برتھ پر بیٹھے بیٹھے اسے زور سے لات مار کر پیچھے گرا دیا اور نیچے چھلانگ لگا دی۔ مگر روبی کی ساڑھی بار بار الجھ رہی تھی اور روبی سے جیسے کہہ رہی تھی۔ منافقت سے کام لو روبی۔ مصلحت سے کام لو موقع محل کو پہچانو۔ مگر روبی ساڑھی کی زبان نہیں سمجھتی تھی وہ سیٹ پر گری اور وہیں سے اچھل کر اس نے ڈاکو کی گردن کو دبوچ لیا۔ بھوپت ڈاکو بڑے مزے سے ایک طرف کھڑا مسکرا رہا تھا۔ مگر ڈاکو زیادہ تھے۔ انہوں نے بہت جلد روبی کو قابو کر لیا؟ اسے کھینچتے ہوئے ڈبے سے اتار کر لے گئے۔ بھوپت ڈاکو نے کانگریسی لیڈر کی طرف توجہ کی جس کا برا حال ہو رہا تھا۔ بھوپت نے رائفل کی نالی اس کے سینے سے لگائی اور بولا۔

"لالا! اس شیرنی نے تمہیں آج مجھ سے بچا لیا۔" یہ کہہ کر بھوپت ڈاکو تیزی سے ڈبے سے اترا۔ اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر یکے بعد دیگرے چار ہوائی فائر کیے اور اپنے آدمیوں کو لے کر جنگل میں غائب ہو گیا ان دنوں بھوپت ڈاکو کا ڈیرہ دھاری سر کے جنگل میں دلدلی میدان کے پار ایک پہاڑی کے دامن میں جھلیا ندی کے کنارے پر تھا۔ روبی کو ایک کچی کوٹھڑی میں بند کر دیا گیا تھا۔ بھوپت ڈاکو روبی کی جرات اور بے خوفی سے بڑا متاثر ہوا تھا۔ ڈیرے پر پہنچنے کے دو گھنٹے بعد اس نے روبی کے لئے دو روٹیاں اور ساگ کوٹھری میں بھجوا دیا۔ خود کوٹھری کے قریب ہی کھڑی چارپائی پر رائفل رکھے بیٹھا اپنے ساتھی اور نائب دیوکانت سے باتیں کرنے لگا۔

"ایسی دلیر لڑکی میں نے پہلے کبھی نہیں دیکھی دیوا۔"

دیوکانت اپنی رائفل کی نالی صاف کر رہا تھا بولا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"دادا! مجھے تو پولیس کی بھیجی ہوئی عورت لگتی ہے۔ میری مانو اسے یہیں ختم کر دیتے ہیں۔" بھوپت ڈاکو کی بھوئیں اوپر اٹھ گئیں کہنے لگا۔

"دیوا! پولیس کی بھیجی ہوئی عورت میں اتنی دلیری نہیں ہوتی اور پھر پولیس کو کوئی عورت بھیجنے کی کیا ضرورت ہے۔" دیوکانت بولا۔

"دادا! پولیس ہر قسم کے ہتھکنڈے استعمال کیا کرتی ہے۔ اچھا اگر یہ نہیں تو پھر اس عورت کا کیا کریں گے ہم؟ میری مانو میں ابھی جا کر اسے ختم کیے دیتا ہوں۔" بھوپت ڈاکو نے آہستہ سے کہا۔

"نہیں دیوا نہیں میں کسی عورت کے خون سے ہاتھ نہیں رنگنا چاہتا۔ بھوپت ڈاکو نے ایسا کبھی نہیں کیا۔ ابھی اسے پڑی رہنے دو۔ پھر سوچ لیں گے۔"

رات ڈاکوؤں کے ڈیرے میں لالٹینیں روشن ہوگئیں۔ وہ کھانے پینے میں مشغول ہو گئے۔ بھوپت کھاٹ پر نیم دراز رائفل پاس رکھے گراموفون پر کملا جھریا کی ٹھمری سن رہا تھا۔ یہ گراموفون پرانی وضع کا تھا جس کے ساتھ ایک بھونپو لگا تھا۔ بھوپت ڈاکو کو کملا جھریا بڑی پسند تھی اور وہ کبھی کبھی موڈ میں ہوتا تو اس کے ریکارڈ بڑے شوق سے سنتا تھا۔ اچانک اس نے ساؤنڈ بکس اٹھا دیا۔ پھر اپنی رائفل اٹھائی اور اس کوٹھری کی طرف چلا جس میں روبی بند تھی۔ کوٹھری کے باہر بھی ایک مدھم سی لالٹین جل رہی تھی۔ ایک ڈاکو باہر لکڑی کے کھوکھے پر بیٹھا پہرہ دے رہا تھا۔ بھوپت نے اسے وہاں سے چلے جانے کا اشارہ کیا اور دروازہ کھولنے ہی لگا تھا کہ اسے اندر سے روبی کی آواز سنائی دی۔ وہ خدا سے دعا مانگ رہی تھی۔ بھوپت نے سوراخ میں سے جھانک کر دیکھا۔ کوٹھری میں مٹی کا دیا روشن تھا۔ روبی زمین پر دوزانو بیٹھی تھی اس کے دونوں ہاتھ دعائیہ انداز میں کھلے تھے اور وہ کہہ رہی تھی۔

"یا اللہ! تم میرے دل کا حال جانتا ہے۔ میں تیری گناہ گار ہوں۔ میرے گناہ معاف کر دے اور مجھے شیر خان سے ملا دے۔"

پھر اس نے چہرہ اپنے ہاتھوں میں لے لیا اور سر کو آگے کی طرف جھکا دیا۔ بھوپت ڈاکو جیسے کسی گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ اس نے کوٹھری کے اندر وہ دیکھا اور سنا تھا جس کو

دیکھنے اور سننے کی اسے بالکل ہی توقع نہیں تھی۔ اس نے دروازے کو آہستہ سے کھٹکھٹایا اور پھر اندر داخل ہو گیا۔ روبی جلدی سے سیدھی ہو کر صف پر بیٹھ گئی۔ وہ بھوپت ڈاکو کو مشتبہ نظروں سے تکنے لگی۔ بھوپت نے رائفل زمین پر رکھ دی اور صف کے کنارے آہستہ سے بیٹھتے ہوئے بولا۔

"مجھے پہلے ہی شک تھا کہ تم ہندو عورت نہیں؟ ہندو عورت میں اتنی جرات نہیں ہو سکتی کہ وہ بھوپت ڈاکو کو للکارے۔ اب سچ سچ بتاؤ تم کون ہو؟ تمہارا نام کیا ہے اور تم کہاں سے آرہی تھیں اور یہ شیر خان کون ہے جس سے ملنے کے لئے تم اپنے خدا سے دعا مانگ رہی تھیں؟"

روبی سمجھ گئی کہ بھوپت نے اسے دعا مانگتے سن لیا۔ اس کے باوجود وہ اسے اپنے بارے میں کچھ نہیں بتانا چاہتی تھی۔ بھوپت ڈاکو کا نام روبی نے پہلے کبھی نہیں سنا تھا۔ اسے بھوپت ڈاکو کے بارے میں کچھ بھی معلوم نہیں تھا اسے یہ بھی علم نہیں تھا کہ بھوپت ڈاکو بڑے کردار کا مالک ہے اور ہندوستان کی اس وقت کی حکمران کانگریس پارٹی کا جانی دشمن ہے۔ اور اس نے کبھی کسی بچے اور کسی عورت پر ہاتھ نہیں اٹھایا۔ ٹرین میں اس نے کانگریسی لیڈر کو محض اذیت دینے کی خاطر اس کی بچی پر رائفل تانی تھی وہ اسے مارنا نہیں چاہتا تھا۔ روبی اس عجیب و غریب حقیقت سے بھی بے خبر تھی کہ بھوپت ڈاکو کو اسلامی کلچر اور اسلامی طرز زندگی بہت اچھا لگتا تھا۔ اسی وجہ سے اسے پاکستان سے بھی ایک طرح کا لگاؤ سا ہو گیا تھا۔ کیونکہ پاکستان ایک اسلامی ملک تھا۔ (یہاں ہم قارئین کو یہ ضرور بتانا چاہیں گے کہ اپنے آخری دنوں میں بھوپت ڈاکو اپنی مرضی سے اپنے ایک ساتھی کے ہمراہ بارڈر کراس کر کے پاکستان میں داخل ہو گیا تھا۔ یہاں اس نے بارڈر پولیس کے آگے ہتھیار ڈال کر کہا تھا کہ میں پاکستان میں باقی زندگی گزارنا چاہتا ہوں چنانچہ اس پر کراچی میں مقدمہ بھی چلا تھا اور وہ قید کاٹنے کے بعد ایک پرامن ذمے دار شہری بن کر کراچی میں چھوٹا موٹا کاروبار کرنے لگا تھا میں نے کراچی اور لاہور کے اخباروں میں بھوپت ڈاکو کا انٹرویو بھی پڑھا تھا) بھوپت روبی کے سامنے صف پر آلتی پالتی مارے بیٹھا تھا۔ رائفل اس کی گود میں تھی۔ سینے پر کارتوسوں کی بیلٹس کراس کی شکل میں لگی تھی۔ سر پر کیسری پٹکا بندھا تھا۔ مونچھیں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اوپر کو اٹھی ہوئی تھیں چہرے پر مردانہ وجاہت اور خونخواری تھی۔ روبی کو یہ چہرہ اچھا لگا اسے ایسے ہی چہرے پسند تھے جن سے شیروں والی خونخواری اور شرافت ٹپکتی ہو۔ یہی وجہ تھی کہ اس کا منگیتر اور محبوب شیر خان جب کبھی ذرا سی بزدلی دکھاتا تھا تو وہ اس کو برا بھلا کہنے لگتی تھی اور اس کی فطری دلیری اور غیرت کو بیدار کرنے کی کوشش کرتی تھی۔

بھوپت بولا۔

"تم نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا۔ تمہارا نام کیا ہے اور یہ شیر خان کون ہے؟"

روبی نے ایک کہانی گھڑ کر کہہ دیا۔

"ٹھیک ہے میں مسلمان ہوں اور شیر خان میرے منگیتر کا نام ہے میں اس سے ملنے دلی جا رہی تھی کہ تم مجھے زبردستی اٹھا کر یہاں لے آئے ہو۔" بھوپت ڈاکو نے مسکرا کر کہا۔

"مگر جس گاڑی میں تم بیٹھی تھیں وہ تو احمد آباد جا رہی تھی۔" تب روبی کو احساس ہوا کہ وہ غلط ٹرین میں سوار ہو گئی تھی۔"مگر تم اکیلی سفر کر رہی تھیں؟ تمہارے ساتھ تمہارا کوئی بھائی یا مرد کیوں نہیں تھا؟" بھوپت کے اس سوال پر روبی نے کہا۔

"مجھے اکیلی سفر کرتے ہوئے کوئی خوف نہیں لگتا۔" بھوپت بولا۔

"وہ تو میں نے دیکھ لیا ہے۔" وہ اٹھ کر باہر جانے لگا تو روبی نے کہا۔

"تم نے مجھے کس لئے قید کر رکھا ہے۔ مجھے جانے کیوں نہیں دیتے۔" بھوپت بولا۔

"ابھی رات کا وقت ہے۔ صبح چلی جانا۔ میں تمہارے ساتھ ایک آدمی کر دوں گا جو تمہیں ریلوے اسٹیشن تک پہنچا دے گا۔" یہ کہہ کر بھوپت باہر نکل گیا۔ روبی کو بھوپت کی بات کا یقین آ گیا تھا وہ بڑی خوش ہوئی کہ صبح وہ ان ڈاکوؤں کی قید سے آزاد ہو جائے گی۔ لیکن ساتھ ہی اس کا چہرہ اداس ہو گیا۔ وہ جائے گی کہاں؟ دلی؟ پھر سرد آہ بھر کر اپنے آپ سے بولی۔"ٹھیک ہے روبی۔ دلی ہی چلو شاید خدا وہاں شیر خان سے ملنے کا کوئی سربند کر دے۔"

دوسرے روز بھوپت نے روبی کو اپنے ایک ڈاکو کے ساتھ کر دیا۔ روبی گھوڑے پر سوار تھی۔ ایک ڈاکو دوسرے گھوڑے پر بیٹھا تھا بھوپت اسے کہہ رہا تھا۔

"اسے ریلوے اسٹیشن تک چھوڑ کر آنا۔ راستے میں اس کی حفاظت کرنا۔" پھر بھوپت

نے اپنی واسکٹ کی جیب سے چاندی کے روپوں کی ایک تھیلی نکال کر روبی کی طرف بڑھائی اور کہا"اس میں سے سو روپے اپنے پاس رکھ لو۔ تمہارے کام آئیں گے۔ دلی کا سفر بڑا لمبا ہے۔" یہ کہہ کر بھوپت ڈاکو وہاں سے ہٹ گیا روبی کے دل میں اس کے لئے احترام کا نیا جذبہ ابھر آیا تھا۔ ڈاکو نے گھوڑا آگے بڑھایا۔ روبی نے اپنا گھوڑا اس کے پیچھے ڈال دیا۔ دونوں گھوڑے جنگل میں بنی ہوئی ایک پگڈنڈی پر آہستہ آہستہ چل پڑے۔ جنگل میں کافی اونچے اونچے درخت تھے۔ زمین پر جنگلی جھاڑیوں کی بھی بہتات تھی۔ مگر ڈاکو کو راستہ معلوم تھا وہ بڑے آرام سے گھوڑے کی باگ تھامے روبی کی راہ نمائی کر رہا تھا۔ اس کی رائفل کاندھے کے ساتھ لگی تھی۔ اس نے پانی کی بھری ہوئی چھاگل اور چار روٹیاں اور اچار ساتھ رکھ لیا تھا۔ دوپہر تک وہ جنگل میں سفر کرتے رہے۔ دوپہر کے وقت انہوں نے گھنا جنگل پار کر لیا اور ایک بڑی نہر کے کنارے آ کر ڈاکو گھوڑے سے اتر آیا۔ روبی بھی گھوڑے سے اتر پڑی۔ ڈاکو نے ایک جگہ کھیس بچھا کر روٹیوں کا رومال کھول کر رکھ دیا اور بولا۔

"پہلے کھانا کھا لیں۔ پھر تھوڑی دیر آرام کر کے آگے چلیں گے۔" روبی نے پوچھا۔

"ابھی کتنی دور اور جانا ہے؟" ڈاکو نے دو روٹیوں پر اچار ڈال کر روبی کے سامنے کرتے ہوئے کہا۔

"شام ہونے سے پہلے پہلے اسٹیشن پر پہنچ جائیں گے تم فکر نہ کرو میں تمہیں دلی جانے والی گاڑی میں بٹھا کر واپس آؤں گا۔" روبی روٹی کھانے لگی۔ روٹی کھاتے ہوئے روبی نے محسوس کیا ڈاکو کبھی کبھی اسے عجیب سی نظروں سے دیکھ لیتا ہے پہلے تو روبی نے کوئی خیال نہ کیا لیکن جب ایک بار پانی کی چھاگل روبی کی طرف بڑھاتے ہوئے ڈاکو نے جان بوجھ کر اپنا الٹا ہاتھ روبی کے رخسار سے مس کر دیا تو وہ ہوشیار ہو گئی۔ وہ سمجھ گئی کہ ڈاکو کی نیت خراب ہو گئی ہے اور اب اس کے سامنے ایک انسان نہیں بلکہ جنگلی ریچھ بیٹھا ہے۔ اور جنگلی ریچھوں کی کھوپڑی اڑانا روبی کو خوب آتا تھا۔ روبی نے رائفل پر نگاہ ڈالی۔ رائفل کو ڈاکو نے پیچھے اس طرح رکھا ہوا تھا کہ وہاں تک روبی کا ہاتھ نہیں جا سکتا تھا۔ وہ اتنا جانتا تھا کہ یہ لڑکی بڑی دلیر ہے اور ڈاکوؤں پر بھی ٹوٹ پڑنے کا حوصلہ رکھتی ہے وہ بڑا محتاط تھا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لیکن اس کے دل کو یہ حوصلہ بھی تھا کہ آخر ایک لڑکی ہی ہے کوئی ہاتھی تو نہیں ہے۔ اس سنسان جنگل میں اس کا کتنا مقابلہ کر لے گی ۔ یہ ڈاکو بھی کوئی کم گرانڈیل نہیں تھا۔ اس وقت صورت حال یہ تھی کہ دونوں ایک دوسرے سے چوکس ہو گئے تھے۔ ابھی وہ اپنے ذہن میں کوئی منصوبہ تیار ہی کر رہی تھی کہ ڈاکو کے ہاتھ سے صبر کا دامن چھوٹ گیا۔ جنگلی آدمی تھا معاملے کی نزاکت کو نہ سمجھ سکا اور روبی پر حملہ کر دیا۔ یہ حملہ اتنا اچانک بھی نہیں تھا مگر پھر بھی روبی کا ہاتھ رائفل تک نہ پہنچ سکا اور وہ گرانڈیل ڈاکو کے بوجھ سے دوسری طرف گر پڑی۔ ڈاکو نے روبی کو دبوچ لیا۔ لیکن روبی بجلی کی طرح تڑپ کر اس کی گرفت سے نکل گئی اور ایک طرف کو بھاگی بدقسمتی سے اس کی راجستھانی ساڑھی کا پلو ڈاکو کے ہاتھ میں آگیا۔ یہاں بھی ہندوستانی ساڑھی اسے دغا دے گئی۔ ڈاکو نے ساڑھی کو زور سے کھینچا روبی ساڑھی کو پکڑ کر وہیں بیٹھ گئی۔ ڈاکو وحشی بن چکا تھا۔ ایک ہلکا سا قہقہہ لگا کر بولا۔

"اری! تو مجھ سے بھاگ تو سکتی نہیں پھر خوامخواہ کا کیوں جھگڑا کر رہی ہے۔ سیدھی طرح میرے پاس آجا۔"

روبی نے کوئی فریاد نہ کی۔ اس کا رنگ زرد ہونے کی بجائے سرخ ہو گیا تھا۔ آنکھوں سے شعلے برسنے لگے تھے۔ اس نے لپک کر ڈاکو کی گردن پر اتنی زور سے لات ماری کہ وہ پیچھے کی طرف گرا مگر ساتھ ہی اٹھا اور بھاگتی ہوئی روبی پر چھلانگ لگا کر اسے ایک بار پھر نیچے گرا لیا۔ عین اسی لمحے جنگل میں تھری ناٹ تھری رائفل کا دھماکہ ہوا۔ درختوں پر بیٹھے ہوئے پرندے شور مچاتے ہوئے اڑ گئے۔ روبی نے اپنے چہرے پر سے بالوں کو پیچھے ہٹاتے ہوئے دیکھا۔ ڈاکو اپنے پیٹ پر دونوں ہاتھ رکھے ڈگمگا رہا تھا۔ جہاں اس نے ہاتھ رکھے ہوئے تھے وہاں سے خون کی دھاریں بہنے لگی تھیں۔ پھر ایک مردانہ گرجدار آواز آئی۔

"رتوا تو میری امانت میں خیانت کرنے لگا تھا رے!" روبی نے پلٹ کر دیکھا درخت کے پاس بھوپت ڈاکو کھڑا تھا۔ وہ رائفل ابھی تک اس کے ہاتھوں میں تھی جس کی نالی سے نکلی ہوئی گولی ڈاکو کے پیٹ کی بائیں جانب سے گزر کر اس کے پھیپھڑوں کے پرخچے اڑاتی دوسری طرف سے نکل گئی تھی۔ ڈاکو زمین پر لڑھک گیا۔ بھوپت نے آگے بڑھ کر ساڑھی کا پلو روبی کی طرف اچھال کر کہا۔

"ستر پوشی کر لے بیٹی! یہ سانپ کا بچہ ابھی زندہ ہے۔" اور بھوپت کی نالی کا رخ نیم جان ڈاکو کی کھوپڑی کی طرف ہو گیا۔ ایک بار پھر جنگل میں رائفل کا دھماکہ گونجا اور دوسرے لمحے رتو کی کھوپڑی کا اوپر کا حصہ اڑ چکا تھا۔ روبی اٹھ کھڑی ہوئی وہ دوسری طرف منہ کر کے ساڑھی درست کرنے لگی۔ جتنی دیر تک وہ ساڑھی درست کرتی رہی بھوپت دوسری طرف منہ کر کے کھڑا رہا روبی بھوپت کے قریب آگئی اس کی آنکھوں میں ایک ایسی محبت کی چمک تھی جس کا تجربہ شاید اسے زندگی میں پہلی بار ہو رہا تھا اس نے بھوپت کا ہاتھ دونوں ہاتھوں میں لے لیا اور بولی۔

"تم نے مجھے بیٹی کہا تھا؟" بھوپت ڈاکو نے اپنا رائفل والا دوسرا ہاتھ روبی کے سر پر رکھ دیا اور بڑے حسرت بھرے لہجے میں کہا۔

"کیوں! ایک ڈاکو کی بیٹی نہیں ہو سکتی .....؟" روبی نے بھوپت کے ہاتھ کو بے اختیار چوم لیا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ ایک عرصے بعد روبی کی آنکھوں نے اپنے آنسو دیکھے تھے۔ بھوپت ڈاکو بولا۔

"میں نے تمہیں اس کے ساتھ بھیج تو دیا تھا مگر میرے دل کو چین نہیں تھا یہ نیا نیا جیل توڑ کر بھاگا ہوا ہماری ٹولی میں آیا تھا۔ جانے کیوں مجھے چین نہ آیا اور میں اس کے پیچھے پیچھے چل دیا۔ آخر وہی ہوا جس کا مجھے خطرہ تھا۔ یہاں آکر میں تھوڑا پیچھے رہ گیا تھا پر خدا کا شکر ہے عین وقت پر پہنچ گیا۔ اس نے تمہیں کچھ کہا تو نہیں؟" رتو کی لاش کو ٹھوکر مار کر روبی سے پوچھا۔ اس نے نفی میں سر ہلایا۔ بھوپت ڈاکو نے روبی کو کندھے پر ہاتھ مارا اور بولا۔

"میری بیٹی واقعی شیرنی ہے۔ پر پھر بھی تجھے خدا کا شکر ادا کرنا چاہئے۔" روبی نے پوچھا۔

"دادا! تم خدا کیوں کہتے ہو؟ ہندو تو خدا کو بھگوان کہتے ہیں!" بھوپت ہنس پڑا اپنے گھوڑے کی باگ تھامتے ہوئے بولا۔

"مجھے خدا کا نام بڑا اچھا لگتا ہے۔" روبی کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہنے لگا۔" جانے کیوں مجھے کبھی کبھی لگتا ہے کہ میں پہلے جنم میں مسلمان تھا اور اگلے جنم میں بھی کسی مسلمان کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گھر میں پیدا ہوں گا۔" پھر سر ایک طرف ہلکے سے جھٹک کر بولا۔

"چھوڑو ان باتوں کو میں تمہیں خود اسٹیشن پر چھوڑ آتا ہوں۔" روبی نے آہستہ سے کہا۔"

"اب اس کی ضرورت نہیں ہے۔"

"کیا مطلب ہے تمہارا؟" بھوپت نے پلٹ کر پوچھا۔"کیا تم دلی نہیں جاؤ گی؟" روبی وہیں درخت کی چھاؤں میں اس کھیس پر بیٹھ گئی جہاں تھوڑی دیر پہلے بیٹھی وہ روٹی کھا رہی تھی۔ بھوپت بھی اس کے قریب آکر بیٹھ گیا۔ وہ روبی کے چہرے کو بڑے غور سے دیکھ رہا تھا۔

"دیکھو! مجھے لگتا ہے کہ تم مجھ سے بہت کچھ چھپا رہی ہو میں نے تمہیں بیٹی کہہ دیا ہے تو یقین کرو میں تمہیں ساری زندگی اپنی بیٹی ہی سمجھوں گا۔ پھر اپنے باپ کو بتا دو کہ تم کون اور کہاں جانا چاہتی ہو؟"

روبی نے ایک ٹھنڈا سانس بھرا اور شروع سے لے کر آخر تک اپنی ساری کہانی بیان کر دی۔ بھوپت بڑے غور سے اس کی کہانی سنتا رہا جب روبی نے کہا۔

"یوں میں تمہارے پاس آگئی اب میرا کوئی راز تم سے پوشیدہ نہیں رہا دادا جان۔" بھوپت نے بڑے پیار سے کہا۔

"روبی! تم مجھے دادا نہیں بابا جان کہا کرو مجھے آج تک کسی لڑکی نے بابا جان نہیں کہا۔ مجھے حسرت ہی ہے کہ کوئی مجھے بابا جان کہے۔"

"کیوں نہیں تم میرے بابا جان ہی ہو" بھوپت اکھڑپن' سنگ دل اور خونخواری کا ایک پہاڑ تھا۔ ایک بار تو وہ بھی اپنی جگہ سے ہل گیا۔ اس نے بے اختیار ہو کر روبی کا سر اپنے سینے سے لگا لیا۔ اس کا دل بھر آیا۔ جیسے سنگلاخ چٹان موم بن کر پگھلنے لگی۔ بھوپت کی آنکھوں میں زندگی میں پہلی بار آنسوؤں کے قطرے نکل نکل کر روبی کے سر کے بالوں میں جذب ہونے لگے۔ اس نے روبی کے سر کو اپنے چوڑے چکلے سینے سے الگ کیا اور دوسری طرف منہ کر کے آستین سے آنکھوں میں آئے ہوئے آنسو پونچھے اور روبی کی طرف دیکھ کر شفقت بھرے انداز میں مسکرایا۔

"بیٹی روبی!" ایک بات کا مجھے بڑا فخر ہے بلکہ غرور ہے کہ مجھے جو بیٹی ملی ہے وہ کمزور اور بزدل نہیں ہے بلکہ ایک بہادر شیرنی ہے۔ بھوپت ڈاکو بھی ایک شیر ہے۔ اس کی بیٹی ایسی ہی ہونی چاہئے تھی۔ چلو واپس ڈیرے پر چلتے ہیں باقی باتیں وہاں چل کر ہوں گی۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وہ اپنے اپنے گھوڑوں پر بیٹھ گئے۔ ایک گھوڑا خالی تھا۔ بھوپت نے اسے اپنے پیچھے لگا لیا۔ اب جنگل میں ان کی واپسی کا سفر شروع ہو گیا۔ رات ہونے سے پہلے وہ اپنی منہ بولی بیٹی روبی کو لے کر ڈیرے پر پہنچا تو اس کے دست راست سانولیا نے لڑکی دیکھ کر تعجب سے پوچھا۔

"دادا! لڑکی کو پھر لے آئے؟ رتو کہاں ہے؟" بھوپت نے گھوڑے سے اتر کر تمام ڈاکوؤں کی طرف دیکھ کر اپنی رائفل لہراتے ہوئے کہا۔

"تم سب سن لو۔ یہ لڑکی نہیں ہے۔ آج سے میری بیٹی ہے۔ رتو کی لاش جھلار والی پہاڑی کے پاس پڑی ہے۔ اس نے میری بیٹی پر' بھوپت کی بیٹی پر بری نگاہ ڈالی تھی۔" اس کے ساتھ ہی بھوپت ڈاکو نے رائفل کی نالی اوپر کی اور یکے بعد دیگرے چار فائر کر دیے۔ جنگل ان دھماکوں سے گونج اٹھا۔ اس کی ٹولی کے سارے ڈاکو ایک بار تو لرز سے گئے۔ بھوپت نے روبی کے سر پر ہاتھ رکھ دیا۔ پھر سانولیا کی طرف دیکھا اور کہا

"سانولیا رے! میری بیٹی کے لئے ایک ایسی بوڑھی عورت کی ضرورت ہے جو اس کی سب باتوں کا خیال رکھ سکے بھوپت نے تو ساری عمر شادی نہیں کی۔ اس کے لئے ماں کہاں سے لاؤں گا۔" سانولیا کہنے لگا۔

"دادا! تم فکر نہ کرو۔ یہ اب ہماری بھی بیٹی ہے۔ میں اس کی خبر گیری کے لئے اپنی بڑی ماسی کو لے آؤں گا۔ وہ بیوہ ہے اور گھر میں اکیلی رہتی ہے۔" یہاں روبی نے بھوپت کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔

"بابا جان! مجھے کسی عورت کی ضرورت نہیں ہے۔ میں اپنا خیال خود کر سکتی ہوں۔

آپ تکلیف نہ کریں۔" بھوپت نے اپنے سر کو جھکاتے ہوئے کہا۔

"جیسے تمہاری مرضی بیٹی۔" اس خونخوار ڈاکو کا سر شاید پہلی بار جھکا تھا۔ وہ رات گزر گئی۔ دوسرے روز دن نکلتے ہی بھوپت نے روبی کے لئے نئی ساڑھی اور چپل اور دوسرا سامان لانے کے لئے ایک آدمی کو خاص طور پر شہر روانہ کر دیا۔ اسے پیسے بھی دیے۔ دوپہر کو وہ ایک اٹیچی کیس گھوڑے پر رکھے آگیا۔ روبی نئے کپڑوں' جوتی' کنگھی' اور نیل پالش کو دیکھ کر خوش ہوئی۔ نیل پالش کی شیشی پکڑ کر کہنے لگی

"بابا جان! میں نے کبھی نیل پالش نہیں لگائی۔ بھوپت ڈاکو گردن کھجانے لگا۔

"بیٹی! مجھے بیٹی پالنے کا تجربہ نہیں ہے۔ تمہیں جس چیز کی ضرورت ہو سانولیا کو بتا دو میں وہ ساری چیزیں منگوا دوں گا۔" مگر روبی کو کسی چیز کی ضرورت نہیں تھی۔ اگر ضرورت تھی تو صرف یہ کہ کس طرح وہ شیر خان کو پولیس کی قید سے نکال کر پاکستان چلی جائے۔ اس نے یہ بات بھوپت کو بھی بتا دی تھی جس کے جواب میں اس نے مسکرا کر کہا تھا

"ڈیرے پر چل کر بات کریں گے بیٹی۔" ڈیرے پر آئے دو دن گزر گئے اور بھوپت نے شیر خان کے بارے میں روبی سے کوئی ذکر نہ کیا۔ تیسرے دن شام کو روبی بھوپت کے پاس آئی۔ وہ ندی کنارے کھاٹ ڈلوا کر بیٹھا ہوا تھا۔ روبی کو دیکھ کر کھاٹ پر سنبھل کر بیٹھ گیا۔

"آؤ بیٹھو۔ کسی چیز کی ضرورت تو نہیں تمہیں....؟" روبی کھاٹ پر بیٹھ گئی کہنے لگی۔

"بابا جان! میں شیر خان کو لے کر پاکستان جانا چاہتی ہوں۔ اگر تم اس سلسلے میں میری کوئی مدد نہیں کر سکتے تو مجھے تم سے کوئی گلہ نہیں ہو گا بابا جان! تم صرف اتنا کرو کہ مجھے دلی پہنچا دو۔ میں وہاں جا کر شیر خان کو نکلوانے کا کوئی منصوبہ بناؤں گی۔" بھوپت بڑے اطمینان سے رائفل پر کپڑا مار رہا تھا۔ پھر اس نے رائفل ایک طرف رکھ دی اور شفقت بھرے لہجے میں بولا۔

"بیٹی! تمہارے سب سوالوں کا جواب تمہیں کل مل جائے گا۔ ٹھیک ہے میری بیٹی؟ اب تم اپنے بابا جان کے پاس بیٹھ کر کملا جھریا کا گانا سنو۔" اور بھوپت ڈاکو نے گراموفون پر ریکارڈ لگا دیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دوسرے دن دوپہر کا کھانا کھانے کے بعد روبی ندی کنارے شیر خان کے خیال میں اداس بیٹھی تھی۔ بھوپت اپنی کوٹھری میں شاید آرام کر رہا تھا کہ ایک گھڑ سوار آکر درختوں کے پاس رکا۔ ڈاکوؤں نے اسے گھیر لیا۔ وہ ان کا ساتھی ہی تھا۔ اس نے پوچھا۔

"دادا بھوپت کہاں ہے؟" اس کی آواز سن کر بھوپت کوٹھری کے باہر نکل آیا۔ "ویرم تم آگئے۔ کیا خبر لائے ہو؟ آؤ اندر آجاؤ۔" روبی نے دیکھا کہ گھڑ سوار بھوپت دادا کے ساتھ اس کی کوٹھری میں داخل ہو گیا اور دونوں دیر تک اندر نہ جانے کیا باتیں کرتے رہے۔ روبی کو کوئی خبر نہیں تھی کہ بھوپت ڈاکو نے دو روز پہلے اپنے خاص آدمی ویرم کو شیر خان کا پکا سراغ لگانے کے لئے بھیج دیا تھا۔ کافی دیر بعد کوٹھری کا دروازہ کھلا۔ بھوپت دادا نے ویرم کو اپنے آدمیوں کے پاس بھیج دیا اور خود روبی کے پاس آکر بیٹھ گیا۔ اس کا چہرہ ایسے تھا جیسے وہ کوئی دلچسپ بات سنانے والا ہو۔ روبی خاموشی سے بھوپت کے چہرے کو تک رہی تھی۔ بھوپت نے گھاس کا ایک لمبا تنکا اکھاڑا اور اسے منہ میں ڈال کر چباتے ہوئے بولا۔

"بیٹی! شیر خان کا پتا چل گیا ہے۔" روبی خوشی سے ایک دم اچھل سی پڑی۔

"سچ بابا جان! کہاں ہے وہ؟" بھوپت ڈاکو نے کہا۔

"پولیس شیر خان کو جودھ پور سے گرفتار کر کے یہاں لائی تھی۔ جب تم خانہ بدوشوں کے ساتھ بدکردار رانا جے سنگھ کے گاؤں میں تھیں تو پولیس شیر خان کو اودھے پور سے نکال کر چتوڑ گڑھ اور اس کے بعد رتلام لے گئی۔ اب شیر خان رتلام کی ایک جیل میں ہے جہاں ایک خطرناک پاکستانی جاسوس کی حیثیت سے اس کی کڑی نگرانی ہو رہی ہے اور اس سے پوچھ گچھ بھی جاری ہے۔" روبی نے بے اختیا ہو کر کہا۔

"پولیس نے اسے زیادہ تو نہیں مارا پٹیا؟" پھر دونوں ہاتھوں میں اپنا چہرہ چھپا لیا۔ بھوپت ڈاکو ہنس پڑا۔

"اری! تو بھوپت کی شیرنی بیٹی ہے۔ تجھ کو نہیں رونا چاہئے تو گھبراتی کیوں ہے۔ تمہارا بابا شیر خان کو شیر کے منہ سے بھی نکال لائے گا۔" روبی نے چہرہ اٹھا کر بھوپت ڈاکو کو دیکھا۔ بھوپت ڈاکو کے چہرے پر پدرانہ شفقت کے ساتھ ساتھ ایک ایسا ہلکا سا کرب بھی تھا جو اپنی بیٹی کو پریشان دیکھ کر بیدار ہو گیا تھا۔ بھوپت ڈاکو نے واسکٹ کی جیب سے بیڑی نکال کر

سلگائی اور اس کا گہرا کڑوا کش لگاتے ہوئے بولا

"ویرم پوری پوری خبر لایا ہے۔ اس نے مجھے سارا نقشہ سمجھا دیا ہے رتلام کا وہ جیل خانہ میرا دیکھا ہوا ہے۔ میں شیر خان کو وہاں سے نکال کر تمہارے سامنے لا کھڑا کر دوں گا لو اب خوش ہو جاؤ۔"

روبی نے آنکھیں بند کر لیں بھوپت اٹھ کر سانولیا کے پاس چلا آیا۔ سانولیا برگد کے درخت کے نیچے چارپائی پر بیٹھا ویرم سے باتیں کر رہا تھا۔

روبی درخت کے نیچے بنے ہوئے چولہے پر چائے بنا رہی تھی۔ وہ بھوپت کے لئے چائے کا گلاس لے کر آئی تو اس نے گلاس لے کر کہا۔" بیٹی! ابھی اپنے بابا جان کے پاس مت آنا۔ ہم بڑی ضروری باتیں کر رہے ہیں۔" روبی خاموشی سے واپس چلی گئی۔ وہ جان گئی تھی کہ بھوپت دادا شیر خان کو نکال لانے کے کسی منصوبے پر ہی سانولیا سے مشورہ کر رہا ہے۔ وہ دل میں بڑی خوش ہوئی اور خدا سے منصوبے کی کامیابی کی دعا کرنے لگی۔ وہ اپنی کوٹھری میں جا کر لیٹ گئی۔ بھوپت ڈاکو آہستہ آہستہ گرم چائے کے گھونٹ بھر رہا تھا اور سانولیا کہہ رہا تھا

"رتلام جانے کا ایک راستہ تو یہ ہے کہ ہم کھیدا ریلوے اسٹیشن سے رات کی گاڑی پکڑیں۔ وہاں سے ودھودرا پہنچیں۔ ودھودرا سے گٹودھار اور بانس وارہ سے ہوتے ہوئے رتلام پہنچ جائیں اور دوسرا راستہ پنچ محل کے گھنے جنگلوں سے ہو کر رتلام کو جاتا ہے۔ دادا تم ان سارے راستوں کو اچھی طرح سے جانتے ہو ہم کئی بار پنچ محل کے جنگلوں سے گزرے ہیں۔"

"تمہارا کیا خیال ہے؟" بھوپت ڈاکو نے سانولیا سے اس کی رائے طلب کی سانولیا اپنی خشخشی داڑھی کو انگلی سے کھجاتے ہوئے بولا

"جنگل کا راستہ لمبا ہے۔ ہمیں کچھ نہیں تو تین دن ضرور لگ جائیں گے۔ پھر یہ بھی خطرہ ہے کہ راستے میں پولیس پارٹی سے آمنا سامنا ہو جائے۔ کیونکہ وہ ہماری تلاش میں پنچ محل کے جنگل میں کئی جگہ موجود ہیں۔ میرا تو خیال ہے کہ ہمیں ریل گاڑی کا راستہ اختیار کرنا چاہئے۔ رات کے نو بجے احمد آباد سے رتلام تک ایک ڈاک گاڑی چلتی ہے۔ ہمیں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کھیدا اسٹیشن پر وہ دس بجے رات کو مل جائے گی۔ یہ گاڑی ہمیں صبح ہونے سے پہلے رتلام پہنچا دے گی۔"

بھوپت ڈاکو غور کر رہا تھا وہ چپ تھا اور آہستہ آہستہ اپنے دانتوں سے ہونٹوں کو کاٹ رہا تھا جب سانولیا خاموش ہو گیا تو بھوپت بولا۔

"رتلام میں کانتی لعل کو خبر کر دی تھی؟"

"ہاں۔" سانولیا نے بیڑی نکالتے ہوئے کہا۔ "ویرم آتی دفعہ اسے کہہ آیا تھا کہ دادا کل یا پرسوں کسی وقت اپنے آدمیوں کے ساتھ پہنچ جائے گا۔"

"ٹھیک ہے۔" بھوپت نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔ "ہم رتلام جانے کے لئے کل رات والی گاڑی پکڑیں گے تم باقی ساری تیاری کر لو اپنا اسلحہ ہم ساتھ لے کر جائیں گے وہاں فالتو اسلحے کی ضرورت پڑی تو کانتی لعل اس کا انتظام کر دے گا۔" یہ کہہ کر بھوپت ڈاکو ندی پر نہانے کے لئے چل دیا۔ دوسرے دن جب روبی کو پتا چلا کہ شیر خان کو چھڑانے بھوپت دادا اپنی پارٹی لے کر رات کو جا رہا ہے تو وہ بھوپت کے پاس آگئی اور بولی۔

"بابا جان! میں بھی تمہارے ساتھ جاؤں گی۔" بھوپت چارپائی پر پاؤں لٹکائے بیٹھا بیلٹ میں کارتوس ڈال رہا تھا کہنے لگا۔

"نہیں میری بچی! یہ تمہارا کام نہیں ہے۔ جب تک تیرا بابا زندہ ہے تجھے کوئی فکر نہیں کرنی چاہئے۔" روبی نے کہا۔

"مگر بابا جان! تم شیر خان کو کیسے پہچانو گے؟ تم میں سے تو کسی نے بھی اسے نہیں دیکھا ہوا۔" بھوپت مسکرایا کہنے لگا۔ "ہمیں پتا چل جائے گا بیٹی گھبراؤ نہیں ہم شیر خان کو ہی لے کر واپس آئیں گے۔" پہلے تو روبی نے بہت ضد کی مگر جب بھوپت نے اسے ہلکا سا ڈانٹ دیا تو وہ چپ ہو گئی بھوپت ڈاکو نے روبی کے سر پر ہاتھ پھیر کر پیار کیا اور کہا۔

"میری بچی! تو اپنے بابا کو کیا سمجھتی ہے۔؟ کیا وہ کوئی بزدل اور کمزور اور شریف شہری ہے؟ نہیں۔ وہ ایسا نہیں ہے۔ وہ تو جنگل کا شیر ہے۔ اس کی گرج سن کر تو بڑے بڑے تھانیداروں کا دم نکل جاتا ہے۔ پھر تمہیں میرے ساتھ جانے کی کیا ضرورت ہے؟ تم ڈیرے پر آرام سے بیٹھو۔ میں شیر خان کو واپس لے کر ہی آؤں گا۔" بھوپت ڈاکو نے سفر

کی تیاری شروع کر دی۔

بھوپت ڈاکو ان جنگلوں میں چین سے نہیں بیٹھا تھا۔ اس کے پیچھے بھی گجرات ضلع کی پولیس لگی ہوئی تھی۔ بھوپت نے چاروں طرف اپنے مخبر چھوڑ رکھے تھے جو پولیس پارٹی کے پہنچنے سے پہلے اسے اطلاع پہنچا دیتے تھے اور وہ اپنا ٹھکانہ بدل لیتا تھا۔ ہفتے میں ایک بار وہ کوئی نہ کوئی بھیانک قسم کا ڈاکہ ضرور مارتا تھا جس میں پانچ آدمیوں کو ضرور موت کی نیند سلا آتا تھا۔ اس کا معمول تھا کہ بڑے بڑے سیٹھوں کی تجوریاں توڑتا اور موٹی موٹی توندوں والے کانگریسی لالاؤں کا مال لوٹتا۔ اگر کوئی مزاحمت کرتا تو اسے وہیں بھون کر رکھ دیتا۔ واپسی پر وہ جس گاؤں سے گزرتا لوٹے ہوئے مال کی کافی رقم وہاں کے غریبوں میں تقسیم کر دیتا۔ یہی وجہ تھی کہ سارے علاقے میں غریب کسان اور مزدور لوگ بھوپت سے محبت کرتے تھے۔ اور پولیس پارٹی کو بالکل نہیں بتاتے تھے کہ ادھر سے نکل کر بھوپت کدھر کو گیا ہے۔ بھوپت ڈاکو کی تو ایک الگ داستان ہے۔ اگر کبھی موقع ملا تو اس عجیب و غریب بہادر اور شریف النفس ڈاکو کی کہانی بھی آپ کو سناؤں گا۔

اس وقت تو وہ ایک ایسے مسلمان پاکستانی نوجوان کو پولیس کی قید سے چھڑانے کی تیاریاں کر رہا تھا جو پاکستانی جاسوس نہیں تھا۔ جو اپنی ہونے والی بیوی کے ساتھ بارڈر کراس کر کے پاکستان جانے کی کوشش کر رہا تھا کہ پولیس نے اسے پکڑ لیا اور اب اس پر پاکستانی جاسوس ہونے کا الزام لگا کر اپنے تشدد کا نشانہ بنا رہے تھے۔ بھوپت جانتا تھا کہ شیر خان کیا بلکہ کسی بھی ایسے پاکستانی کا جس پر جاسوسی کا الزام لگایا گیا ہو بھارت میں کوئی والی وارث نہیں ہوتا اور پولیس کو جب یقین ہو جاتا ہے کہ بے پناہ تشدد کے باوجود ان کو کوئی خاص معلومات نہیں مل سکیں تو اس بے گناہ پاکستانی کو گولی مار کر ہلاک کر دیا جاتا تھا اور اس کی لاش کسی گڑھے میں پھینک دی جاتی تھی۔ اس سے پہلے کہ شیر خان کے ساتھ بھی بھارتی پولیس ایسا ظالمانہ سلوک کرے بھوپت ڈاکو اسے قید سے نکال لانا چاہتا تھا یہ اس کا اپنی منہ بولی بیٹی روبی سے وعدہ تھا جو اسے بابا جان کہہ کر بلاتی تھی۔

بھوپت ڈاکو نے اپنے ساتھ دست راست سانولیا کے علاوہ ویرم اور بھابھا کو بھی لے لیا۔ ویرم نے وہ جگہ دیکھ رکھی تھی جہاں شیر خان قید میں پڑا تھا بھابھا بھوپت کا وفادار اور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دلیر ساتھی تھا۔ اور سیدھی سے سیدھی دیوار پر کمند پھینکنے میں بڑا ماہر تھا یہ کل چار ڈاکو تیار ہو گئے۔ بھوپت ویرم سانولیا اور بھابھا۔ پیچھے بھوپت نے رانجی کو ڈیرے کا سردار بنا دیا اور اسے خاص ہدایت کی کہ وہ اس کی بیٹی روبی کا خیال رکھے اور اگر پولیس پارٹی نے چھاپہ مارا تو اس کا مقابلہ کرے۔ اگر پولیس کی نفری زیادہ ہو تو وہاں سے اپنے آدمیوں کو نکال کر دھار کے جنگل میں سیتا کنڈ والی رکھ میں جا کر چھپ جائے۔

بھوپت نے ایک بھی رائفل ساتھ نہ لی۔ اس کی بجائے ہر ایک کو ایک ایک ریوالور اور ایک ایک گراری دار چاقو دے دیا۔ سب نے کپڑے کی ایک لمبی گتھلی سی بنا کر اس میں گولیاں بھریں اور اسے اپنی اپنی کمر کے ساتھ باندھ لیا۔ بھوپت نے کچھ انڈین کرنسی نوٹ بھی اپنے پاس رکھ لئے۔ شام کے وقت انہوں نے گجرات کاٹھیاواڑ کے عام دیہاتوں ایسا حلیہ بنایا اور اپنی خطرناک مہم پر روانہ ہو گئے۔ جانے سے پہلے بھوپت ڈاکو نے روبی کے پاس جا کر اس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور کہا۔

"بیٹی اگر میں واپس نہ آیا تو اپنے خدا سے کہہ کر میری آتما کو بخشوا دینا۔ میں نے آج تک کسی بت کی پوجا نہیں کی۔"

اس سے پہلے کہ روبی کوئی جواب دیتی بھوپت ڈاکو وہاں سے جا چکا تھا۔ بھوپت ڈاکو کی منڈلی بلتام کے جنگل میں ڈیرہ لگائے ہوئے تھی یہاں سے انہیں کھیدا ریلوے اسٹیشن جانا تھا یہ لوگ جنگل کے تمام راستوں سے واقف تھے۔ ان میں وہ راستے بھی تھے جہاں دیہاتی لوگ دن کے وقت گڈوں ریڑوں پر گزرتے تھے اور وہ خطرناک راستے بھی تھے جس طرف پولیس پارٹی بھی رخ کرتے ہوئے گھبراتی تھی۔ بھوپت نے ایسے ہی ایک خطرناک خفیہ راستے کو چنا اور یہ لوگ گھوڑے دوڑاتے وقت سے آدھ گھنٹہ پہلے ہی کھیدا اسٹیشن کے قرب و جوار میں پہنچ گئے۔ جہاں جنگل کی حد ختم ہوتی تھی بھوپت اور اس کے ساتھی گھوڑوں سے اتر پڑے۔ گھوڑوں کا رخ پیچھے کی طرف کر کے انہیں واپس بھگا دیا اور خود رات کے اندھیرے میں جنگل کی سرحد سے نکل کر جوار کے کھیت میں نکل آئے۔ کھیدا اسٹیشن کی روشنیاں بالکل سامنے تھیں۔ بھوپت ڈاکو اور اس کے ساتھی عام دیہاتیوں ایسے لباس میں تھے۔ سانولیا نے سر پر ایک پوٹلی اٹھا رکھی تھی جس میں دس بارہ روٹیاں اور اچار

تھا۔ ہر ڈاکو نے ایک ایک بھرا ہوا ریوالور اپنی قمیص کے اندر اس طرح چھپا رکھا تھا کہ وقت پڑنے پر وہ پلک جھپکنے میں ..... نکال سکتے تھے۔ کھیدا گجرات کاٹھیاواڑ میں احمد آباد سے بھروچ اور آگے بمبئی جاتے ہوئے دوسرا بڑا اسٹیشن تھا۔ شہر بھی کافی بارونق تھا اسٹیشن کے دائیں بائیں کافی عمارتوں میں روشنیاں ہو رہی تھیں۔ سڑکوں پر ابھی ٹریفک جاری تھا۔ ڈاکوؤں کی ٹولی دیہاتیوں کے بھیس میں کھیتوں سے نکل کر ایک پگڈنڈی پر چلتی اسٹیشن پر آئی اور گیٹ کے ایک طرف ہو کر بیٹھ گئی۔ جس طرح رات کے وقت ایسی جگہوں پر پولیس کانسٹیبل ہوا ہی کرتے ہیں ویسے ہی یہاں بھی ادھر ادھر کوئی کانسٹیبل چلتا پھرتا دکھائی دے جاتا تھا مگر بھوپت کو ان کی کوئی پروا نہیں تھی۔ کیونکہ آج تک کسی کانسٹیبل نے بھوپت ڈاکو کی شکل نہیں دیکھی تھی۔ جس نے بھوپت کی شکل دیکھی اس بدقسمت کو بھوپت نے وہیں بھون ڈالا تھا۔ بھوپت نے سانولیا سے کہا۔

"جاؤ جا کر رتلام تک کے تھرڈ کلاس کے چار ٹکٹ لے آؤ۔ یہ بھی دیکھ لینا کہ یہاں کوئی پولیس پارٹی تو ساتھ نہیں جا رہی؟" سانولیا چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ واپس آیا اس نے ریل گاڑی کا ایک ایک ٹکٹ سب کو دیا اور بھوپت کے پاس بیٹھتے ہوئے آہستہ سے بولا۔

"داداا گاڑی آدھا گھنٹہ لیٹ ہے۔ پولیس پارٹی تو کہیں دکھائی نہیں دی۔ کیا آدھا گھنٹہ اسی جگہ پڑے رہیں؟" بھوپت نے بیڑی کا کش لگایا اور دائیں بائیں نظریں گھماتے ہوئے بولا۔

"ویٹنگ روم میں جانا ٹھیک نہیں۔ پلیٹ فارم پر بھی ہم نظروں میں آسکتے ہیں۔ یہیں پڑے رہتے ہیں۔" یہ لوگ اسٹیشن کے گیٹ سے بائیں جانب سیڑھیوں میں بیٹھے تھے جہاں کچھ فاصلے پر ٹیکسی اور رکشا اسٹینڈ تھا۔ خیریت گزری کسی کو ان لوگوں پر شک نہ گزرا دور سے ریل کے انجن کی آواز سنائی دی تو بھوپت نے سانولیا ویرم اور بھابھا کی طرف بھویں اٹھا کر دیکھا اور اشارہ کیا۔ وہ بڑے آرام سے اٹھے اور گیٹ کی طرف بڑھے۔ پلیٹ فارم والے گیٹ پر ایک ٹکٹ چیکر کھڑا تھا۔ سانولیا نے اسے چاروں ٹکٹ دے کر چیک کرائے اور دیہاتی لہجے میں ٹکٹ بابو سے پوچھا کہ یہ گاڑی دھارا کتنے بجے پہنچے گی۔ دھارا یا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دوھارا وہاں سے آگے تیسرا بڑا شہر تھا۔ سانولیا ٹکٹ بابو کو یہ تاثر دینا چاہتا تھا کہ وہ دوھارا جا رہے ہیں۔ ٹکٹ بابو نے ان دیہاتیوں میں کوئی دلچسپی نہ لی اور انہیں آگے کرتے ہوئے بولا۔ ''آگے چلو۔''

ٹرین آکر پلیٹ فارم پر رکی۔ مسافروں میں شور سا مچ گیا۔ بھوپت ڈاکو اور اس کے تینوں ڈاکو ساتھی تھرڈ کلاس کے ایک ایسے ڈبے میں گھس گئے جو دیہاتی مسافروں سے بھرا تھا۔

ٹرین چلی اور کسی جگہ رکے بغیر پون گھنٹے میں وودوسرا پہنچ گئی بمبئی احمد آباد لائن پر یہ بروڑہ (بڑودہ) کا ایک گنجان آباد شہر ہے۔ جب کہ اس کا پہلا نام بڑودہ ہی تھا پھر اسے وودوھرا میں تبدیل کر دیا گیا۔ یہ بڑودہ ریاست کا کسی زمانے میں صدر مقام بھی تھا۔

بھوپت اور اس کے ساتھی ڈبے میں ہی بیٹھے رہے۔ یہاں گاڑی بیس منٹ تک رکی رہی کیونکہ اس میں ڈاک کی بوریاں لادی جا رہی تھیں۔ خدا خدا کر کے انجن نے سیٹی بجائی۔ بھوپت نے سانولیا کی طرف دیکھ کر سکون کا لمبا سانس لیا۔ ویرم اور بھابھا نے ایک ایک بیڑی سلگا لی۔ آگے سفر لمبا تھا۔ اس کے بعد رتلام ہی بڑا شہر آتا تھا۔ چنانچہ ڈاک گاڑی نے اسٹیشن کے نکلتے ہی رفتار پکڑی۔ بھوپت نے سانولیا سے کہا۔

''تم لوگ تھوڑی دیر آنکھ لگا لو۔ میں جاگ رہا ہوں۔'' سانولیا نے بھابھا اور ویرم کی طرف دیکھا دونوں نے نفی میں اپنا اپنا سر ہلایا۔ جیسے کہہ رہے ہوں کہ ہمیں نیند نہیں آ رہی ہے۔

لیکن جب گاڑی بروڑہ شہر سے کافی آگے نکل گئی تو ڈبے کے ہچکولوں اور پہیوں کی خاص تال پر نکلتی آواز نے ان پر غنودگی طاری کر دی اور دیوار کے ساتھ لگ کر بیٹھے بیٹھے ویرم اور سانولیا کے سر ایک دوسرے کے کاندھوں پر جا لگے۔ گاڑی جب رتلام پہنچی تو دن کا اجالا چاروں طرف پھیل رہا تھا۔ آدھا گھنٹہ لیٹ ہونے کی وجہ سے گاڑی یہاں صبح ہونے کے بعد پہنچی تھی۔ کانتی لعل کے اڈے کا ان چاروں کو علم تھا۔ چنانچہ یہاں سے وہ الگ الگ ہو گئے۔ بھوپت دیہاتیوں کی طرح بڑے بھولپنے کے ساتھ چلتا اسٹیشن سے نکل آیا۔ باہر ٹیکسیاں اور رکشے اور لوگوں کی موٹریں بھی کھڑی تھیں۔ رتلام بھی اجمیر سے کھنڈوا

برہان پور لائین پر ایک بڑا جنکشن اور مشہور شہر تھا۔ لوگ اپنے اپنے کاروبار پر جا رہے تھے۔ سڑکوں پر ٹریفک شروع ہو گئی تھی۔ بھوپت اسٹیشن سے نکلتے ہی بائیں جانب ہو گیا۔ یہاں سے اس نے ایک نالہ پار کیا اور کھیتوں میں سے ہوتا ہوا لاریوں کے اڈے کے قریب سے گزرنے کے بعد ایک کچے راستے پر چلنے لگا جس کی دونوں جانب کھیت اور آم کے باغ تھے۔ جہاں یہ باغ ختم ہوتے تھے وہاں سے ایک چھوٹی سی پگڈنڈی ریلوے کالونی کی طرف چلی گئی تھی۔ اس کالونی کے پیچھے کالی کا پرانا مندر تھا۔ مندر کے عقب میں تھوڑے فاصلے پر شمشان بھومی تھی۔ یعنی وہ جگہ جہاں ہندو اپنے مردوں کو نذر آتش کرتے تھے۔ اس شمشان کے پہلو میں ایک کوٹھری میں کانتی لعل رہتا تھا۔ کانتی لعل یہاں منشیات کا ناجائز دھندا کرتا تھا۔ علاقے کی پولیس کا اس نے ماہانہ لگا رکھا تھا اور چند ایک غنڈے بھی پال رکھے تھے جس کی وجہ سے کوئی اس پر ہاتھ نہیں ڈالتا تھا۔ کبھی وہ بھوپت کے گروہ میں شامل تھا مگر ادھیڑ عمر ہونے اور بیمار رہنے کی وجہ سے اس نے بھوپت کی اجازت سے اس کا گروہ چھوڑ دیا اور اپنے آبائی شہر رتلام میں منشیات کا دھندا شروع کر دیا۔ آج تک بھوپت کے بارے میں اس نے زبان نہیں کھولی تھی اور اپنے قریبی سے قریبی دوست کو بھی نہیں بتایا تھا کہ وہ بھوپت ڈاکو کے ساتھ مل کر ڈاکے مارا کرتا تھا۔

بھوپت شمشان کی دیوار کے ساتھ ساتھ چلتا کانتی لعل کی کوٹھری کے آگے جو چھوٹا سا باغیچہ لگا تھا اس میں داخل ہو گیا۔ کانتی لعل کی کوٹھری کا دروازہ بند تھا اور باہر چارپائی بچھی ہوئی تھی۔ ایک آدمی سرس کے درخت تلے گائے کا دودھ دھو رہا تھا۔ چھوٹے سے اکھاڑے کے پاس ہی پمپ لگا تھا جس کے نیچے بالٹی رکھے ایک پہلوان ٹائپ کا آدمی نہا رہا تھا۔ بھوپت چارپائی پر جا کر بیٹھ گیا اس نے جیب سے بیڑی نکال کر سلگائی اور جس راستے سے آیا تھا اس طرف تکنے لگا۔ جو آدمی گائے کا دودھ دھو رہا تھا اس نے پلٹ کر بھوپت کی طرف دیکھا اور اپنے کام میں مشغول ہو گیا۔ وہ یہی سمجھا کہ کوئی دیہاتی دیسی شراب کی بوتل لینے آیا ہے۔ دودھ کی بالٹی ایک طرف رکھ کر صافے سے ہاتھ صاف کرتا وہ آدمی بھوپت کے پاس آیا اور بے نیازی سے بولا

''سویرے سویرے دارو پینے کہاں سے آ گئے ہو۔ ابھی جاؤ سودا دینے والا آدمی ابھی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نہیں آیا۔" بھوپت نے کوئی جواب نہ دیا اور اطمینان سے بیڑی کے کش لگاتا رہا۔ اس آدمی نے ذرا سخت لہجے میں کہا۔

"ارے کیا مزے سے کھاٹ پر بیٹھے بیڑی پی رہے ہو۔ کہہ دیا نہ جاؤ ابھی دارو نہیں ہے۔" تب بھوپت نے اپنی لال لال خونخوار آنکھیں اٹھا کر دیکھا اور رعب دار آواز میں پوچھا۔

"کانتی لعل کہاں ہے رے؟" بھوپت ڈاکو کی آواز اور آنکھوں میں ایک ایسی دہشت تھی کہ وہ آدمی کچھ گھبرا سا گیا۔ سمجھ گیا کہ یہ کوئی اور ہی بلا ہے۔ گھگیا کر بولا۔

"سیٹھ اندر سو رہا ہے۔ جگا دوں اسے؟" بھوپت نے اثبات میں سر ہلایا تو وہ آدمی ڈرتے ڈرتے کوٹھری کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا تھوڑی دیر بعد کوٹھری میں سے ایک ادھیڑ عمر کا بھاری بدن والا آدمی باہر نکلا یہ کانتی لعل تھا۔ بھوپت کو دیکھتے ہی اس کے بازو کھل گئے۔ دوڑ کر بھوپت کے پاس آیا اور اس کے چرن چھو کر بولا۔

"دادا مجھے تو رات بھر تمہارا انتظار رہا۔" پھر اپنے آدمی کی طرف دیکھ کر کہا۔" دادا کے لیے دودھ لاؤ۔" وہ آدمی صافہ جھاڑ کر دودھ والی بالٹی کی طرف لپکا۔

"ویرم بھی ساتھ آیا ہے کیا؟" کانتی لعل نے پوچھا بھوپت بولا۔

"ویرم بھی ہے۔ سانولیا اور بھابھا بھی میرے ساتھ آئے ہیں۔ تھوڑی دیر میں پہنچ جائیں گے۔" کانتی لعل وہیں چارپائی پر بھوپت کے پاس بیٹھ گیا اور بولا۔

"دادا! یہ شیر خان کون ہے؟ تم اس کے لئے کیوں اتنا خطرہ مول لے رہے ہو؟" بھوپت نے اپنی لال لال خونی آنکھیں کانتی لعل پر مرکوز کر دیں اور کہا "کانتی! شیر خان میرا بیٹا ہے اور ایک باپ اپنے بیٹے کی جان بچانے کے لئے بڑے سے بڑا خطرہ مول لے سکتا ہے۔ اس سے آگے کوئی سوال نہ کرنا۔" کانتی لعل چپ ہو گیا۔ بھوپت ڈاکو کے ساتھ اس نے اپنی جوانی کا بہترین زمانہ گزارا تھا اور وہ اس کی طبیعت سے پوری طرح واقف تھا۔ اس نے اس لمحے اپنے دل سے شیر خان کے بارے میں مزید کچھ پوچھنے کا خیال نکال دیا۔ کانتی کا آدمی گڑوی میں دودھ بھر کر لے آیا تھا جو بھوپت غٹاغٹ پی گیا۔ گڑوی واپس کرتے ہوئے بھوپت سے پوچھا۔

"یہ آدمی کون ہے؟" کانتی نے آہستہ سے کہا۔

"اپنا آدمی ہے۔" ساتھ ہی اس آدمی کو کہا۔ "جاؤ دھنیا جا کر بازار سے پوریاں کچوریاں لے آؤ۔ مہمان آنے والے ہیں۔" وہ آدمی ہاتھ جوڑ کر سلام کرتا تیزی سے ایک طرف چلا گیا۔ بھوپت اٹھ کر جائزہ لینے لگا۔

"پمپ کے نیچے کون نہا رہا ہے۔" کانتی بولا۔

"دادا سب اپنے آدمی ہیں۔ ویسے کسی کو کچھ خبر نہیں ہے۔ یہ لوگ یہی سمجھ رہے ہیں کہ باہر سے بیوپاری آئے ہیں۔" بھوپت نے دیکھا کہ پمپ کے نیچے جو آدمی اشنان کر رہا تھا وہ بالٹی ہاتھ میں لئے سامنے والی کوٹھری کی طرف جا رہا ہے۔ اس نے کانتی لعل سے کہا۔

"ہم کسی دوسری جگہ اپنا ٹھکانہ بنائیں گے۔ یہ جگہ ٹھیک نہیں ہے۔" کانتی لعل نے ایک لمحے کے لئے کچھ سوچا۔ وہ جانتا تھا کہ بھوپت نے اگر ایک بار کہہ دیا ہے تو وہ اب وہاں نہیں رہے گا۔ کہنے لگا۔

"ٹھیک ہے دادا۔ ہم املی والے ٹیلے کے گودام میں چلے چلتے ہیں۔ وہاں میرے سوا کوئی نہیں آئے گا۔" بھوپت کو کانتی لعل کی یہ تجویز پسند آئی کہنے لگا۔

"مجھے گودام کی چابی دو۔ میں ابھی وہاں جاتا ہوں۔ ویرم بھابھا اور سانولیا پہنچنے ہی والے ہوں گے۔ تم انہیں لے کر وہاں آجانا۔"

کانتی لعل نے آگے سے کچھ نہ کہا۔ جلدی سے صدری کی جیب میں سے چابی نکال کر بھوپت کو پکڑا دی۔ بھوپت وہاں سے چل دیا۔ املی والے ٹیلے کے گودام کا حدود اربعہ بھوپت ڈاکو کو اچھی طرح معلوم تھا۔ یہ جگہ وہاں سے کوئی ڈیڑھ کلو میٹر کے فاصلے پر اونچی نیچی سنگلاخ زمین کو پیچھے چھوڑتی مغرب کی جانب ایک ہرے بھرے ٹیلے کے دامن میں تھی ٹیلے پر بے شمار جنگلی جھاڑیاں اگی تھیں۔ ٹیلے کے دامن میں ایک پرانا کنواں تھا جو اب خشک ہو گیا ہوا تھا۔ کنویں کے پاس ہی املی کے گھنے درخت کے پہلو میں ٹیلے کی دیوار کو کھود کر وہاں ایک گودام بنا دیا گیا تھا جہاں کانتی لعل نے دیسی شراب کے بڑے بڑے پلاسٹک اور لوہے کے ڈرم رکھے ہوئے تھے۔ ہر ماہ کی ایک خاص تاریخ کو رات کے وقت

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

یہاں گاؤں میں کشید کی ہوئی دیسی شراب ریڑھوں پر لاد کر لائی جاتی اور پھر ان ڈرموں میں بھر کر بند کر دی جاتی تھی یہاں اٹھنے بیٹھنے کے لئے کانتی نے ایک طرف چھوٹی سی پھلواری لگا رکھی تھی جس کے کونے میں چھوٹی سی ایک کوٹھری بھی تھی۔ جس رات یہاں ناجائز شراب آتی تھی اس رات کانتی لعل اس کوٹھری میں سو جاتا تھا۔

بھوپت کھڈوں نالوں سے گزرتا املی والے ٹیلے پر پہنچ گیا اس نے گودام کھول کر اس کا جائزہ لیا۔ دیوار کے ساتھ دیسی دارو کے ڈرم لگے ہوئے تھے اس نے گودام کو بند کر دیا اور پھلواری میں آکر کوٹھری کے باہر بچھی ہوئی کھاٹ پر لیٹ گیا اگرچہ وہ رات بھر کا جاگا ہوا تھا مگر اس نے نیند کو اپنے سے دور رکھا ہوا تھا نیند ہمیشہ سے بھوپت کی غلام رہی تھی۔ کوئی آدھا گھنٹہ ہی گزرا ہو گا کہ کانتی لعل ویرم' سانولیا اور بھابھا کو بھی لے کر آگیا۔ ساتھ ہی اس نے ایک بڑا سا لفافہ اٹھا رکھا تھا جس میں ان لوگوں کے ناشتے کے لئے پوریاں کچوریاں اور حلوہ وغیرہ تھا۔ انہوں نے خوب سیر ہو کر ناشتا کیا۔ تب بھوپت کہنے لگا۔

"کانتی لعل! اب ہم سب لوگ دوپہر تک یہاں آرام کریں گے۔ تم دوپہر کے بعد آنا۔ تم سے پھر بات ہو گی۔"

کانتی لعل پرنام کر کے چلا گیا۔ وہ چاروں کے چاروں وہیں ادھر ادھر لیٹ گئے۔ بھوپت چارپائی پر اور تینوں ڈاکو گھاس پر پڑ گئے۔ تھوڑی دیر بعد وہ گہری نیند سو رہے تھے۔ دوپہر کے بعد کانتی لعل کوئی پچاس ساٹھ روٹیاں بیگن کی بھاجی اور ولایتی شراب لے کر آگیا۔ بھوپت جاگ رہا تھا اس نے باقی آدمیوں کو بھی جگا دیا۔ شراب کی بوتل دیکھ کر بھوپت بولا۔

"جب میں کام پر ہوتا ہوں تو تم جانتے ہو کہ میں دارو کو ہاتھ بھی نہیں لگاتا۔ اس کو زمین پر انڈیل دو۔" کانتی لعل نے فوراً بوتل کھولی اور ساری شراب زمین پر گرا دی۔ انہوں نے باغیچے میں ہی بیٹھ کر کھانا کھایا۔ کھانے کے بعد وہیں ان کی اہم ترین میٹنگ شروع ہو گئی۔ کانتی لعل نے جیب سے ایک کاغذ نکال کر زمین پر بچھا دیا۔ کاغذ پر آڑی ترچھی لکیروں سے ایک مختصر سا نقشہ بنا ہوا تھا۔ سب اسے غور سے دیکھنے لگے۔ کانتی لعل سمجھانے لگا۔

"دادا! یہ وہ ٹیکری ہے جس پر مہاراناپرتاپ کے زمانے کا وہ قلعہ ہے جسے پولیس نے

خطرناک مجرموں کو قید رکھنے کے واسطے جیل میں بدل دیا ہے۔ اس قلعے کے نیچے چار تہہ خانے ہیں ان کے درمیان ایک تنگ راہ داری ہے جہاں رات کو دو بلب روشن رہتے ہیں۔ یہ راہ داری آگے جا کر بند ہو جاتی ہے۔ یہاں سے ان تہہ خانوں کو ایک زینہ جاتا ہے۔ زینے کا دروازہ لوہے کی موٹی موٹی سلاخوں والا ہے جو صرف اس وقت کھولا جاتا ہے جب کسی پولیس کے آدمی کو وہاں سے گزرنا ہوتا ہے۔ دروازے کے باہر ایک سپاہی ہر وقت پہرے پر اسلحہ لئے موجود رہتا ہے۔"

بھوپت بڑے غور سے نقشے پر نظریں جمائے ہوئے تھا۔ اس نے سوال کیا۔

"اس قلعے کے اندر راستہ کہاں سے جاتا ہے۔" کانتی لعل نے ایک جگہ انگلی رکھ دی۔

"یہ قلعے کا مین گیٹ ہے مگر ہم لوگ یہاں سے نہیں گزر سکیں گے۔ اس دروازے سے کوئی بھی شخص شناختی کارڈ دکھائے بغیر اندر نہیں جا سکتا۔" پھر اس نے انگلی چلاتے ہوئے اوپر ایک نقطے پر آکر روک دی اور بولا۔

"یہ قلعے کی پچھلی دیوار ہے۔ یہاں قلعے کے اندر کا گندا پانی ایک جھلار میں گرتا ہے۔ قلعے کی دیوار کے نیچے ایک پائپ لگایا گیا ہے اس پائپ کا قطر چار فٹ کے قریب ہے۔ آدمی بیٹھ کر اس میں سے گزر سکتا ہے۔ لیکن ایک مشکل یہ ہے کہ جہاں اس پائپ کا پانی نیچے جھلار میں گرتا ہے وہاں پائپ کا منہ لوہے کی مضبوط جالی سے بند کر دیا گیا میں نے بہت سوچا ہے ویرم کے ساتھ بھی کافی مشورہ کیا ہے ویرم کو تو میں رات کو وہاں لے بھی گیا تھا۔ اسے پائپ کی جالی بھی دکھا دی تھی۔ میں تو اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ اگر ہم قلعے میں داخل ہونا چاہتے ہیں تو سوائے اس پائپ کے دوسرا کوئی راستہ نہیں ہے۔"

بھوپت نے پوچھا۔

"شیر خان کون سے تہہ خانے میں ہے؟" کانتی لعل نے جواب دیا۔

"وہ سب سے آخر والے تہہ خانے میں بند ہے جہاں راہ داری کی دیوار آگے سے بند ہو جاتی ہے۔ اس راہ داری میں بھی رات کو ایک سپاہی چل پھر کر گشت لگاتا رہتا ہے۔ چار گھنٹے بعد سپاہی کی ڈیوٹی بدل جاتی ہے۔ اب تم جس طرح مناسب سمجھو اسی طرح ہم کریں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گے۔" بھوپت ڈاکو نے بیڑی سلگالی۔ کہنے لگا۔

"کانتی لعل! قلعے میں راشن پانی لے کر بھی آخر کوئی جاتا ہو گا۔ دھوبی وغیرہ میلے کپڑے لے کر بھی آتے ہوں گے۔ کیا اندر باورچی خانہ نہیں ہے؟"

"ایک چھوٹا سا میس ہے دادا" کانتی نے کہا۔ بھوپت بولا۔

"تو پھر اندر راشن لے کر کون جاتا ہے؟" یہاں ویرم نے اپنی تحقیقات کی روشنی میں جواب دیا۔

"ٹھیکیدار کا ایک بوڑھا ملازم دن کے وقت صرف ایک بار سبزی دودھ وغیرہ لے کر اندر جاتا ہے۔ اس کے پاس شناختی کارڈ موجود ہوتا ہے۔ دھوبی وغیرہ کا مجھے کچھ علم نہیں ہے۔" کانتی لعل نے کہا۔ "دادا! اگر ہم گٹر کے پائپ کے ذریعے اندر داخل ہوں تو ہمارا کام کافی آسان ہو جائے گا۔ گٹر کا پائپ قلعے کے اندر ایک حوض میں نکلتا ہے جہاں نیچے اترنے کے لئے لوہے کی چھوٹی سی سیڑھی بھی لگی ہے۔ اس کی میں نے پوری طرح سے تصدیق کر لی ہے دادا۔ ایک بار ہم قلعے کے اندر داخل ہو گئے تو پھر ان لوگوں پر قابو پانا زیادہ دشوار نہیں ہو گا۔ قلعے کے آفس میں کوئی وائرلیس نہیں ہے۔ صرف ٹیلی فون لگا ہے۔ ہم اس کے تار باہر سے بڑی آسانی سے کاٹ سکتے ہیں۔" بھوپت نے پوچھا۔

"قلعے میں پولیس کی نفری کتنی ہوتی ہے۔" کانتی لعل بولا ....." میری اطلاع کے مطابق رات کو پچاس ساٹھ آدمیوں سے زیادہ کی نفری نہیں ہوتی۔ آفس میں صرف ایک کانسٹیبل بیٹھا ہے جس کے پاس ٹیلی فون پڑا رہتا ہے۔ باقی گارڈز ہیں۔ پہرے دار ہیں دو گارڈ قلعے کے گیٹ پر ہوتے ہیں۔" بھوپت نے سانولیا کی طرف دیکھا۔ سانولیا ویرم اور بھابھا اتنی دیر تک خاموش تھے اور نقشے پر نظریں جمائے کانتی لعل کی باتیں بڑے غور سے سن رہے تھے۔ سانولیا نے بھوپت کی طرف دیکھ کر کہا۔

"دادا! گٹر کے پائپ کو ہی استعمال کرنا ہمارے لئے مفید ہو گا۔" کانتی لعل بولا۔

"میرے پاس ایسا پلاس پڑا ہے جو مضبوط سے مضبوط لوہے کی جالی پل بھر میں کاٹ ڈالتا ہے۔"

"ٹیلی فون کی تار کہاں سے گزرتی ہے؟" بھوپت نے کانتی سے پوچھا وہ بولا۔

"ٹیلے کے اوپر سے آتی ہے اور نیچے ایک کچے راستے پر لگائے گئے کھمبوں پر سے ہوتی ہوئی شہر کی طرف جاتی ہے۔ اسے تو ہم آسانی سے کسی بھی جگہ سے کاٹ ڈالیں گے۔"

"ہمیں دو مضبوط قابل اعتبار اور اچھی حالت والی جیپیں درکار ہوں گی۔ ایک جیپ اگر اسٹارٹ نہ ہوئی تو ہم دوسری جیپ پر آجائیں گے۔" کانتی لعل کہنے لگا۔

"ان کا بھی بندوبست ہو جائے گا دادا۔ ایک جیپ تو میرے پاس موجود ہے۔ دوسری جیپ میں جس وقت تم حکم دو گے شہر جا کر لے آؤں گا" بھوپت نے ویرم اور بھابھا کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔

"میرا خیال ہے ہمیں کل رات کا انتظار نہیں کرنا چاہئے۔ ہمیں آج رات ہی حملہ کر دینا ہو گا۔ تمہارا کیا خیال ہے کانتی لعل؟" کانتی لعل نے کندھے اچکا کر کہا۔

"جو تمہاری مرضی دادا۔ سب کچھ تیار ہے میں دوسری جیپ کا ابھی بندوبست کرتا ہوں۔"

"بندوبست نہیں کانتی!" بھوپت نے اپنے خاص کرخت لہجے میں کہا۔

"جیپ ساتھ لے کر آنا۔"

"ایسا ہی ہو گا دادا!" یہ کہہ کر کانتی چپ ہو گیا۔ بھوپت نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"مجھے اسلحہ دکھاؤ۔" کانتی لعل سارے ڈاکوؤں کو گودام میں لے گیا۔ شراب کے ڈرموں کے پیچھے سے اس نے ایک بوری باہر نکالی اس میں سات ٹامی گنیں' فائف تھری ناٹ تھری کی رائفلیں' گولیاں اور دو پستول تھے۔ بھوپت نے سارے اسلحے کا غور سے معائنہ کیا۔ ایک ایک رائفل کو لوڈ کر کے دیکھا۔" ہمارے پاس ریوالور موجود ہیں ان میں سے ہم ایک ایک ٹامی گن اپنے پاس رکھیں گے کانتی تم ابھی جا کر دونوں جیپیں لے آؤ۔ ویرم تمہارے ساتھ جائے گا۔ ہم اس جگہ سے رات کو قلعے پر دھاوا بولیں گے۔" کانتی تم ابھی جا کر دونوں جیپیں لے آؤ۔ ویرم تمہارے ساتھ جائے گا۔ ہم اس جگہ سے رات کو قلعے پر دھاوا بولیں گے۔" کانتی لعل نے ویرم کو ساتھ لیا اور نکل گیا۔ اس کے جانے کے بعد بھوپت نے ایک بار پھر نقشے کو غور سے دیکھا۔ سانولیا اور بھابھا بھی اس کے پاس ہی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھے۔ بھوپت کہنے لگا۔

"سانولیا! تم اپنی نگرانی میں ٹیلی فون کے تار کاٹو گے۔ بھابھا تم گٹر کی جالی کاٹو گے۔ میں تمہارے آگے آگے چلونگا۔ باقی موقع پر آرڈر دوں گا۔ ٹھیک ہے؟"

"ٹھیک ہے دادا!" سانولیا اور بھابھا نے یک زبان ہو کر کہا۔ انہوں نے اسلحہ کی بوری گودام سے باہر نکال لی اور دن کی روشنی میں ٹامی گنوں کی صفائی کرنے لگے۔ بھوپت نے ویرم سے پوچھا۔

"تمہیں یقین ہے کہ شیر خان اس قلعے کے تہہ خانے میں بند ہے ویرم؟" ویرم بڑا قابل اعتبار ساتھی تھا کہنے لگا۔

"دادا! میں نے اسے اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا۔ دیکھتا تو بھی اسے پہچان نہیں سکتا تھا کیونکہ میں نے اسے پہلے کبھی نہیں دیکھا لیکن ایک آدمی کو میں نے کانتی لعل کے سامنے یہ کہتے سنا ہے کہ سب سے آخری تہہ خانے میں ایک پاکستانی جاسوس قید ہے جو نوجوان ہے اور جس کو شیرا شیرا کہہ کر بلایا جاتا ہے۔" بھوپت خاموش ہو گیا۔ ایک گھنٹے بعد ویرم اور کانتی لعل دو جیپوں میں سوار وہاں آ گئے۔ بھوپت نے جیپوں کے انجن چیک کیے۔ انہیں ایک بار پھر تیل دیا گیا۔ دونوں جیپیں اوپر سے بند تھیں۔ اتنی دیر میں آسمان پر بادل آنا شروع ہو گئے۔ بھوپت نے آسمان کی طرف دیکھا۔ بھابھا کہنے لگا۔

"دادا! اگر بارش ہو گئی تو.....؟" بھوپت نے بھابھا کی طرف غصیلی نگاہوں سے دیکھ کر کہا۔

"بارش ہو گئی تو پھر کیا ہو جائے گا؟" بھابھا آگے سے کچھ نہ بولا۔ رات کا کھانا بھی ان پانچوں نے اسی باغیچے میں بیٹھ کر کھایا۔ کانتی لعل نے وہاں لالٹین روشن کر رکھی تھی۔ رات کے گیارہ بجے تک وہ اس جگہ بیٹھے اپنے منصوبے پر غور کرتے اور باتیں کرتے رہے۔ ٹھیک ساڑھے گیارہ بجے بھوپت اٹھ کھڑا ہوا رائفل کاندھے سے لٹکائی اور بولا۔

"چلو میرے شیرو! آج کی رات کامیابی ہمارے قدم چومے گی۔ تم نے ہر مشکل میں جان کی پروا کیے بغیر میرا ساتھ دیا ہے آج بھی مجھے تمہاری ضرورت ہے۔" سب نے یک زبان کہا۔

"ہم تمہارے ساتھ ہیں دادا۔"

یہ پانچوں چار ڈاکو اور ایک سابق ڈاکو اور راہنما یعنی کانتی لعل دونوں جیپوں میں سوار ہو گئے آگے آگے کانتی لعل کی جیپ تھی' وہ اپنے ساتھی ڈاکوؤں کو راستہ دکھا رہا تھا اس نے جو راستہ چنا تھا وہ شہر کے باہر سے ہو کر قلعے والی ٹیکری کو جاتا تھا۔ یہ راستہ کانتی لعل کا دیکھا بھالا تھا' رتلام شہر کی عمارتیں اور ان کی روشنیاں بائیں جانب کافی دور دور تھیں اور مزید دور دور ہوتی جا رہی تھیں ان کی جیپیں ایک طرف گھومی تو دور اونچا ٹیلہ مہیب سیاہ دیو کی طرح نظر آ گیا۔ بھوپت ڈاکو کانتی لعل کی جیپ میں اس کے ساتھ والی سیٹ پر بیٹھا تھا۔ کانتی نے سامنے کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"دادا! یہ وہ ٹیکری ہے اور وہ جو روشنی دیکھ رہے ہو یہ قلعے کی اوپر والی بارک کے باہر رات بھر جلتی رہتی ہے۔" بھوپت نے کہا۔

"ٹیلی فون کے تار کہاں سے گزرتے ہیں؟" کانتی لعل بولا۔ "ابھی بتاتا ہوں۔"

جیپیں ٹیکری کے پیچھے آ کر ایک چھوٹی سی سڑک پر ایک طرف کھڑی ہو گئیں کانتی لعل بھوپت اور دوسرے ڈاکو بھی جیپوں سے اتر آئے۔ کانتی لعل نے چند قدم چل کر اوپر اشارہ کیا۔ وہاں تھوڑے تھوڑے فاصلے پر کھمبے لگے ہوئے تھے جن کے ساتھ تاریں بندھی ہوئی تھیں۔ کانتی بولا۔

"دادا! یہ دونوں تار قلعے والی جیل کے ٹیلی فون کے ہیں۔" بھوپت نے بھابھا کو اشارہ کیا اس نے جیب میں سے پلاس نکالا اور بندر کی طرح تیزی سے کھمبے پر چڑھ کر ٹیلی فون کے تار کاٹ ڈالے۔ پانچوں آدمی جیپوں میں سوار ہوئے اور کانتی لعل نے ٹیکری کے پیچھے اونچی پتھریلی دیوار کے ساتھ ساتھ جیپ کو آگے بڑھایا' پھر ایک جگہ جیپوں کو روک کر انجن بند کر دیے گئے۔ بھوپت کانتی لعل کے قریب آ گیا۔ یہاں اندھیرا تھا۔ آسمان بادلوں سے ڈھکا ہوا تھا اور تاروں کی دھیمی روشنی بھی نہیں تھی مگر ان ڈاکوؤں کی آنکھیں اندھیرے میں دیکھنے کی عادی تھیں جب کہ کانتی لعل کو معلوم تھا کہ قلعے کی جیل کا گٹر کس مقام پر گرتا ہے وہ بھوپت کو اسی جگہ لے آیا تھا۔ بھوپت نے دیکھا کہ اس کے سامنے ایک چکور سا گڑھا تھا جس میں قلعے کی دیوار سے پانی گر رہا تھا۔ کانتی اور بھوپت وہیں بیٹھ گئے کانتی نے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گٹر کی طرف اشارہ کیا۔ بھوپت نے بھابھا کو آہستہ سے کہا۔

"نیچے اتر کر گٹر کی جالی کاٹ ڈالو" بھابھا پلاس لے کر جھلار میں اتر گیا۔ اس نے دونوں پاؤں گٹر کے نیچے ایک جگہ جمائے اور گٹر کے منہ پر لگی تاروں کی جالی کاٹنی شروع کر دی۔ بھابھا اپنے کام کا ماہر تھا مگر یہ جالی کچھ زیادہ ہی مضبوط تھی۔ بھابھا دیر تک زور لگاتا رہا اوپر سے بھوپت نے دھیمے مگر سخت لہجے میں پوچھا۔

"دیر کیوں لگا رہے ہو؟ کیا بات ہے؟" نیچے سے بھابھا کی آواز آئی۔

"سب ٹھیک ہے دادا جالی سخت ہے۔" بادلوں میں ہلکی سی گرج کی آواز سنائی دی۔

بھوپت نے آسمان کی طرف دیکھا وہ نہیں چاہتا تھا کہ ابھی بارش ہو بارش کی وجہ سے اس کی مہم میں کچھ رکاوٹ پیدا ہو سکتی تھی۔ اگرچہ وہ اب پیچھے مڑنے والا نہیں تھا۔ بھابھا نے جالی ایک طرف سے آدھی کاٹ ڈالی اور منہ اوپر کر کے آہستہ سے بولا ...." دادا سب ٹھیک ہے آجاؤ۔" بھوپت نے کانتی لعل سے کہا۔

"کانتی! تم جیپوں کے پاس اسی جگہ رہو گے میں آدمی لے کر اندر جاتا ہوں۔" کانتی لعل نے کہا۔

"بھگوان تمہیں کامیاب کرے دادا۔" بھوپت نے دل میں دہرایا۔

"خدا میرے ساتھ ہے۔" اور جھلار میں اتر گیا گٹر میں ایک بڑی نالی کی طرح پانی بہ کر جھلار میں گر رہا تھا بھابھا گٹر کی کٹی ہوئی جالی سے ایک طرف کھڑا تھا بھوپت نے اس سے پلاس لے کر اوپر کانتی لعل کی طرف اچھال دیا اور جھک کر گٹر میں داخل ہو گیا۔ گٹر میں سیل اور تاریکی تھی اس کے پیچھے بھابھا ویرم اور سانولیا چلا آ رہا تھا۔ ٹامی گنیں ان کے کاندھوں سے لٹک رہی تھیں - - - - - - - - - - وہ گٹر کی چھت کو تھام کر چل رہے تھے۔ گٹر کی فضا متعفن تھی مگر سامنے سے تازہ ہوا بھی برابر آ رہی تھی۔ جس سے انہیں راستہ طے کرنے میں زیادہ دقت محسوس نہیں ہوئی تھی۔ ایک جگہ ہوا ٹھنڈی ہو گئی تو اسے احساس ہوا کہ گٹر کا منہ اب زیادہ دور نہیں رہا۔ اس نے اپنی رفتار تیز کر دی۔ جہاں گٹر ختم ہوا وہاں نیچے ایک چوکور حوض میں گندا پانی جمع ہو کر گٹر کے ذریعے قلعے

سے باہر جاتا تھا۔ اس مقام پر کانتی کے کہنے کے مطابق لوہے کی ایک سیڑھی اوپر جا رہی تھی۔ بھوپت نے ہاتھ سے اپنے ساتھیوں کو چلے آنے کا اشارہ کیا اور لوہے کے زینے کو طے کر کے باہر نکل آیا۔ باہر آتے ہی وہ ایک طرف ہو کر بھربھری زمین پر بیٹھ گیا۔ اس کے پیچھے پیچھے دوسرے ساتھی بھی باہر نکل آئے اور وہیں زمین پر بیٹھ گئے۔ صافوں سے انہوں نے اپنے منہ سر پونچھے اور بھرے ہوئے ریوالور نکال کر ہاتھوں میں پکڑ لئے۔ سانولیا بھوپت کے قریب آگیا دونوں سامنے قلعے کی اونچی عمارت کو دیکھ رہے تھے جہاں ایک بلب اوپر والی بارک میں روشن تھا اور دوسرا بلب قلعے کی جیل کے گیٹ پر جل رہا تھا بھوپت نے سرگوشی میں کہا۔

"سانولیا! کیوں رے گیٹ کی طرف سے جائیں کہ پیچھے سے کوئی راستہ تلاش کریں؟" سانولیا بولا۔

"دادا کانتی لعل نے کہا تھا گیٹ کی طرف سے جانا خطرناک ہو سکتا ہے۔" بھوپت نے کہا۔

"پیچھے کونسی کھڑکی ہمارے لئے کھلی ہو گی ہم گیٹ ہی کی طرف سے چلیں گے ہمارے پاس کافی اسلحہ ہے مگر جب تک میں گولی نہ چلاؤں کوئی شخص فائر نہیں کرے گا سمجھے۔" پھر اس نے ریوالور جیب میں رکھ لیا اور بڑا چاقو کھول کر ہاتھ میں مضبوطی سے پکڑ لیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"سانولیا یہاں چاقو زیادہ ٹھیک رہے گا تم بھی چاقو نکال لو' ویرم اور بھابھا تم ٹامی گنیں ہی پکڑے رہنا اور چار قدم کا فاصلہ رکھ کر پیچھے آنا۔" اب انہوں نے جھک کر قلعے کے جیل والے گیٹ کی طرف چلنا شروع کیا۔ جب انہیں جیل کے گیٹ پر پہرہ دیتے دونوں سپاہیوں کے ہیولے بجلی کی روشنی میں صاف نظر آنے لگے تو بھوپت کے اشارے سے وہ زمین پر اوندھے لیٹ گئے اور کہنیوں کے بل آگے کھسکنے لگے۔ جب ان کے اور پہریداروں کے درمیان تھوڑا فاصلہ رہ گیا تو بھوپت رک گیا۔ اس نے غور سے دائیں بائیں دیکھا۔ ایک طرف کوئی دفتر تھا جس کے برآمدے میں بتی جل رہی تھی اس کے اوپر چبوترے پر بھی کسی دفتر کا برآمدہ تھا وہاں بھی روشنی ہو رہی تھی مگر پہریدار یا سپاہی کوئی نہیں تھا۔ بھوپت نے سانولیا کے کان میں سرگوشی کی۔

"یہ پولیس کی نفری کہاں ہے؟" سانولیا نے جواب میں سرگوشی کی۔

"میرا خیال ہے سپاہی بارک میں سو رہے ہیں صرف رات کی ڈیوٹی والے لوگ ہی جاگ رہے ہیں۔" دو کانسٹیبل یہاں سے دور قلعے کی دیوار کے باہر بڑے گیٹ پر پہرہ دے رہے تھے۔ بھوپت اپنے ساتھیوں کو لے کر جس گیٹ پر آگیا تھا وہ قلعے کی جیل کا دروازہ تھا۔ یہ دروازہ بھی لوہے کی موٹی موٹی سلاخوں والا تھا دونوں سپاہی ایک دوسرے کے سامنے دروازے کی دونوں جانب اسٹولوں پر بیٹھے بیڑیاں پیتے ہوئے باتیں کر رہے تھے ان کی باتیں کرنے کی آواز بھوپت اور اس کے ساتھیوں کو برابر سنائی دے رہی تھیں ان کے پاس رائفلیں تھیں جو انہوں نے اپنے کاندھوں کے ساتھ لگا رکھی تھیں۔

بھوپت نے سانولیا کو ایک طرف جانے کا اشارہ کیا۔ سانولیا سمجھ گیا کہ بھوپت کی

حکمت عملی کیا ہے۔ وہ اندھیرے میں زمین پر رینگ رینگ کر ایک ٹیلے کے عقب سے ہو کر دروازے کی دوسری طرف آگیا بھوپت نے اپنے پیچھے بھابھا اور ویرم کو ہاتھ سے اشارہ کیا جس کا مطلب تھا کہ تم لوگ اسی جگہ لیٹے رہو۔ بھوپت خود رینگتے ہوئے آگے بڑھا بادل ایک بار پھر گرجے پہریدار سپاہیوں نے آسمان کی طرف دیکھا اور ہنس ہنس کر باتیں کرنے لگے۔ اتنی دیر میں سانولیا دوسری طرف والے پہریدار کے بالکل عقب میں پہنچ گیا اور بھوپت کی طرف سے سگنل کا انتظار کر رہا تھا۔ بھوپت بڑی آہستگی سے رینگ رینگ کر اس طرف والے پہریدار کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اب اس کے اور پہریدار کے درمیان صرف پندرہ فٹ کا فاصلہ رہ گیا تھا ان کے آگے بجلی کی روشنی تھی۔ اگر وہ ایک قدم آگے بڑھتا ہے تو پہریدار اسے دیکھ سکتا تھا۔ بھوپت کو اس جگہ سے دشمن پر اچانک حملہ کرنا تھا۔ اب بھوپت کو ایک خاص سگنل کی آواز کے ساتھ اچانک اپنی طرف والے پہریدار پر جھپٹنا تھا جب کہ اس آواز کو سنتے ہی سانولیا نے دوسری طرف کے پہریدار کو جھپٹ کر موت کے گھاٹ اتارنا تھا ان کاموں کے یہ دونوں ڈاکو ماہر تھے انسانوں کے گلے یہ اتنی آسانی سے کاٹ ڈالتے تھے کہ کوئی گاجر مولی بھی کیا ہی کاٹتا ہو گا وہ منصوبے کے مطابق کام انجام پا رہا تھا کہ نہ جانے کیسے ایک سپاہی کی نظر بھوپت پر پڑ گئی اسے دس پندرہ فٹ کے فاصلے پر اندھیرے میں ایک انسانی سر ہلتا ہوا نظر آگیا وہ جلدی اسٹول پر سے اٹھا اور دوسرے لمحے اپنی رائفل تان کر بولا۔

کون ہے؟" یہ دیکھ کر اس کے سامنے والا پہریدار سپاہی بھی ہوشیار ہو گیا بھوپت نے اپنا سر پیچھے کر لیا مگر اب وقت گزر چکا تھا۔ سامنے والے سپاہی نے اندھیرے میں انسانی سر کو پیچھے کھسکتا دیکھا تو فائر جھونک دیا رات کے سناٹے میں رائفل کے فائر کا دھماکہ گونجا تو جیل کے دوسرے پہریدار سپاہی خبردار ہو گئے بھوپت نے چاقو ایک طرف پھینکا اور ریوالور نکال رہا تھا کہ اس پر دوسرا فائر آگیا۔ گولی اس بار بھی اس کے قریب زمین میں دھنس گئی۔ بھوت نے چلا کر کہا۔

"ارے سانولیا! کس ماں ..... کا انتظار کر رہا ہے رے؟"

سانولیا کی طرف دونوں پہریدار سپاہیوں کی پشت تھی بھوپت کی آواز پر سپاہیوں نے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اندھا دھند فائر کرنے شروع کر دیے اس دوران سانولیا نے ریوالور نکال لیا تھا اس نے وہیں سے نشانہ لے کر گولی چلا دی پہلا پہریدار آگے گرا پھر دوسرے پر فائر کیا دوسرا سپاہی زخمی ہو کر گرا جیل کی دوسری منزل پر سپاہیوں کے بھاگنے دوڑنے اور ہوائی فائر کرنے کی آوازیں آنے لگیں اس کے ساتھ ہی خطرے کا الارم چیخ اٹھا بھوپت دوڑ کر جیل کے دروازے پر آگیا اس کے ہاتھ میں ریوالور تھا - وہ پیچھے مڑ کر بھابھا اور ویرم کی طرف مخاطب ہو کر بلند آواز میں کہنے لگا

"ارے یہیں ڈٹے رہنا کوئی اندر آئے تو اسے بھون کر رکھ دینا۔" اس کے جواب میں ویرم اور بھابھا نے ٹامی گنوں کی ایک باڑ فضا میں فائر کر دی ٹامی گن کی فائرنگ کے تڑاکوں سے رات کی خاموشی میں شگاف پڑتے چلے گئے۔ سانولیا نے لوہے کے دروازے پر جو تالا پڑا تھا اس پر فائر کیا تالا ٹوٹ گیا دونوں نے لات مار کر دروازے کو کھولا اور زینہ اتر ہی رہے تھے کہ راہداری میں جو دو سپاہی گارڈ ڈیوٹی پر تھے انہوں نے اوپر تلے چھ سات فائر کر دیے بھوپت اور سانولیا نے زینے پر سے راہداری میں چھلانگیں لگا دیں اور فرش پر لیٹ کر سامنے کی جانب گولیاں برسانی شروع کر دیں۔ راہداری آگے سے بند تھی دونوں سپاہیوں کو انہوں نے بھون کر رکھ دیا۔ باہر سے رائفل کے فائروں اور ٹامی گن کی تڑاتڑ کی برابر آوازیں آرہی تھیں بھوپت راہداری کے آخری تہہ خانے کی طرف دوڑا تہہ خانے کے سلاخ دار دروازے پر بھی تالا تھا اس نے گولی مار کر تالا توڑ دیا جھانک کر اندر دیکھا اور بلند آواز میں پوچھا۔

"ارے تم شیر خان ہو؟" ایک نوجوان لڑکا بوریے پر سے اٹھ کھڑا ہوا وہ کمزور آواز میں بولا۔

"ہاں میرا نام شیر خان ہے؟"

"تو پھر باہر آجاؤ ہمیں روبی نے تمہیں نکالنے کے لئے بھیجا ہے۔" یہ کہہ کر بھوپت نے شیر خان کو بازو سے پکڑ کر باہر کھینچ لیا اور اسے کھینچتا ہوا راہداری کے زینے کی طرف دوڑا سانولیا آگے آگے تھا کہنے لگا۔

"دادا! باہر پولیس مقابلہ ہو رہا ہے دیکھ کے نکلنا۔"

بھوپت نے کہا۔

"ارے ڈرتا کیوں ہے رے شیر بن پولیس مقابلہ ہمارے لئے کوئی نئی چیز نہیں ہے۔" پھر شیر خان کی طرف پلٹ کر بولا۔

"سنا ہے تم بڑے بہادر لڑکے ہو ان لوگوں نے تم پر بڑا ظلم کیا ہے مگر بیٹا اب بہادری نہ دکھائی تو تمہاری لاش یہیں تڑپتی رہ جائے گی چلو" شیر خان کے لئے یہ سب کچھ اچانک ہی ہو گیا تھا مگر روبی کے نام سے وہ سنبھل بھی گیا اور سمجھ بھی گیا کہ روبی نے ضرور کوئی زبردست چکر چلایا ہے۔ سیڑھیاں چڑھ کر وہ آخری زینے پر بیٹھ گئے۔ باہر اندھا دھند فائرنگ ہو رہی تھی سانولیا نے غور سے سامنے کی طرف دیکھا اور کہا

"دادا! ہمارے آدمی زیادہ فائرنگ کر رہے ہیں لگتا ہے انہوں نے کئی پولیس والے مار گرائے ہیں۔" بھوپت نے غور کیا تو ٹامی گن کے فائر برابر ہو رہے تھے اس کے مقابلے میں رائفلوں کے فائر کم سنائی دیتے تھے بھوپت سر تھوڑا سا باہر نکال کر چلایا۔

"ارے ویرم! خبردار رے ہم باہر آرہے ہیں" پہلو کی جانب سے ویرم کی للکار سنائی دی۔

"دادا آجاؤ مگر لیٹ کر آنا۔" بھوپت اور سانولیا زینے سے باہر نکلتے ہی ایک طرف کو دوڑے اور پھر ایک دم سے زمین پر گر پڑے شیر خان سمجھا کہ شاید اس کے محسنوں کو گولی لگ گئی ہے مگر ایسی بات نہیں تھی۔ بھوپت چلایا

"ارے شیر خان ہمارے ساتھ رینگتا ہوا چلا آرے۔"

کہنیوں کے بل بڑی تیزی سے لیٹے اور سانپ کی طرح لہرا لہرا کر رینگ کر بھوپت ڈاکو سانولیا اور شیر خان جیل کے دروازے کی روشنی سے نکل کر اندھیرے میں اس مقام پر آگئے جہاں ایک جگہ آڑ میں لیٹے ویرم اور بھابھا سامنے کی جانب پولیس کی بارک پر فائرنگ کر رہے تھے بھوپت نے اپنا ریوالور شیر خان کو دے دیا اور خود رائفل لے لی اور سانولیا سے کہا۔

"ادئے اب ہم قلعے کے بڑے گیٹ سے نکلیں گے۔ جو ہو گا دیکھا جائے گا ویرم! کتنے آدمی مارے ہیں؟" ویرم نے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"دادا! بہت سے بھونے ہیں مگر بڑے گیٹ کی طرف سے گولیاں آرہی ہیں۔" بھوپت بولا۔

"اسے ہم سنبھال لیں گے تم دونوں ہمارے اوپر سے فائرنگ کرتے پیچھے پیچھے چلے آؤ۔" یہ کہہ کر بھوپت نے شیر خان کے کندھے پر زور سے ہاتھ مار کر کہا۔

"اب شیر بن کر دکھانا۔" وہ دوڑ کر اندھیرے میں قلعے کی سامنے والی دیوار کے ساتھ آگئے یہاں سے ڈھلانی راستہ نیچے قلعے کے بڑے گیٹ کی طرف جاتا تھا جو بند تھا جیل کا الارم ابھی تک چیخ رہا تھا۔ اگر بھوپت نے ٹیلی فون کے تار نہ کٹوا دیے ہوتے تو اب تک شہر سے پولیس کی بھاری کمک وہاں پہنچ چکی ہوتی سانولیا نے بھوپت کو آہستہ سے کہا۔

"دادا میں آگے جاتا ہوں۔" یہ کہہ کر وہ کہنیوں کے بل تیزی سے رینگتا ہوا گیٹ کی دیوار کی طرف نکل گیا۔ پیچھے جیل کی دوسری منزل والی بارک سے سپاہیوں کی ایک دوسرے کو گھبرائی ہوئی آوازیں سنائی دینے لگی اور فائر کرنے کی آوازیں برابر آرہی تھیں کسی وقت پیچھے منہ کر کے ویرم اور بھابھا ٹامی گن کی ایک باڑ مار دیتے تھے بھوپت کے پیچھے شیر خان رینگتا ہوا آرہا تھا۔ بھوپت نے پستول اس کی طرف پھینک دیا۔ شیر خان نے بھی فائرنگ شروع کر دی۔ سانولیا اس دوران فرش پر کھسکتا قلعے کے بڑے گیٹ کے پاس اس جگہ پہنچ گیا جہاں زمین پر لیٹے فائرنگ کرتے دونوں سپاہی اس کو نظر آنے لگے تھے سانولیا نے دونوں کو باری باری ٹھنڈا کر دیا اس کے ساتھ ہی وہ اٹھتے ہی چلایا۔

"دادا چلے آؤ۔" بھوپت اور شیر خان قلعے کے دروازے کی طرف دوڑے تھوڑی دیر بعد وہ قلعے سے باہر تھے قلعے کے اوپر والی بارک سے پولیس کا فائر آرہا تھا یہ لوگ دیوار کے ساتھ لگ کر جیپوں کی طرف دوڑ پڑے بادل گرجے اور ایک دم سے بارش شروع ہو گئی کانتی لعل جیپوں کے پاس بے چینی سے ٹہل رہا تھا گولیاں چلنے کی آواز سے وہ سمجھ گیا تھا کہ پولیس مقابلہ ہو رہا ہے اندھیرے میں اس نے کچھ لوگوں کو اپنی طرف بھاگ کر آتے دیکھا سب سے پہلے بھوپت اور شیر خان آئے بھوپت نے شیر خان کو جیپ میں بٹھایا اور کانتی لعل سے کہا....." تم اسے لے کر یہاں سے نکل جاؤ اور گودام میں پہنچو میں باقی آدمیوں کو لے کر آتا ہوں جلدی کرو۔"

کانتی لعل اسی وقت شیر خان کو لے کر جیپ نکال کر لے گیا۔ دوسرے لمحے وہاں ویرم بھابھا اور سانولیا بھی آگئے سانولیا ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا باقی چھلانگیں لگا کر جیپ میں سوار ہو گئے جیپ پوری تیزی سے ایک طرف روانہ ہو گئی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بارش اور رات کی تاریکی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے کانتی لعل بڑی جلدی جیپ کو خطرے کے مقام سے نکال کر لے گیا تھا اس نے شیر خان کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"فکر نہ کرو۔ پولیس اب تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔"

شیر خان نے تشکرانہ انداز میں اس کی طرف دیکھا اور کہا۔

"اگر آپ لوگ نہ آتے تو میں وہاں سے نہیں نکل سکتا تھا۔" کانتی نے اپنی مونچھوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

"ارے بچو! ہمیں تو آنا ہی تھا۔" شیر خان کو ابھی تک یہ علم نہیں تھا کہ اس کو وہاں سے نکالنے والا انڈیا کا مشہور اور بہادر ڈاکو بھوپت ہے۔ جیپ بارش اور اندھیرے میں بھاگی جا رہی تھی پولیس کی گارڈ بھی ان کی تلاش میں نکل آئی تھی' مگر یہ لوگ پولیس کی پہنچ سے دور نکل چکے تھے گودام کے باہر کانتی لعل نے جیپ روک کر ایک طرف کھڑی کی اور شیر خان کو گودام کے اندر ایک جگہ بٹھا دیا تھوڑی دیر بعد' بھوپت بھی اپنے آدمیوں کے ساتھ وہاں پہنچ گیا۔ وہ آتے ہی بولا۔

"کانتی! اب ہمارا یہاں رہنا مناسب نہیں ہم شیر خان کو لے کر راتوں رات اپنے ڈیرے کی طرف نکل جانا چاہتے ہیں۔ پیچھے اگر پولیس آئی تو تم جانتے ہی ہو تمہیں کیا کرنا ہو گا۔"

کانتی لعل کہنے لگا۔

"دادا! تم فکر کیوں کرتے ہو تمہارے واسطے تو جان بھی حاضر ہے۔" بھوپت نے اپنے چوڑے سرخ رومال سے چہرہ صاف کرتے ہوئے کہا۔

"مجھے تمہاری جان کی ضرورت نہیں ہے کانتی مجھے اس بات کی ضرورت ہے کہ تم پولیس کو غلط راستے پر ڈال دو۔"

کانتی بولا۔

"ایسا ہی ہو گا دادا! تم نکل جاؤ۔" وہ سب ایک ہی جیپ میں گھس کر بیٹھ گئے بارش اس طرح موسلادھار ہو رہی تھی۔ رتلام شہر کے گلی کوچوں میں بارش کا پانی بہہ رہا تھا ڈاکوؤں کی جیپ شہر سے ہٹ کر ویران علاقے سے گزرتی ہوئی چلی جا رہی تھی۔ انہوں نے ریلوے پھاٹک پار کیا اور جیپ کچے راستے پر آ گئی جو کھیتوں کے بیچ میں سے جاتا تھا آدھے گھنٹے کے بعد کھیتوں کے پار جیپ اس جگہ آ کر رک گئی جہاں سے گھنے جنگل کا سلسلہ شروع ہو جاتا تھا بھوپت سمیت سارے ڈاکو اور شیر خان وہاں اتر پڑے بھوپت نے کانتی سے کہا۔

"اب تم جاؤ اور تمہارا کام ختم' ہم جاتے ہیں۔" بھوپت نے شیر خان کو ساتھ لیا اپنے ساتھیوں کو اشارہ کیا اور تاریک رات کے پچھلے پہر موسلادھار بارش میں گنجان اندھیرے جنگل میں داخل ہو گئے۔ جنگل میں آتے ہی بھوپت نے اطمینان کا سانس لیا جنگل میں آتے ہی بھوپت کو تحفظ کا احساس ہوا جنگل نے بھوپت کا ہمیشہ ساتھ دیا تھا اور اسے اپنے دامن میں پناہ دی تھی۔ وہ بھی جنگل سے بڑی محبت کرتا تھا اور اس کے چپے چپے سے واقف تھا۔ جنگل بھوپت ڈاکو کی اور بھوپت ڈاکو جنگل کی زبان جانتا تھا۔ مسلسل چلتے چلے جانے کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ صبح کی روشنی پھیلنے کے ساتھ ہی ایک ویران دیہاتی اسٹیشن پر پہنچ گئے وہاں سے انہوں نے ایک پسنجر ٹرین پکڑی اور کھیدا آ گئے اس وقت تک دن کے گیارہ بج چکے تھے اور بارش بھی تھم گئی تھی بھوپت ڈاکو اور اس کے ساتھی بڑے چوکس ہو کر سفر کر رہے تھے کھیدا ریلوے اسٹیشن سے وہ ایک بار پھر جنگل میں داخل ہو گئے مگر یہ ان کا اپنا جنگل تھا جہاں بھوپت کا ڈیرا تھا۔

جس وقت ڈاکوؤں کی یہ پارٹی اپنے ڈیرے پر پہنچی سورج کی روشنی مغربی افق پر بادلوں کے پیچھے سمٹ رہی تھی۔۔ ڈیرے میں بھوپت کے آدمیوں کے آنے کا شور ہوا تو روبی کوٹھری سے باہر آ گئی اس کی نگاہیں شام کے ملگجی اندھیرے میں شیر خان کو تلاش کر رہی تھیں اور شیر خان بھی روبی کے چہرے کو ڈھونڈ رہا تھا دوسرے لمحے ان دونوں نے ایک

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دوسرے کو دیکھ لیا۔ بھوپت شیر خان کو لے کر روبی کے پاس آیا اور بولا۔

"یہ لو بیٹی تمہاری امانت لے آیا ہوں۔"

روبی اور شیر خان کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا۔ بھوپت یہ کہہ کر وہاں سے ہٹ گیا کہ تم دونوں بیٹھ کر باتیں کرو کھانا اور چائے تیار ہونے لگی شیر خان اور روبی کوٹھری کے باہر چارپائی پر بیٹھے باتیں کرنے لگے شیر خان نے پہلا سوال جو روبی سے کیا یہ تھا کہ یہ لوگ کون ہیں؟ روبی نے اسے سب کچھ بتا دیا اور شروع سے لے کر آخر تک اپنی ساری کہانی بیان کر دی کہ وہ کس طرح راجستھان میں بدکردار رانا جے سنگھ کو قتل کر کے بھاگی اور پھر کیسی کیسی پریشانیاں اٹھانے کے بعد بھوپت ڈاکو کی پناہ میں آئی اور پھر اس نے اسے اپنی بیٹی کیسے بنایا شیر خان بولا۔

"بھوپت جس طرح مجھے وہاں سے نکال کر لایا ہے مجھے اب تک یقین نہیں آرہا۔" روبی نے کہا۔

"مجھے یقین ہے بھوپت اب ہمیں انڈیا کا بارڈر کراس کروا کر پاکستان بھی پہنچا دے گا۔" شیر خان نے رازداری سے کہا۔

"مگر روبی! میں نے جودھ پور کی کچی آبادی والی مسجد کے قبرستان میں جو دولت ڈالروں کی شکل میں چھپا دی تھی اس کا کیا بنے گا کیا وہ ہم انڈیا میں ہی چھوڑ جائیں گے؟ اسی کی مدد سے تو میں پاکستان جا کر کوئی اچھا سا کاروبار شروع کرنا چاہتا ہوں۔" روبی سوچنے لگی۔ پھر بولی۔

"ہم اس کا ذکر بھوپت سے ضرور کر دیں گے ہو سکتا ہے وہ یہ رقم نکلوانے کے لئے اپنے کسی آدمی کو وہاں بھیج دے مجھے اس نے بیٹی بنا لیا ہے میری خاطر بڑے سے بڑا خطرہ بھی مول لے سکتا ہے۔" شیر خان نے کہا۔

"روبی تم خوش قسمت ہو کہ تمہیں یہاں بھوپت ڈاکو ایسا عظیم انسان مل گیا۔ ذرا سوچو اگر یہ شخص تمہیں نہ ملتا تو ہم اس وقت نہ جانے کہاں ہوتے۔" سامنے سے بھوپت رائفل کاندھے سے لٹکائے ان کی طرف آیا وہ مسکراتے ہوئے بولا۔

"ویرم چائے لایا ہے جب تک روٹیاں بھی پک جائیں گی۔ بھئی تم مسلمان ہو اور

گوشت کھاتے ہو میں بھی گوشت بڑے شوق سے کھاتا ہوں اس وقت ہانڈی میں مرغے ہی پک رہے ہیں۔" وہ ہنستا ہوا چارپائی پر بیٹھ گیا۔ تب روبی نے بھوپت کو مسجد کے قبرستان میں چھپائی گئی رقم کے بارے میں ساری بات بیان کر دی۔ بھوپت بائیں ہاتھ کی انگلیوں سے اپنی مونچھیں مروڑ رہا تھا بولا۔

"یہ کوئی مشکل بات نہیں ہے شیر خان تم میرے آدمی کو قبر کا ٹھیک ٹھیک نشان بتا دینا وہ وہاں سے رقم نکال کر لے آئے گا۔" شیر خان بولا۔

"دادا! اس کے بعد ہم جتنی جلدی ہو سکے پاکستان پہنچ جانا چاہتے ہیں کیا آپ کے آدمی ہمیں بارڈر پار کرا دیں گے۔" تو بھوپت ہنسا شیر خان کے کندھے پر ہاتھ مار کر بولا۔

"گھبراتے کیوں ہو یار تم میری بیٹی کے منگیتر ہو اور اس حساب سے میرے ہونے والے داماد ہو تمہارے لئے تو میری جان بھی حاضر ہے اطمینان رکھو میں خود تم کو پاکستان کے علاقے میں چھوڑ آؤں گا۔" روبی اور شیر خان کے چہرے خوشی سے کھل گئے ویرم گلاسوں میں چائے لے آیا بھوپت نے ویرم کو اپنے سامنے زمین پر بٹھا لیا اور شیر خان سے کہا۔

"بیٹا اسے سمجھاؤ قبرستان والی وہ قبر کہاں ہے جس کے اندر تم نے رقم چھپائی تھی۔" شیر خان بولا۔

"دادا!" بھوپت نے وہیں شیر خان کو ٹوک دیا اور کہا۔

"تم مجھے بابا جان ہی کہا کرو' تم بھی میرے بیٹے ہو۔" شیر خان نے بھوپت کو بابا جان کے القاب سے ہی مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"ویرم کو قبر کا پتا نہیں چل سکے گا مجھے اس کے ساتھ جانا ہو گا۔"

بھوپت غور کرنے لگا۔ پھر چائے کا گھونٹ بھرا گلاس زمین پر رکھ کر جیب سے بیڑی نکال کر سلگائی اور بولا۔

"تو پھر اسکیم اس طرح بنے گی کہ ہم لوگ یہاں سے اکٹھے چلیں گے یعنی تم دونوں کے علاوہ روبی بیٹی ویرم اور سانولیا کے ساتھ گورچہ اور دیو کوٹ کے درمیان مدھ گڑھ کے قصبے کے باہر ٹھہریں گے میں شیر خان کو لے کر یہیں سے جودھ پور کی طرف روانہ ہو جاؤں گا ہم وہاں قبرستان میں چھپائی ہوئی رقم نکالیں گے اور پھر مدھ گڑھ میں اپنے ساتھیوں سے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آن ملیں گے ذر وہاں سے انڈیا کا بارڈر کراس کرانے کا کام شروع ہو جائے گا۔"

روبی نے اس خدشے کا اظہار کیا کہ شیر خان جودھ پور کے علاقے سے ہی فرار ہوا ہے کہیں پولیس کی سی آئی ڈی والے اسے پہچان نہ لیں۔ بھوپت بولا۔

"پولیس والے تو مجھے بھی پہچان لیں گے۔ بھوپت ڈاکو کے سر کے لئے تو ہزاروں روپے کا انعام بھی رکھا ہوا ہے لیکن ابھی تک تو کوئی ایسا پولیس والا مائی کا لعل پیدا نہیں ہوا جو بھوپت ڈاکو پر ہاتھ ڈال سکے۔" اس نے روبی کی طرف دیکھا اور شفقت بھرے لہجے میں کہا۔ "بیٹی! تم اس بات کی فکر نہ کرو کہ شیر خان کو پولیس پکڑ کر لے جائے گی۔ ہاں اگر شیر خان کو کوئی خطرہ محسوس ہوتا ہے تو وہ بے شک جودھ پور نہ جائے اور مجھے قبر کا نشان بتا دے۔" شیر خان بولا۔

"نہیں بابا جان! ایسی کوئی بات نہیں ہے آپ کے ہوتے ہوئے مجھے کوئی خطرہ نہیں ہو گا لیکن اگر میں ساتھ نہ گیا تو آپ قبر کو تلاش نہ کر سکیں گے کیونکہ ہو سکتا ہے وہاں اب تک کچھ نئی قبریں بھی بن گئی ہوں اس لئے میرا ساتھ جانا ضروری ہے۔" بھوپت نے کہا۔

"تو پھر بے خوف ہو کر میرے ساتھ چلو بھوپت اپنے بچوں کی حفاظت کرنا جانتا ہے۔ تم ابھی مجھے نہیں جانتے شاید میری بیٹی روبی بھی ابھی مجھے پوری طرح سے نہیں جانتی۔" روبی جھٹ بولی۔

"بابا جان! آپ کی بہادری دلیری اور کردار کی عظمت سے بھلا کون انکار کر سکتا ہے۔ اگر ایسی بات نہ ہوتی تو آج میں آپ کی بیٹی بن کر یہاں نہ رہ رہی ہوتی آپ جیسا کہیں گے ویسے ہی ہو گا۔"

رات کے کھانے کے بعد بھوپت ڈاکو نے سانولیا سے مشورہ شروع کر دیا۔ سانولیا کہنے لگا۔

"دادا! اس سلسلے میں ہمیں مدھ گڑھ میں دیسا بھائی کے ڈیرے پر جانا ہو گا۔ پرکاش وہیں ہوتا ہے پرکاش ہی ان دونوں کو بارڈر پار کرا سکتا ہے۔ وہ سارے صحرائی راستوں سے واقف ہے۔" بھوپت نے سانولیا کی بات بڑی توجہ سے سنی اور جب سانولیا نے بات ختم کر لی تو بولا۔

"میرا بھی یہی ارادہ ہے۔ مگر تم اپنی نگرانی میں ویرم کے ساتھ روبی کو لے کر دیسا بھائی کے ڈیرے کی طرف کوچ کرو گے۔ میں اور شیر خان جودھ پور جائیں گے۔" پھر بھوپت نے سانولیا کو سمجھایا کہ وہ جودھ پور شیر خان کے ساتھ کیوں جانا چاہتا ہے۔ سانولیا کچھ متفکر سا ہو کر کہنے لگا مگر کچھ سوچ کر خاموش ہو گیا۔

دوسرے دن شام گہری ہوتے ہی یہ لوگ اپنے ڈیرے سے چل پڑے وہ سب کے سب بیکانیر کے دیہاتی لوگوں جیسے حلیئے میں تھے روبی نے بھی بیکانیری دیہاتی عورتوں والی ساڑھی پہن رکھی تھی۔ بھوپت ڈاکو نے بھی اپنا حلیہ کافی بدل لیا تھا یہ کل پانچ آدمی تھے۔ بھوپت ویرم اور سانولیا اور روبی اور شیر خان ..... جنگل میں کافی دور تک انہوں نے گھوڑوں پر سفر کیا۔ پھر گھوڑے واپس روانہ کر دیے اور پیدل ہی چل پڑے۔ وہ بڑے مختصر اور خاص راستوں سے ہو کر سفر کر رہے تھے۔ جنگل کے ایسے راستے جو صرف ڈاکوؤں کو ہی معلوم ہوتے ہیں اس بار وہ کھیدا ریلوے اسٹیشن کی طرف نہیں گئے۔ بلکہ وہاں سے چھ کوس اوپر کی طرف بانوڑہ نام کے ایک چھوٹے اسٹیشن پر پسنجر ٹرین میں سوار ہو گئے۔ یہ سارے برانچ لائین کے اسٹیشن تھے اور اکثر بے رونق رہتے تھے۔ جس گاڑی میں وہ بیٹھے وہ گودواڑے سے ہوتی ہوئی جودھ پور پہنچتی تھی۔ ساری رات وہ ریل میں سفر کرتے رہے گودواڑ کا اسٹیشن منہ اندھیرے آیا۔ یہاں سے ویرم اور سانولیا روبی کو لے کر بھوپت ڈاکو اور شیر خان سے الگ ہو گئے بھوپت جودھ پور کی طرف ٹرین میں اور دوسری پارٹی پیدل ہی اسٹیشن کی دوسری طرف سے نکل کر مدھ گڑھ کی سمت روانہ ہو گئی۔ مدھ گڑھ وہاں سے کافی دور تھا اور پیدل طے نہیں ہو سکتا تھا۔ مگر سانولیا اور ویرم نے سب کچھ طے کر رکھا تھا کہ انہیں کیا کرنا ہے۔ ابھی تک وہ ایسے علاقے میں تھے جہاں ریگستانی علاقہ بھی تھا اور کہیں کہیں سبزہ اور کیکر ببول کے درختوں کے جھنڈ بھی نظر آجاتے تھے۔ دونوں ڈاکو راستے سے واقف تھے۔ راستے میں ایک جگہ بیٹھ کر انہوں نے خود بھی روٹی کھائی اور روبی کو بھی کھلائی۔ دن نکل آیا تھا اور دھوپ میں گرمی اور حدت آگئی تھی پانی کی دو چھاگلیں انہوں نے ساتھ لے لی تھیں۔ سانولیا نے روبی سے کہا

"بہن جی! ہمیں کچھ دور پیدل ہی چلنا ہو گا تم تھک تو نہیں جاؤ گی؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

روبی نے کہا۔

"نہیں ..... میں نہیں تھکوں گی تم میری فکر نہ کرو۔" سانولیا اس کے بعد اپنے ساتھی ڈاکو ویرم کی طرف متوجہ ہوا۔

"ویرے! زمیندار کی حویلی یہاں سے کتنی دور ہو گی تمہارے خیال میں؟" ویرم اندازہ لگا کر بولا۔

"تھوڑی دیر بعد زمیندار کی زمینوں میں جا پہنچیں گے۔" وہ اٹھے ایک خشک پگڈنڈی پر چل پڑے تھوڑی دیر بعد وہ ایک مقام پر سنگلاخ ٹیکریوں سے نکلے تو سامنے ہری بھری کھیتیاں اور ان کے پیچھے کچی دیواروں والا ایک بڑا سا گاؤں نظر پڑا۔ سانولیا بولا۔

"زمیندار کا گاؤں تو آگیا اب بتاؤ تم جاؤ گے کہ میں جاؤں؟" ویرم نے کہا۔

"میں جاتا ہوں تمہیں حویلی کے واڑے کا پتا نہیں ہے۔" یہ کہہ کر ویرم اٹھا اور کھیتوں میں داخل ہو گیا اس کے جانے کے بعد روبی نے پوچھا۔

"یہ کہاں گیا ہے بھیا؟" سانولیا کی نگاہیں ویرم کا برابر پیچھا کر رہی تھیں وہ ویرم پر سے نظریں ہٹائے بغیر بولا۔

"بہن جی! ویرم اونٹ لینے جا رہا ہے۔ اونٹوں کے بغیر ہم آگے سفر نہیں کر سکیں گے۔" دوپہر کا وقت تھا سخت تپش پڑ رہی تھی گاؤں پر سناٹا طاری تھا باہر گرمی تھی۔ زمیندار کے نوکر چاکر بھی حویلی کی ڈیوڑھی اور سامنے درختوں کے نیچے چارپائیوں پر سو رہے تھے۔ ہر طرف سناٹے کا راج تھا۔ ویرم کو معلوم تھا کہ اسے کس طرف سے کہاں جانا ہے۔ وہ اونٹوں کے باڑے کی طرف بڑھا تین اونٹ باڑے کے باہر ہی درختوں کی چھاؤں میں جگالی کرتے مل گئے۔ وہ درختوں کے ساتھ بندھے کھڑے تھے ویرم بڑا چالاک آدمی تھا اور جانوروں خاص طور پر اونٹوں کی عادات و خصائل سے پوری طرح واقف تھا۔ وہ پہلے اونٹوں کے قریب سے ہو کر گزر گیا درخت کے پاس جا کر رکا اور مڑ کر دیکھا۔ اونٹوں نے ایک بار بھی گردن اٹھا کر ویرم کی طرف نہیں دیکھا تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ یہ اونٹ ویرم کے بدن کی بو سے واقف ہو گئے۔ پھر بڑی احتیاط سے ایک اونٹ کو لے کر کھیتوں کی طرف بڑھ گیا۔ اسے چلتا دیکھ کر دوسرا اور پھر تیسرا اونٹ بھی پیچھے چلنے لگا۔ ویرم اونٹوں کو

درختوں کے پیچھے سے لے کر ان ٹیکریوں کی طرف آگیا جہاں سانولیا اور روبی اس کے انتظار میں تھے۔ انہوں نے پہلے ہی ویرم کو اونٹوں کے ساتھ آتے دیکھ لیا تھا روبی نے سانولیا سے کہا۔

"کیا یہ اپنے اونٹ ہیں دادا؟" سانولیا نے ہنس کر کہا۔

"بی بی! اس علاقے کے سارے اونٹ اپنے ہیں۔" یہاں سے یہ لوگ اونٹوں پر سوار ہو گئے۔ اب سفر آسان ہو گیا تھا سورج ڈھل رہا تھا کہ یہ پارٹی سیتا بھاؤ کے ریگستانی علاقے کو عبور کر کے رانا سر کے گاؤں سے دو کوس دور دیسا بھائی کے ڈیرے پر پہنچ گئی۔

یہ ڈیرا رانا سر کے سرحدی گاؤں سے دور سنگلاخ ٹیلوں کے درمیان ایک ایسی جگہ پر واقع تھا جہاں پھلاہی اور کیکر کے درختوں نے سایہ دار چھتری سی ڈال رکھی تھی دور سے تین اونٹ سواروں کو آتا دیکھ کر دیسا بھائی کے دو آدمی بندوقیں لے کر ڈیرے سے باہر نکل آئے تھے اور کیکروں کی اوٹ میں چھپ کر بیٹھ گئے تھے ویرم کا اونٹ آگے آگے تھا۔ اس نے ڈیرے کی حدود میں داخل ہوتے ہی بلند آواز میں کہا۔

"دیسا بھائی کو کہو ہمارے جانوروں کے واسطے چارا دے دے۔" یہ ان اسمگلروں کا کوڈ تھا۔ جب اونٹ قریب آئے تو دیسا بھائی کے آدمیوں نے ویرم اور سانولیا کو پہچان بھی لیا۔ وہ درختوں کی اوٹ سے نکل آئے۔ وہ دونوں سے گلے ملے روبی کی طرف دیکھ کر ایک نے پوچھا۔

"یہ مال کہاں سے لوٹا ہے؟"

سانولیا نے اسے ڈانٹتے ہوئے کہا۔ "یہ اپنی ماں' بہن ہے آنکھیں نیچی کرو۔" اور دونوں سانولیا سے معافی مانگنے لگے انہوں نے روبی کو ہاتھ جوڑ کر پرنام کیا' ڈیرے کی ٹھنڈی کوٹھری میں دیسا بھائی سو رہا تھا۔ آواز سن کر جاگ پڑا' ویرم اور سانولیا کو دیکھا تو پوچھا کہ بھوپت ہمارا یار کہاں ہے وہ ساتھ کیوں نہیں آیا۔ یہ لڑکی کون ہے رے؟"

سانولیا اسی وقت دیسا بھائی کے پاس بیٹھ گیا۔ نوکر اونٹوں کو دوسری طرف لے گئے روبی اور ویرم کے آگے ٹھنڈا شربت پیالوں میں بھر کر رکھ دیا گیا۔ سانولیا نے دیسا بھائی کو ساری بات بیان کر دی اور بتایا کہ بھوپت دادا بھی شیر خان کے ساتھ کل تک پہنچ جائے گا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دیسا بھائی کی کوٹھری میں دیوار کے ساتھ چھ سات رائفلیں اور بندوقیں لٹک رہی تھیں۔ کونے میں صندوق کے اوپر دیسی شراب کی بوتلیں پڑی تھیں۔ ایک کیلنڈر بھی لگا تھا جس میں ہنومان جی کی تصویر چھپی ہوئی تھی۔ دیسا بھائی نے ساری کہانی سن کر کہا۔

"انڈیا کا بارڈر پار کرانا تو کوئی مشکل کام نہیں ہے۔ یہاں کی بارڈر فورس کے آدمی ہمارے ساتھ ملے ہوئے ہیں۔ مشکل پاکستانی بارڈر کی ہے ان کی بارڈر فورس کے جوان آدمی کو دیکھتے ہی گولی مار دیتے ہیں۔"

سانولیا نے پوچھا۔ "پرکاشو بارڈر کراس نہیں کرا سکتا؟ وہ تو سارے راستے جانتا ہے۔"

دیسا بھائی بولا۔

"پہلے کچھ نرمی تھی اب سختی ہو گئی ہے اور میرا خیال ہے کہ پرکاشو بھی پاکستانی بارڈر کراس نہیں کرا سکے گا وہ گاؤں گیا ہوا ہے ابھی آجائے گا۔ اس سے بات کر لینا۔"

ان لوگوں نے منہ ہاتھ دھو کر کھانا کھایا روبی نے سانولیا سے پوچھا کہ بارڈر پار کرانے کے بارے میں کیا بات ہوئی ہے۔ سانولیا نے اسے صرف یہی کہا کہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ بھوپت دادا کو آلینے دو۔

شام کے وقت پرکاشو بھی گاؤں سے واپس آگیا ویرم اور سانولیا سے مل کر بڑا خوش ہوا اس نے بھی روبی کو مشکوک نظروں سے دیکھا۔ سانولیا اسے ایک طرف لے گیا اور ساری بات سمجھائی پرکاشو اور سانولیا کوٹھری کے باہر ایک لکڑی کے شکستہ تخت پر بیٹھ گئے۔ دیسا بھائی بھی وہاں بیٹھا دارو سے دل بہلا رہا تھا اس نے پرکاشو کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

"کیوں رے پرکاشو! کیا کہتے ہو تم؟" پرکاشو پکی عمر کا بڑی بڑی راجپوتوں ایسی مونچھوں والا اسمگلر تھا اس کی آنکھوں میں صحرائی عقابوں ایسی چمک تھی کہنے لگا۔

"دادا بھائی! تم نے سانولیا کو جو بتایا ہے وہی میں بھی کہوں گا۔" وہاں ویرم بھی آکر بیٹھ گیا وہ دیر تک آپس میں تبادلہ خیال کرتے رہے دیسا بھائی کہنے لگا۔

"اکیلے مرد کا معاملہ ہوتا تو میں کہتا کہ چلو خطرہ مول لے لیتے ہیں پاکستانی بارڈر پولیس کی گولیوں سے بچ گئے تو پاکستان پہنچ جائے گا گولی لگ گئی تو اس کی قسمت مگر اس کے ساتھ ایک عورت بھی جا رہی ہے اس بے چاری عورت ذات کو کیوں مرواؤ گے؟ وہ تو ریت پر

زیادہ دور تک بھاگ بھی نہیں سکے گی۔"

پرکاشو بولا۔ "دیکھو یہ دونوں اسمگلر تو ہیں نہیں دونوں مسلمان ہیں انڈیا کے مسلمان بھی نہیں ہیں تم کہتے ہو کہ یہ ملک برما سے آئے ہیں۔ پاکستان جا کر رہنا چاہتے ہیں تو میرا مشورہ تو یہ ہے کہ میں ان دونوں کو انڈیا کا بارڈر پار کرا دیتا ہوں۔ پاکستانی بارڈر کے قریب پہنچتے ہی یہ دونوں ہاتھ اوپر اٹھا کر کھڑے ہو جائیں اور اپنے آپ کو پاکستانی چوکی کے حوالے کر دیں۔ وہاں ان پر غیر قانونی طور پر بارڈر کراس کر کے پاکستان میں داخل ہونے کے جرم میں تھوڑی سی سزا ہو جائے گی سزا دینے کے بعد یہ وہاں کی حکومت پر ثابت کر دیں کہ وہ اسمگلر نہیں ہیں اور ملک برما سے آئے ہیں اور پاکستان میں ہی رہنا چاہتے ہیں۔ میرا خیال ہے وہاں ان کو رہنے کی اجازت مل جائے گی۔ کیونکہ ان دونوں میں سے کوئی بھی اسمگلر یا جاسوس نہیں ہے۔ کیا خیال ہے تمہارا؟"

سانولیا بولا۔ "تم بالکل ٹھیک کہہ رہے ہو روبی اور شیر خان میں سے کوئی بھی نہ تو اسمگلر ہے نہ جاسوس انہیں پاکستان میں پناہ مل جائے گی۔ لیکن اس بارے میں بھوپت دادا سے مشورہ ضروری ہے۔ وہ جودھ پور کے راستے شیر خان کو لے کر کل یا پرسوں کسی وقت یہاں ڈیرے پر پہنچ جائے گا فیصلہ اس کے آنے پر ہی ہو گا۔"

"ٹھیک ہے جب تک تم آرام سے یہاں رہو۔" اس نے یہ کہہ کر بوتل اور گلاس سانولیا کی طرف بڑھا دیا سانولیا اور ویرم دونوں نے ہاتھ اوپر اٹھا لئے اور سر کو نفی میں ہلاتے ہوئے کہا۔

"نہیں ہم نے بھوپت دادا کے سامنے قسم کھائی ہے کہ جب تک ہم اس لڑکی اور اس کے منگیتر کو پاکستان نہیں پہنچائیں گے دارو کو ہاتھ نہیں لگائیں گے۔"

اس نے مسکرا کر گلاس وغیرہ ایک طرف رکھ دیے اور دوسری باتیں کرنے لگا۔

ان لوگوں کو ہم اسی جگہ چھوڑ کر بھوپت ڈاکو اور شیر خان کی طرف چلتے ہیں اور یہ معلوم کرتے ہیں کہ ان پر کیا گزری۔

بھوپت اور شیر خان ٹرین میں سفر کرتے خیریت سے جودھ پور پہنچ گئے ایک تو ٹرین پنجر تھی دوسرے رات کا وقت تھا راستے میں کوئی غیر معمولی واقعہ پیش نہ آیا۔ ٹرین دن

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے وقت جودھ پور پہنچی تھی دونوں ہی پولیس کو مطلوب تھے دونوں کے لئے یہ خط
ترین علاقہ تھا اور دونوں ہی ہر قسم کی صورتحال سے نمٹنے کے لئے پوری طرح چوکس
دونوں نے بھرے ہوئے ریوالور اپنے کپڑوں میں چھپا رکھے تھے۔ بھوپت کے پاس تو
خنجر بھی تھا جودھ پور بھوپت کے لئے نیا علاقہ نہ تھا وہ اس شہر اور شہر کے گردونوا
چپے چپے سے واقف تھا اسٹیشن کے باہر کافی رونق تھی اور کچھ پولیس کانسٹیبل بھی نظر
مگر شیر خان اور بھوپت دیہاتی لباس میں وہاں سے نکل گئے شیر خان کو شہر سے باہر
مسجد کی طرف جانا تھا۔ وہ ایک طرف ہو کر سڑک کے کنارے کنارے روانہ ہوا۔ بھ
چاروں طرف سے باخبر اس کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔ یہ راجستھان کا تاریخی اور پرانا
اور اس زمانے میں یہاں کی آبادی ابھی اتنی زیادہ نہیں بڑھی تھی۔ مضافاتی بستیاں بھ
زیادہ نہیں بنی تھیں۔ شیر خان بھوپت کو ریلوے لائن کی طرف لے آیا وہ اسی طرف
گزر کر جنوب مشرق کی ایک چھوٹی سی بستی کے کونے والی مسجد میں گیا تھا جس کے ع
میں ایک پرانا قبرستان تھا بھوپت نے چلتے چلتے پوچھا

"تمہیں راستہ یاد ہے نا شیر خان؟" شیر خان نے اثبات میں سر ہلا دیا ریلوے لائن
ساتھ ساتھ کچھ دور تک چلنے کے بعد بائیں طرف شیر خان کو وہ بستی نظر آگئی وہ لائن
اتر کر بستی کی طرف ہو لیا۔ بھوپت نے ایک بار مڑ کر دیکھا اسے ایسے لگا جیسے ایک آدمی
کا پیچھا کر رہا ہے اس نے دوسری بار گردن نہ گھمائی اور بالکل سیدھا انجان بنا چلتا گیا
بابت شیر خان سے بھی کوئی ذکر نہ کیا۔ بھوپت ایک تجربہ کار ڈاکو تھا اور پولیس والو
سات پردوں میں بھی اور ایک میل کے فاصلے سے پہچان لیتا تھا۔ بستی کے کونے میں ا
احاطے کی پرانی اینٹوں والی چار دیواری تھی جس میں سے مسجد کے مینار ابھرے ہوئے
شیر خان بولا۔

"یہی مسجد ہے دادا اس کے پیچھے پرانا قبرستان ہے۔"

بھوپت نے کوئی جواب نہ دیا اس کی ساری توجہ اپنے پیچھے آنے والے مشتبہ آدمی
طرف تھی مسجد کے احاطے میں داخل ہونے کی بجائے شیر خان احاطے کی پچھلی دیوار
طرف مڑا جہاں قبرستان کا چھوٹا دروازہ تھا یہاں موڑ مڑتے وقت بھوپت نے گردن گھما

بہانے پیچھے مڑ کر دیکھا تو وہی آدمی ان کے پیچھے چلا آرہا تھا اس نے تنگ پاجامہ اور
ری پہنی ہوئی تھی اور سر پر کانگریسی ٹوپی کانگریسی ٹوپی دیکھ کر بھوپت ڈاکو کا ویسے ہی
سے خون کھولنے لگا ایک دنیا جانتی ہے کہ بھوپت ڈاکو کانگریسی یعنی گاندھی کیپ سے
ی الرجک تھا اور اپنے ڈاکے کے دوران اگر کوئی ایسا آدمی سامنے آجاتا جس نے کھدر کی
ریسی کیپ پہنی ہوتی تو وہ اسے وہیں گولی سے اڑا دیتا تھا وہ کہا کرتا تھا کانگریسی ٹوپی
ت اور لومڑی ایسی عیاری کی علامت ہے۔ یہ علاقہ سنسان تھا اوپر کوئی کھیت کھلواڑ
نہیں تھا سامنے ایک ریتلا میدان تھا باغ کی چار دیواری میں کچھ درخت ضرور تھے ان
بیچ میں ایک طرف مسجد تھی اور باقی حصے میں قبریں بنی تھیں انہی قبروں سے کسی ایک
یں شیر خان نے تقریباً سوا لاکھ ڈالر کے کرنسی نوٹوں کی تھیلی ایک پلاسٹک کے تھیلے میں
کر چھپا دی تھی شیر خان قبرستانی باغ کے چھوٹے دروازے میں سے اندر داخل ہوا تو
پت نے کہا

"تم مسجد میں جا کر بیٹھو خبردار باہر نہ نکلنا میں ابھی آتا ہوں۔" شیر خان نے حیرانی کے
ہ پوچھا کہ کیا بات ہے۔ بھوپت نے اسے مسجد کی طرف دھکیل کر کہا

"جو میں کہتا ہوں وہ کرو' جلدی چلے جاؤ۔" شیر خان سمجھ گیا کہ کوئی گڑبڑ ہو گئی ہے'
نبروں میں سے گزرتا مسجد کی طرف بڑھا' اس نے قبروں میں سے وہ قبر بھی دیکھ لی تھی
ا کے نیچے ڈالروں کا تھیلا دبایا تھا' یہ قبرویسی کی ویسی تھی صرف اس کی بائیں جانب دو
قبریں بن گئی تھیں' وہ قبرستان کے دوسرے یعنی مسجد والے دروازے سے ہو کر مسجد
صحن میں آکر ایک طرف بیٹھ گیا' ادھر بھوپت ڈاکو دوڑ کر قبرستان کے ایک درخت کی
ے میں اگی ہوئی جھاڑی میں چھپ کر بیٹھ گیا' اس نے جیب سے خنجر نکال کر اپنے
ھے ہاتھ میں پکڑ لیا تھا' اس کی آنکھیں دیوار کے دروازے پر لگی تھیں' کچھ دیر بعد
ر کی دوسری جانب آہٹ ہوئی جیسے کوئی خشک پتوں پر چل رہا ہو' پھر وہی کانگریسی ٹوپی
آدمی قبرستان کے احاطے میں داخل ہوا' بھوپت نے اسے غور سے دیکھا' وہ چالیس
الیس سال کا ایک مضبوط جسم والا آدمی تھا۔ وہ مشکوک انداز میں ادھر ادھر دیکھنے لگا'
بھوپت اور شیر خان کو ڈھونڈ رہا ہو' پھر اسے سامنے قبرستان کا دوسرا مسجد والا چھوٹا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دروازہ نظر آیا تو اس طرف چل پڑا' وہ قبروں کے درمیان پاؤں اٹھاتا چلا جا رہا تھا' بھوپت کو خطرہ محسوس ہوا کہ کہیں وہ شیر خان سے نہ الجھ پڑے' بھوپت شیر خان کو ناتجربہ کار لڑکا سمجھتا تھا' اس کا خیال تھا کہ شیر خان آسانی سے اس کے قابو میں آجائے گا اور اگر شیر خان نے ریوالور کا فائر کرنے کی غلطی کر دی تو معاملہ خراب ہو جائے گا اور بستی کے لوگ وہاں جمع ہو جائیں گے اور ہو سکتا ہے کہ وہاں پولیس بھی آجائے اور پھر سارا منصوبہ دھرے کا دھرا رہ جائے گا۔

بھوپت جلدی سے درخت کی اوٹ سے نکلا اور قبروں سے گزرتے انٹیلیجنس والے کو آواز دے کر کہا۔

"ارے بھیا کدھر جا رہے ہو' ذرا بات تو سنو۔" وہ آدمی رک گیا' پلٹ کر بھوپت کو دیکھا' وہ جودھ پور پولیس انٹیلیجنس کا بڑا تجربہ کار افسر رام داس تھا' اگرچہ بھوپت دیہاتی حلیے میں تھا مگر رام داس کی تیز عقابی نظروں نے اسے اس حلیے میں بھی پہچان لیا۔

وہ ان دونوں کو مشتبہ آدمی سمجھ کر ان کے پیچھے لگا تھا یہ تو اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ اس کا آمنا سامنا بھارت کے سب سے بڑے ڈاکو اور قاتل بھوپت سے ہو جائے گا' پہلے تو وہ گھبرا گیا جونہی وہ بھوپت کے سامنے آیا اس پر ایک ہیبت سی طاری ہو گئی' لیکن آخر وہ پولیس افسر تھا' اس کی ٹریننگ بڑے سخت ماحول میں ہوئی تھی' بڑی جلدی سے اس نے اپنے حواس پر قابو پالیا اور اب اس کے دل میں صرف ایک ہی خوش آئند خیال تھا کہ اگر اس نے بھوپت کو شدید زخمی کر کے گرفتار کر لیا تو نہ صرف یہ کہ اسے انعام کی بھاری رقم ملے گی' بلکہ اس کی ترقی بھی ہو جائے گی' رام داس کی جیب میں بھی بھرا ہوا پستول باقاعدہ موجود تھا' بھوپت کے سامنے آکر انٹیلیجنس افسر رام داس نے ہاتھ جوڑ کر بڑی عاجزی سے کہا۔

"مہاراج پردیسی ہوں' رہنے کے لئے کوئی ٹھکانہ ڈھونڈ رہا ہوں۔"

بھوپت نے کہا "ارے بھیا رہنے کے لئے تمہیں قبرستان ہی رہ گیا تھا؟ ہیں بولو کون ہو تم؟" تو رام داس نے گھگیا کر کہا۔

"مہاراج! یہ دیکھ لیجئے میرے پاس ریل کا ٹکٹ ہے۔" اس کے ساتھ ہی انٹیلیجنس

افسر نے اپنی جیب میں ہاتھ ڈالا بھوپت ڈاکو کوئی اناڑی نہیں تھا کہ اسے جیب سے ہاتھ باہر نکالنے کی مہلت دے دیتا' جب اسے یقین ہو گیا تھا کہ یہ پولیس انٹیلیجنس کا آدمی ہے تو اسے یہ بھی یقین تھا کہ اس کی جیب میں اسلحہ بھی ہو گا' چنانچہ جونہی رام داس نے جیب میں ہاتھ ڈالا' بھوپت ڈاکو نے اس کے پیٹ پر ناف کے نیچے اتنے زور سے لات ماری کہ رام داس وہیں دہرا ہو گیا' بھوپت ڈاکو نے جھپٹ کر اس کے ہاتھ کو جیب کے اندر ہی دبوچ لیا اور اوپر دوسرے ہاتھ سے خنجر کا بھرپور وار اس کی پسلیوں میں کیا اور خنجر کو نیچے اس کی ناف تک کھینچ کر جھٹکے سے باہر نکال لیا' بھوپت نے بجلی ایسی تیزی سے سی آئی ڈی والے کا وہ ہاتھ باہر نکال دیا جو اس نے پستول والی جیب میں ڈال رکھا تھا اور اسے دوسری طرف لڑھکا دیا' رام داس کی انتڑیاں باہر نکل آئیں اور خون کچی قبر کی مٹی میں جذب ہوتا چلا گیا' وہ خون کے جوش میں اٹھنے لگا تو بھوپت نے اسے لات مار کر گرایا اور خنجر کا دوسرا وار اس کی گردن پر کیا جس سے اس کی آدھی گردن آگے سے کٹ گئی۔ بھوپت نے رومال سے خنجر صاف کر کے جیب میں رکھا اور احاطے کے دونوں دروازوں کی طرف دیکھا' وہاں کوئی بھی نہیں تھا' رام داس کی بھی آواز نہیں نکلی تھی' اس کی لاش ذرا سی تڑپ کر ٹھنڈی ہو گئی۔ بھوپت نے لاش کی جیب کی تلاشی لی تو وہاں سے بھرا ہوا سرکاری پستول اور رام داس کی پاس بک اور شناختی کارڈ نکلا' یہ پولیس کا شناختی کارڈ تھا جس کو بھوپت ڈاکو بڑی اچھی طرح سے پہچانتا تھا' اس نے ان چیزوں کو اپنی صدری کی جیب میں ڈال لیا اور رام داس کی لاش پر ادھر ادھر سے مٹی اور سوکھے پتے اٹھا کر ڈال دیے۔ پھر مسجد میں آیا' شیر خان وہاں ایک طرف چھپ کر بیٹھا تھا۔ بھوپت کو دیکھ کر وہ مسجد کے باہر آگیا۔

"کیا ہوا دادا؟ کوئی ہمارے پیچھے لگا تھا؟" بھوپت نے بے نیازی سے کہا۔ "ہاں ایک آدمی لگا تھا' اسے میں نے ٹھکانے لگا دیا ہے۔ آؤ اب بتاؤ وہ قبر کہاں ہے۔" جب شیر خان رام داس کی لاش کے قریب سے گزرا تو اس نے بھوپت ڈاکو کی طرف دیکھا۔ بھوپت ڈاکو نے ہاتھ کے اشارے سے آگے چلنے کو کہا' شیر خان کونے والی قبر کے پاس آکر بیٹھ گیا' اس نے قبر کو پہچان لیا تھا' یہ قبر بیٹھی ہوئی تھی۔ اس میں سرہانے کی طرف جو سوراخ تھا اسے جھاڑ جھنکار نے بند کر دیا تھا' مگر شیر خان نے اس کے اندر ہاتھ ڈال دیا' وہ اپنا بازو کاندھے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تک قبر کے اندر لے گیا۔ جب ہاتھ باہر نکالا تو پلاسٹک کا ایک پیکٹ بھی اس کے ساتھ تھا' انہوں نے اسے کھول کر دیکھا۔ ڈالروں کے نوٹوں کی گڈیاں ویسی کی ویسی محفوظ تھیں۔ بھوپت نے پلاسٹک کا پیکٹ شیر خان سے لے کر اپنی قمیص کے اندر کمر کے ساتھ باندھ لیا اور شیر خان سے کہا۔

"واپس چلو۔"

وہ قبرستان سے نکلے تو سیدھا ریلوے لائن کی طرف جانے کی بجائے ریت کے ٹیلوں کی طرف ہو گئے' راستے میں اس نے شیر خان کو رام داس کا پستول اور شناختی کارڈ دکھایا اور کہا۔

"یہ پولیس کا آدمی تھا' ہمیں مشتبہ سمجھ کر تعاقب کر رہا تھا' یہ ہمارے سارے کیے دھرے پر پانی پھیر سکتا تھا۔ اس کا مطلب ہے کہ ریلوے اسٹیشن پر خفیہ پولیس کے آدمی موجود ہیں' ورنہ یہ ہمارے پیچھے نہ لگتا' اب ہم ریلوے اسٹیشن کی طرف نہیں جائیں گے' اگلے اسٹیشن سے گاڑی پکڑیں گے۔ وہاں تک کسی لاری یا تانگے پر بیٹھ کر جائیں گے۔"

اسی طرح باتیں کرتے یہ لوگ ٹیلوں اور پرانی بستی کے اوپر سے ہو کر ریلوے اسٹیشن کی کافی دور سے دوسری طرف نکل گئے۔ اسٹیشن سے کوئی دو کوس کے فاصلے پر سے انہوں نے ریلوے لائن عبور کی اور ایک پگڈنڈی پر چلنے لگے' وہ ریلوے لائن کے ساتھ ہی ساتھ چل رہے تھے۔ ان کے بائیں جانب کچی سڑک تھی۔ پیچھے اسٹیشن کی طرف سے ایک لاری آ رہی تھی' بھوپت اور شیر خان سڑک پر آ گئے' لاری دیہاتی مسافروں سے بھری ہوئی تھی' بھوپت نے ہاتھ کا اشارہ کیا تو موٹر رک گئی۔ ڈرائیور نے منہ باہر نکال کر کہا کہ موٹر کی چھت پر بٹھا سکتا ہوں۔ بھوپت بولا۔

"ٹھیک ہے بھیا۔" شیر خان اور بھوپت موٹر کی چھت پر بیٹھ گئے' موٹر چل پڑی' بھوپت کو یہاں سے باٹورہ کے اسٹیشن تک جانا تھا' جہاں سے گاڑی پکڑ کر مدھ گڑھ تک ٹرین میں سفر کرنا تھا۔ اس کے آگے دیسا بھائی کے سرحدی گاؤں تک صحرائی سفر تھا۔

باٹورہ یہ موٹر دو گھنٹے کے سفر کے بعد پہنچی وہاں اتر کر بھوپت نے کرایہ ادا کر دیا' وہ ریلوے اسٹیشن سے تھوڑے فاصلے پر ایک جگہ درخت کے نیچے بیٹھ گئے' شیر خان ایک

دکان سے کھانا لے آیا جو انہوں نے وہیں بیٹھ کر کھا لیا' کافی دیر بعد دور سے ریل گاڑی کے انجن کی چھک چھک سنائی دینے لگی' بھوپت اور شیر خان اٹھے اور اسٹیشن پر آ گئے' انہوں نے یہاں سے مدھ گڑھ کے دو ٹکٹ خریدے' جب گاڑی اسٹیشن پر آ کر رکی تو وہ ایک جگہ ستون کی اوٹ میں کھڑے رہے' وہاں انہیں پولیس کا کوئی بھی آدمی دکھائی نہیں دیا تھا' پھر بھی جب ٹرین پلیٹ فارم پر کھسکنے لگی' تو وہ بھاگ کر ایک ڈبے میں گھس گئے' یہاں سے مدھ گڑھ تک کوئی ڈیڑھ گھنٹے کا سفر تھا' اس دوران بھوپت اور شیر خان ڈبے کے برتھ پر چڑھ کر لیٹے رہے اور انہوں نے آپس میں کوئی بات نہ کی' مدھ گڑھ کے اسٹیشن پر وہ ٹرین سے اتر کر باہر آ گئے' گیٹ کی طرف آنے کی بجائے انہوں نے دوسری طرف سے ریلوے لائن پار کی اور ایک مال گاڑی کے پیچھے سے ہوتے ہوئے درختوں کی چھاؤں میں چائے کے ایک کھوکھے کے پاس آ کر بیٹھ گئے' سورج غروب ہونے کی تیاریاں کر رہا تھا' صحرائی علاقے میں بڑی خوشگوار ہوا چلنے لگی تھی۔ بھوپت نے شیر خان کو آہستہ سے کہا

"یہاں سے آگے صحرا میں سفر شروع ہو گا' یہ سارا سرحدی علاقہ ہے' یہاں بارڈر فورس والے اکثر گشت لگاتے رہتے ہیں' مگران کو دیکھ کر گھبرانا ہرگز نہیں' اگر کوئی پوچھے تو یہی کہنا ہے کہ دیول سار کے زمیندار کے مزارع ہیں ان کی زمینوں پر جا رہے ہیں دیول سار یہاں سے سرحد کی جانب چار پانچ کوس پر ایک چھوٹا سا گاؤں ہے۔ میں وہاں کئی بار جا چکا ہوں۔"

شیر خان نے سوال کیا۔

"یہ صحرائی سفر کتنا وقت لے گا۔؟"

بھوپت بولا۔"پو پھٹنے تک دیسا بھائی کے ڈیرے پر پہنچ جائیں گے۔"

"کیا ہمیں ریگستان میں پیدل چلنا ہو گا؟" شیر خان نے کچھ متفکر ہو کر پوچھا۔

بھوپت ہنس پڑا اور اس کے کاندھے کو ہاتھ سے دبا کر بولا۔"یہاں لوگوں نے گھوڑے اونٹ کس لئے پال رکھے ہیں؟" شیر خان سمجھ گیا کہ بھوپت کا اس فقرے سے مطلب کیا تھا' انہیں سنگلاخ علاقے میں چلتے چلتے جب شام ہو گئی تو بھوپت نے شیر خان کو ایک جگہ بیٹھنے کو کہا اور خود کچھ فاصلے پر نظر آتے ایک گاؤں کی طرف چل دیا' جب واپس آیا تو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گھوڑے پر سوار تھا اور ایک خالی گھوڑا ساتھ بھی تھا۔ یہاں سے وہ گھوڑوں پر سوار ہو گئے۔

بھوپت ڈاکو چونکہ اس علاقے کے سارے راستوں سے واقف تھا اس لئے وہ چلتے چلے گئے' رات جب کافی گہری ہو گئی تو بھوپت کہنے لگا۔

"اگر تم آرام کرنا چاہو تو یہاں تھوڑی دیر سو جاؤ۔" شیر خان کو منزل پر پہنچنے کی جلدی تھی' کہنے لگا۔

"ڈیرے پر چل کر ہی آرام کر لیں گے دادا! کیا خیال ہے؟" بھوپت نے مسکراتے ہوئے گھوڑا آگے بڑھا دیا' یوں ویران صحرائی علاقے میں سفر کرتے یہ لوگ دیسا بھائی کے ڈیرے پر پہنچ گئے۔ اس وقت صحرا میں سورج طلوع ہو چکا تھا' روبی نے شیر خان کو دیکھا تو خدا کا شکر ادا کیا۔ دوپہر تک شیر خان اور بھوپت سوئے رہے' اس دوران ویرم کو بارڈر کی طرف بھیج دیا گیا تھا تاکہ وہ حالات کا جائزہ لے کر آئے۔ جب ویرم واپس آیا اس وقت بھوپت' سانولیا' دیسا بھائی اور شیر خان کوٹھری میں بیٹھے بارڈر کراس کرنے کے منصوبے پر غور کر رہے تھے۔ مشکل صرف پاکستانی بارڈر کراس کرنے کی تھی۔ ویرم نے آکر بتایا کہ انڈین سیکیورٹی فورس کے اپنے آدمی ایک خاص رقم کے عوض دونوں کو اپنے بارڈر سے نکال دینے پر تیار ہیں مگر آگے کی ذمہ داری کوئی نہیں لیتا۔ وہاں روبی بھی آگئی اور شیر خان کے پاس ایک طرف مونڈھے پر بیٹھ کر ان کی باتیں سننے لگی۔ دیسا بھائی بولا۔

"بھوپت دادا! ان کے لئے یہی بہتر ہے کہ یہ انڈین بارڈر پار کر کے پاکستانی سرحد پر جاتے ہی اپنے آپ کو وہاں بارڈر پولیس کے حوالے کر دیں اور سچی بات بیان کر دیں' اس طرح ان پر مقدمہ چلے گا اور تھوڑی سی قید ہو جائے گی۔ اس دوران یہ ان پر ثابت کر سکتے ہیں کہ ان کا انڈیا سے۔۔۔۔کوئی تعلق نہیں اور یہ ملک برما سے فرار ہو کر پاکستان آنا چاہتے تھے جو ان کے باپ دادا کا وطن تھا اور جہاں وہ شادی کر کے نئی شریفانہ زندگی شروع کرنا چاہتے ہیں۔"

کافی دیر تک بحث مباحثہ کے بعد وہ لوگ اس نتیجے پر پہنچے کہ شیر خان اور روبی کو بارڈر کراس کر کے اپنے آپ کو پاکستانی بارڈر فورس کے حوالے کر دینا چاہئے' صرف یہی ایک

طریقہ پاکستان پہنچنے کا تھا۔ سانولیا نے اس خدشے کا اظہار کیا کہ ہو سکتا ہے پاکستانی بارڈر فورس ان پر فائرنگ کر دے۔ اس پر دیسا بھائی بولا۔

"اگر یہ پاکستان کے بارڈر میں داخل ہونے سے پہلے ہی سفید جھنڈی لہرا دیں گے تو پاکستانی بارڈر فورس ان پر گولی نہیں چلائے گی۔"

بھوپت نے شیر خان سے اس کی رائے پوچھی' شیر خان بھی سمجھ گیا تھا کہ اس کے سوا دوسرا کوئی راستہ نہیں ہے۔ چنانچہ اس نے اور روبی نے حامی بھر لی۔ اب سوال ڈالروں کے تھیلے کا تھا۔ یعنی یہ دولت ساتھ لے کر اگر وہ جاتے ہیں تو ظاہر ہے پاکستانی بارڈر پر اسے ضبط کر لیا جائے گا اور ان دونوں پر اسمگلنگ کے جرم میں ایک اور مقدمہ درج ہو جائے گا۔ اس کا حل دیسا بھائی نے ڈھونڈ نکالا کہنے لگا۔

"اگر شیر خان یہ ڈالر میرے پاس چھوڑ جائے تو میں اسے تھرپارکر میں ایک آدمی کے نام خط لکھ کر دے دوں گا' وہ ان ڈالروں کے بدلے پاکستانی کرنسی میں ساری رقم ادا کر دے گا۔" یہ بڑی اچھی ترکیب تھی۔ بھوپت ڈاکو نے روبی اور شیر خان سے کہا۔

"اس کی تم فکر نہ کرو۔ تمہاری ساری رقم پاکستانی کرنسی میں تمہیں مل جائے گی۔" پھر اس نے شیر خان اور روبی کو ایک طرف لے جا کر سمجھایا کہ دیسا بھائی اور اس کے آدمیوں کا کاروبار ہی یہی ہے۔ ان سب پر پورا بھروسہ کیا جا سکتا ہے۔" شیر خان بولا۔

"مگر ہمیں تو بارڈر پر گرفتار کر لیا جائے گا۔ ہم تھرپارکر دیسا بھائی کے آدمی کے پاس کیسے پہنچیں گے؟"

تب بھوپت اسے دیسا بھائی کے پاس لے کر آیا۔ دیسا بھائی بولا۔

"میں تمہیں خط بھی نہیں دوں گا۔ کیونکہ تلاشی کے وقت یہ خط برآمد ہو کر تمہارے لئے پریشانی پیدا کر سکتا ہے۔ میں تمہیں تھرپارکر میں اپنے آدمی کا نام اور حلیہ بتا دیتا ہوں۔ ایک خفیہ لفظ بھی بتائے دیتا ہوں۔ اگر مقدمے میں تمہاری ضمانت ہو جائے یا کسی طرح تم بچ جاؤ یا پھر قید ہی کاٹنی پڑے۔ تب بھی تم جیل سے باہر آکر میرے آدمی کو مل کر اس کو اپنا نام اور اپنا کوڈ ورڈ بتا کر اس سے اپنی رقم وصول کر سکتے ہو۔ مجھ سے جیسے بھی ہو سکا میں تھرپارکر والے آدمی سے رابطہ پیدا کروں گا۔" دیسا بھائی نے روبی اور شیر خان کو تھرپارکر میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اپنے خاص آدمی کا نام اس کا پتا اور خفیہ کوڈ بتا دیا۔ اس رات کے اندھیرے میں وہ بارڈر کی طرف روانہ ہو گئے۔ اس وقت صرف بھوپت ڈاکو اور ویرم ہی روبی اور شیر خان کے ساتھ تھے۔ یہ بارڈر کا علاقہ تھا۔ یہاں جگہ جگہ ریت کے ٹیلے اور گڑھے تھے۔ سوکھی جھاڑیاں بھی اگی ہوئی تھیں۔ ویرم تاروں کی روشنی میں ان کی راہنمائی کر رہا تھا۔ کچھ فاصلے پر ایک گن پوسٹ نظر آئی۔ ویرم ان لوگوں کو وہیں چھوڑ کر خود انڈین بارڈر فورس کی گن پوسٹ کی طرف چلا گیا۔ یہ وہ بھارتی سپاہی تھے جن کو ویرم نے رشوت دے رکھی تھی ان کی طرف سے اطمینان کر لینے کے بعد ویرم نے واپس آکر بھوپت ڈاکو سے کہا۔

"دادا! سب ٹھیک ہے۔"

بھوپت ڈاکو نے روبی کے سر پر ہاتھ رکھ دیا اور پدرانہ شفقت بھری آواز میں بولا۔

"جاؤ بیٹی! خدا تمہیں پاکستان میں نئی زندگی مبارک کرے۔ مجھے بھی پاکستان سے محبت ہے۔ خدا نے چاہا تو میں بھی ضرور پاکستان آجاؤں گا اور وہاں شریفانہ زندگی شروع کروں گا۔" پھر اس نے شیر خان سے بغل گیر ہو کر کہا "شیر خان! روبی کا خیال رکھنا شادی کے بعد اسے کوئی تکلیف نہ پہنچانا۔ یہ کبھی نہ بھولنا کہ یہ میری بیٹی ہے جاؤ۔ خدا تمہارا نگہبان ہو اور ایسا ہی کرنا جیسا تمہیں کہا گیا ہے۔"

ویرم نے رات کے اندھیرے میں ایک جگہ جھاڑیوں میں سے دونوں کو انڈیا کا بارڈر پار کرا دیا دونوں ملکوں کی سرحدوں کے درمیان جو تھوڑا سا علاقہ تھا وہ انہوں نے ریت پر رینگ کر پار کیا۔ جونہی انہیں سامنے پاکستانی چوکی نظر آئی شیر خان اٹھ کھڑا ہوا۔ بلند آواز میں کہا۔

"ہم پاکستانی ہیں' ہم اسمگلر نہیں ہیں ہمیں پاکستان میں پناہ چاہئے۔" تھری ناٹ تھری کے دو فائر ہوئے اور گولیاں شیر خان کے سر کے اوپر سے گزر گئیں۔ روبی زمین پر ہی لیٹی تھی۔ ایک پاکستانی جیپ ٹیلے کے پیچھے سے نکل کر تیزی سے ان کی طرف بڑھی اور دوسری طرف سے ان پر سرچ لائٹ کی روشنی پڑی۔ دونوں کو اسی وقت گرفتار کر کے بارڈر سیکیورٹی آفس میں پہنچا دیا گیا۔ وہاں پر موجود ایک پاکستانی افسر نے ان دونوں کو غور سے دیکھا اور پوچھا

"تم نے انڈیا کا بارڈر کیسے پار کر لیا۔ تمہارے ساتھ اور اسمگلر کون کون تھے؟" روبی نے شیر خان کی طرف دیکھا۔ شیر خان بولا۔

"اگر آپ مجھے موقع دیں تو میں آپ کو ساری کہانی سنا دیتا ہوں۔" اور پھر شیر خان نے شروع سے ساری داستان بیان کر دی۔ پاکستان کی سرزمین میں آتے ہی شیر خان کے دل میں اپنے بزرگوں کے وطن کی محبت کے جذبات بیدار ہو گئے تھے۔ اس نے پاکستانی افسر کو یہ بھی بتا دیا کہ ان دونوں کو انڈیا کے دیسا بھائی نے بارڈر کراس کرایا ہے۔ جو راجستھان کا مشہور اسمگلر ہے۔ شیر خان نے کہا۔

"میں آپ کو ایک سچے پاکستانی ہونے کے ناطے یہ بھی بتا دینا چاہتا ہوں کہ ہمارے پاس لاکھوں ڈالر کے کرنسی نوٹ تھے جو ہم نے دیسا بھائی کو دے دیے ہیں جس کا ایک خاص آدمی تھرپارکر میں بیٹھا ہے' وہ ہمیں ان کے عوض پاکستانی کرنسی میں رقم ادا کرنے والا ہے۔ بے شک آپ ہماری ساری رقم ہم سے لے لیں مگر تھرپارکر والے اس اسمگلر کو ضرور گرفتار کریں۔ جو پاکستان میں رہ کر دشمن ملک کے ساتھ اسمگلنگ کا ناجائز دھندا کرتا ہے۔"

روبی نے حیران ہو کر شیر خان کی طرف دیکھا۔ شیر خان نے کہا۔

"روبی! میں نے جو کچھ کہا ہے ٹھیک کیا ہے۔ اب ہمارا جینا مرنا سب کچھ پاکستان کے لئے ہے۔ پاکستان کی فضاؤں میں آتے ہی میرے دل سے جھوٹ اور جرائم کی میل دھل گئی ہے۔ میں پاکستان میں ناجائز طریقے سے لائی ہوئی رقم سے کاروبار نہیں شروع کرنا چاہتا۔"

پھر اس نے پاکستانی بارڈر فورس کے افسر کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔

"جناب! آپ یقین کریں کہ میں نے جو بیان دیا ہے اس میں ذرہ برابر بھی جھوٹ شامل نہیں ہے۔" پاکستانی افسر شیر خان کی طرف غور سے دیکھ رہا تھا۔ اس نے پوچھا۔

"کیا تمہیں تھرپارکر والے آدمی کا نام پتا معلوم ہے؟"

"کیوں نہیں جناب۔" شیر خان نے اعتماد بھرے لہجے میں کہا۔ "اس کا نام دھیرج لعل بتایا گیا ہے اور وہ تھرپارکر شہر سے سات کوس دور ایک گوٹھ میں رہتا ہے جس کا نام بھی مجھے معلوم ہے۔ دیسا بھائی نے مجھے ایک خفیہ لفظ بھی بتایا ہے جس سے دھیرج لعل مجھے پہچان سکے گا۔" پھر شیر خان نے پاکستانی افسر کو وہ خفیہ لفظ بھی بتا دیا اور کہا۔ "میں یہ سب کچھ اس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لئے کر رہا ہوں کہ میں پاکستان کو اپنا سب کچھ سمجھتا ہوں اور چاہتا ہوں کہ پاکستان کا دشمن دھیرج لعل گرفتار ہو جائے۔ میری دولت جاتی ہے تو چلی جائے۔ میں پاکستان میں رہ کر محنت مزدوری کر کے پھر کما لوں گا۔" روبی کو شیر خان کے کردار کا یہ مجاہدانہ پہلو بہت اچھا لگا۔ پاکستانی افسر نے اسی وقت پیچھے ہیڈ کوارٹر ٹیلی فون کیا۔ روبی اور شیر خان کو جیپ میں بٹھایا ساتھ گارڈ لی اور ہیڈ کوارٹر کی طرف چل پڑا۔ راستے میں پاکستانی بارڈر سیکیورٹی کے افسر نے شیر خان کو صاف لفظوں میں بتایا کہ ان پر غیر قانونی طور پر پاکستان کی سرحد پار کرنے کے جرم میں مقدمہ ضرور چلے گا۔ شیر خان نے جواب دیا۔

"میں پاکستانی قانون کا احترام کرتا ہوں۔ ہمیں چاہے جتنی سزا ہو جائے۔ لیکن کم از کم اس پاکستانی دشمن اسمگلر کو ضرور گرفتار کراؤں گا۔ جو اس وقت میرے علم میں ہے۔"

راتوں رات بارڈر سیکیورٹی فورس کے جوان دھیرج لعل اسمگلر کے گوٹھ پہنچ گئے۔ انہوں نے شیر خان کو آگے بھیج دیا۔ دیسا بھائی نے جس دکان کا نقشہ شیر خان کو بتایا تھا شیر خان اسی کچے مکان کے دروازے پر جا پہنچا۔ اس نے دروازے پر دستک دی۔ تین چار مرتبہ دستک دینے پر دروازہ کھلا اور ایک دبلا پتلا پکی عمر کا آدمی شیر خان کو نیند بھری آنکھوں سے تکتے ہوئے بولا

"کیا ہے سائیں۔ اس وقت کیوں تنگ کرنے آگئے ہو؟" شیر خان نے اس کے آگے دیسا بھائی کا نام لیا۔ پھر خاص خفیہ لفظ دہرایا۔ یہ لفظ بڑا کارگر تھا اور خاص خاص موقعوں پر استعمال کیا جاتا تھا۔ دھیرج لعل نے جلدی ہی کہا

"تو اندر آجاؤ سائیں باہر کیوں کھڑے ہو؟"

شیر خان بولا

"میرے پاس اتنا وقت نہیں ہے۔ تم ذرا میرے ساتھ آؤ ایک زنانہ بھی ساتھ ہے۔"

دھیرج لعل ٹھیک ہے سائیں چلو۔ کہہ کر شیر خان کے ساتھ گوٹھ سے باہر آگیا۔ شیر خان اور دھرج لعل جب ایک خاص جگہ پر پہنچے تو اچانک چاروں طرف سے پاکستانی بارڈر فورس کے جوان نکل آئے اور انہوں نے اسی وقت دھیرج لعل کو قابو کر لیا۔ شیر خان کو یوں محسوس ہوا جیسے اس کے سینے پر سے کوئی بوجھ ہٹ گیا ہے۔ اسے اپنا ضمیر بالکل پاک

اور بے داغ محسوس ہونے لگا۔ اس نے سکون کا سانس لیتے ہوئے آسمان کی طرف چہرہ اٹھا کر خدا کا شکریہ ادا کیا۔ دوسرے روز شیر خان اور روبی کو شہر کی ایک الگ عدالت میں پیش کیا گیا۔ ان پر پاکستانی سرحد غیر قانونی طور پر پار کرنے کے جرم میں مقدمہ چلا اور دونوں کو ایک خاص مدت تک کی قید ہو گئی۔ دونوں نے قید بڑے سکون سے کاٹی۔ اس کے بعد شیر خان نے اپنے وکیل سے مل کر اپنا کیس تیار کر کے عدالت میں درخواست دائر کر دی کہ میرا انڈیا سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ہم لنکا کے علاقے سے آئے ہیں اور ہمارے رشتہ دار پاکستان میں ہی آباد ہیں۔ ہمارے بزرگ بھی پاکستان ہی کے رہنے والے تھے اور ہم دونوں ایک دوسرے کے منگیتر ہیں اور پاکستان میں آباد ہو کر میاں بیوی کی حیثیت سے نہایت شریفانہ زندگی کی ابتدا کرنا چاہتے ہیں۔ پنجاب کے ایک گاؤں میں شیر خان کے رشتے داروں کا پتا چلا لیا گیا۔ روبی کے باپ دادا اور دوسرے رشتے داروں کا سراغ مل گیا۔ اور انہوں نے تصدیق کر دی کہ شیر خان کے ماں باپ اور روبی کا باپ پنجاب چھوڑ کر ملک برما اور لنکا چلے گئے تھے اور یہ دونوں وہیں پیدا ہوئے اور ان کے بارے میں ان کے ماں باپ انہیں پاکستان میں اکثر خط لکھا کرتے تھے۔ تمام بیانات سننے کے بعد عدالت نے روبی اور شیر خان کے حق میں فیصلہ دے دیا اور انہیں پاکستانی شہری کی حیثیت سے پاکستان میں اپنی نئی زندگی شروع کرنے کی اجازت اور حق مل گیا۔ روبی اور شیر خان بڑے خوش تھے۔ شیر خان کا ایک چچا انہیں اپنے ساتھ گاؤں لے گیا۔ اس کا خیال تھا کہ شیر خان اپنے ساتھ خفیہ طور پر کچھ دولت ضرور لایا ہو گا۔ اس نے سن رکھا تھا کہ اس کے بھائی کا بیٹا سمندر پار اسمگلنگ وغیرہ کرتا ہے۔ اسی گاؤں میں روبی اور شیر خان کی شادی بھی ہو گئی۔ شیر خان کا خیال تھا کہ وہ گاؤں میں رہنے کی بجائے شہر میں جا کر کوئی مکان کرائے پر لے لے گا اور کسی کارخانے میں ملازمت کرنی شروع کر دے گا۔ مگر اس کا تایا تو اس کی خفیہ دولت پر نظر رکھے ہوئے تھا۔ آخر اس نے شیر خان سے پوچھ ہی لیا۔ شیر خان نے کہا۔

"چاچا جی! میرے پاس کچھ رقم تھی مگر میں وہ انڈیا میں ہی چھوڑ آیا ہوں۔ کیونکہ وہ ناجائز کمائی تھی۔ میں اسے پاکستان نہیں لانا چاہتا تھا۔" یہ سنتے ہی شیر خان کے چچا کا مزاج بگڑ گیا' کہنے لگا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"برخوردار! اگر یہ بات ہے تو پھر یہاں سے بوریا بستر اٹھاؤ اور شہر جا کر محنت مزدوری کر کے کماؤ اور کھاؤ۔ ہمارے ساتھ اب تمہارا کوئی تعلق نہیں ہے۔"

شیر خان کو اپنے چچا سے اس سلوک کی امید نہیں تھی لیکن اب وہ وہاں رہنا بھی نہیں چاہتا تھا۔ وہ تو پہلے ہی شہر جا کر رزق حلال کمانا چاہتا تھا۔ چنانچہ اسی روز اس نے روبی کو ساتھ لیا۔ ایک ٹرنک میں کچھ کپڑے رکھے اور بس میں سوار ہو کر لاہور کی طرف روانہ ہو گیا۔ روبی نے راستے میں شیر خان سے کہا

"تم گھبرانا مت۔ میں تمہارے ساتھ کام کروں گی۔ ہم دونوں محنت مزدوری کر کے حلال کی روزی کمالیں گے۔ خدا کا شکر ہے۔ کہ ہمیں یہاں ایک نیک پاک زندگی بسر کرنے کا موقع ملا ہے۔" دونوں جوان تھے۔ دونوں کے دل صاف تھے' نیتیں نیک تھیں' ارادے پاک تھے' رگوں میں نوجوانی کا گرم خون گردش کر رہا تھا۔ پاکستان کی فضاؤں میں انہیں اپنا اور اپنے بچوں کا بڑا روشن مستقبل نظر آرہا تھا۔ دونوں کو اس بات کی بڑی خوشی تھی کہ انہیں جرائم پیشہ زندگی سے نجات مل گئی ہے اور اب وہ پاکستان میں حلال کی روزی کما کر اپنے ہونے والے بچوں کی پرورش کریں گے۔ اپنی گزشتہ زندگی کے گناہوں اور جرائم کو انہوں نے اپنے اندر سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے نکال کر پھینک دیا تھا۔ دونوں کے دل مطمئن تھے۔ دونوں کے ضمیر صاف تھے۔ دونوں میں سے کسی کو بھی دولت کا لالچ نہیں تھا۔ دولت انہوں نے بہت دیکھ لی تھی' اب تو وہ صرف یہ چاہتے تھے کہ تھوڑا بہت کما کر اسی میں گزارہ کریں اور اپنے بچوں کو نیک شہری بنائیں۔ بس میں وہ اسی قسم کی باتیں آپس میں کرتے رہے بس لاہور شہر میں داخل ہو گئی تھی۔ یہ شہر روبی کے لئے بالکل اجنبی تھا۔ شیر خان اس سے پہلے دو مرتبہ یہاں آچکا تھا۔ موسم بڑا خوشگوار تھا۔ مارچ کے مہینے کے آخری دن تھے۔ شیر خان کی جیب میں زیادہ پیسے نہیں تھے۔ لیکن وہ مطمئن تھا۔ اسے یقین تھا کہ وہ شہر میں جاتے ہی کسی ہوٹل یا کسی کارخانے میں نوکری تلاش کر لے گا۔ اور پھر سب ٹھیک ہو جائے گا۔ شیر خان ابھی نوجوان ہی تھا اس کی عمر بیس سال سے نیچے ہی تھی۔ مگر جرائم پیشہ ماحول کی زندگی نے اسے فولاد کی طرح سخت جان بنا دیا تھا۔

بس لاری اڈے پر جا کر رک گئی۔ شیر خان روبی کو لے کر بس سے اترا سامنے سڑک

پار کی عمارتوں کو دیکھا اور بولا

"اس علاقے کو میں جانتا ہوں روبی؟"

روبی نے پوچھا "مگر ہم جائیں گے کہاں شیرے؟" شیر خان نے بے نیازی اور اعتماد سے کہا۔

"اللہ مالک ہے وہی ہمارا بندوبست کرے گا۔" وہ وہیں لاری اڈے میں ایک بنچ پر بیٹھ گئے۔ ان کے پاس صرف ایک پرانا سا ٹرنک اور دری میں لپٹا ہوا بستر تھا۔ شیر خان سوچ رہا تھا کہ وہ اتنے بڑے شہر میں پہلے کسی جگہ جا کر نوکری کی کوشش کرے۔ اسے کوئی ہنر بھی نہیں آتا تھا۔ ہاں اسے ہیرے جواہرات کی پہچان تھی۔ یہ پہچان اسے جنوبی ملکوں میں اسمگلنگ کے دوران ہوئی تھی۔ مگر اس کام پر اسے بھلا کون اپنے ہاں نوکر رکھ سکتا تھا۔ لاہور شہر میں اس کا کوئی واقف کار بھی نہیں تھا۔ ابھی وہ یہ سوچ ہی رہا تھا کہ ایک درمیانے قد کا مضبوط جسم والا آدمی ان کے پاس آیا اس نے قمیص پتلون چپل پہن رکھی تھی۔ سلام کر کے شیر خان کے پاس بیٹھ گیا اور اس سے باتیں کرنے لگا۔ باتوں ہی باتوں میں وہ آدمی جس نے اپنا نام عمر بتایا تھا شیر خان سے کہا کہ وہ اسے ایک مقامی سنیما گھر میں گیٹ کیپری کی نوکری دلوا سکتا ہے۔

"تمہیں ڈیڑھ سو روپے تنخواہ ملے گی۔ اوپر سے تم جتنی چاہو آمدنی بنا سکتے ہو۔ میں تمہیں اپنے ساتھ والی کوٹھری بھی لے دوں گا' تمہارا زنانہ ساتھ ہے اور شہر بہت بڑا ہے' میں نہیں چاہتا کہ تم کسی مصیبت میں پھنس جاؤ' اگر پسند کرو تو ابھی میرے ساتھ چلو' میں سنیما گھر کے منیجر سے تمہیں ملوائے دیتا ہوں۔"

روبی خاموش بیٹھی رہی' شیر خان کو اپنے پر اور اسلامی ملک پاکستان پر بڑا اعتماد تھا۔ اسے نوکری کی اشد ضرورت تھی اور ساتھ ہی رہنے کے لئے کسی کوٹھری کی اس آدمی نے ان دونوں کی پیشکش کی تھی شیر خان راضی ہو گیا۔ روبی نے چلتے وقت شیر خان کے کان میں اتنا ضرور کہا کہ ہمیں سوچے سمجھے بغیر کوئی قدم نہیں اٹھانا چاہئے۔ جس پر شیر خان نے مسکراتے ہوئے روبی کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔

"اللہ مالک ہے۔ یہ اپنا ملک ہے' اپنے بھائی ہیں یہاں۔" وہ آدمی ان دونوں کو ایک

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

چھوٹی سی کوٹھری میں لے آیا جہاں مزدور طبقے کے لوگ رہ رہے تھے۔ ایک کوٹھری دونوں کو دے دی اور شیر خان سے کہا۔

"تم یہاں آرام کرو' میں سنیما گھر کے منیجر سے مل کر آتا ہوں۔" وہ چلا گیا' کچھ دیر بعد واپس آیا تو بڑا خوش تھا۔ شیر خان کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔

"تم خوش قسمت ہو شیر خان' منیجر صاحب نے میری خاص سفارش پر تمہیں نوکر رکھ لیا ہے۔ اب آج شام کو تم سنیما گھر میں جا کر ڈیوٹی شروع کر دو گے۔"

پھر اس نے روبی سے بھی کہا: "بھابی مبارک ہو آپ کو بھی اتنی جلدی آج کل نوکری نہیں ملا کرتی۔" ساتھ ہی جیب سے دس دس روپے کے دس نوٹ نکال کر شیر خان کے سامنے رکھ دیے۔

"منیجر صاحب کو کہہ کر میں نے تمہارے لئے یہ رقم ایڈوانس کے طور پر لے لی ہے۔ اسے رکھ لو' اور ہر ماہ تمہاری تنخواہ سے پانچ روپے کاٹ لئے جائیں گے۔"

شیر خان بڑا خوش ہوا' عمر یہ کہہ کر چلا گیا کہ وہ شام کو آ کر اسے اپنے ساتھ سنیما گھر لے چلے گا۔ شیر خان اسی وقت بازار جا کر نان کباب لے آیا' روبی برما لنکا کے جنگلوں میں سگریٹ پیا کرتی تھی مگر پاکستان میں آتے ہی اس نے سگریٹ کی عادت ترک کر دی تھی' پہلے اس کے بال کٹے ہوئے تھے اور وہ پتلون پہنا کرتی تھی مگر پاکستان میں آتے ہی اس نے بالوں کو بڑھانا شروع کر دیا تھا اور اب سیدھی سادی عورتوں کی طرح بالوں کی چوٹی کرتی تھی اور سر پر ہمیشہ دوپٹے کا پلو ہوتا تھا اور شلوار قمیص میں ملبوس ہوتی تھی' دونوں نے نماز بھی پڑھنی شروع کر دی تھی' شام کو عمر آیا اور شیر خان کو اپنے ساتھ لے گیا' روبی کوٹھری میں ہی رہی اور چارپائی پر بیٹھی اپنے اور شیر خان کے کپڑے ٹرنک سے نکال کر ٹھیک کرنے لگی' وہاں سے تھوڑی دور ایک پرانا سنیما ہاؤس تھا' عمر نے شیر خان کو ایک آدمی سے ملایا جس نے اسے اسی وقت سنیما ہال کے تھرڈ کلاس کے گیٹ کے باہر کھڑا کر دیا اور کہا۔

"آج صرف یہ دیکھتے رہو کہ میں ٹکٹ کیسے کاٹ کر ہال میں جانے والوں کو دیتا ہوں' کل سے تم باقاعدہ کام شروع کر دو گے۔"

شیر خان کی سنیما گھر میں ڈیوٹی رات ساڑھے بارہ بجے ختم ہوتی تھی جب فلم کا آخری

شو ختم ہوتا ہے۔ روبی شام تک کوٹھری میں ہی رہی پھر چادر اوڑھ کر کوٹھری سے باہر آ گئی کہ محلے کی عورتوں سے کوئی بات وغیرہ کرے' محلے کی عورتیں اپنے اپنے کام میں لگی تھیں' کسی نے روبی کی طرف زیادہ توجہ نہ دی۔ بلکہ دو ایک نے تو اسے بڑی مشکوک نظروں سے دیکھا' ایک نے تو بلند آواز میں دوسری سے کہا۔

"اری نئی نئی آئی ہے۔"

روبی کو یہ جملہ اچھا نہ لگا' وہ کوٹھری میں چلی گئی' اسے عمر کہہ گیا تھا کہ شیر خان رات ایک بجے فلم ختم ہونے کے بعد ہی آئے گا' روبی نے اندر سے کنڈی لگا لی' دوپہر کے بچے ہوئے تھوڑے سے کباب نان کے ٹکڑے کے ساتھ کھائے اور چارپائی پر لیٹ گئی' اس کے ذہن میں طرح طرح کے خیال آ رہے تھے۔ مگر وہ بڑی مطمئن تھی اس خیال سے کہ وہ گناہ اور جرائم کی دلدل سے نکل آئی ہے اور شیر خان کے ساتھ عزت آبرو کی زندگی بسر کرے گی۔ باہر کی مسجد سے عشاء کی اذان کی آواز آئی تو روبی جلدی سے اٹھ کر بیٹھ گئی' دوپٹہ سر پر اوڑھے اس نے بڑے ادب سے ساری اذان سنی' پھر باہر مٹی کے مٹکے کے پاس بیٹھ کر اس نے وضو کیا اور کوٹھری میں واپس آ کر نماز پڑھنے لگی' نماز سے فارغ ہو کر اس نے اللہ میاں سے شیر خان کی سلامتی اور اپنی نئی زندگی کی کامیابی کی دعا مانگی اور کوٹھری کو اندر سے کنڈی لگا کر چارپائی پر لیٹ کر خدا کو یاد کرتے ہوئے سونے کی کوشش کرنے لگی' روبی کی پچھلی جرائم پیشہ زندگی نے اتنا ضرور سکھا دیا تھا کہ عورت کو اپنی عزت آبرو کے تحفظ سے کبھی غافل نہیں ہونا چاہئے' روبی کو ہمیشہ سے اس حقیقت کا بھی احساس رہا تھا کہ اس کے پاس نہ کوئی سماجی مرتبہ ہے' سوسائٹی میں اس کا کوئی مقام بھی نہیں ہے' لے دے کر اس کے پاس ایک ہی شے ہے جو اس کی عزت و آبرو ہے' یہی اس کی سب سے انمول دولت ہے اور روبی نے ہر ماحول میں ہر قسم کے حالات میں اپنی جان پر کھیل کر بھی اپنی عزت آبرو کی حفاظت کی تھی' یہاں اس کے پاس اپنی انمول دولت کے تحفظ کے لئے کوئی اسلحہ نہیں تھا' صرف ایک پیاز کاٹنے والی چھری تھی' جو اس نے شیر خان کے چچا کے گھر سے اپنے ٹرنک میں رکھ لی تھی۔ یہی چھری اس وقت بھی روبی کے سرہانے کے نیچے پڑی تھی۔ جب وہ کوٹھری کے اندر چارپائی پر لیٹی سونے کی کوشش کر رہی تھی اور شیر خان کو یاد

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کر رہی تھی۔

اس پر غنودگی سی طاری ہونے ہی لگی تھی کہ باہر سے کسی نے دروازے پر دستک دی' روبی جلدی سے اٹھی اور اس نے پوچھا کون ہے؟ باہر سے آواز آئی۔

"بھابی میں ہوں' عمردین ..... شیر خان کی طبیعت خراب ہو گئی ہے' تمہیں لینے آیا ہوں۔ اس نے تمہیں بلایا ہے۔"

روبی کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی' وہ اٹھ کر دروازہ کھولنے لگی تو پھر اسے چھری کا خیال آگیا۔ اس نے سرہانے کے نیچے سے چھری نکال کر اپنے کپڑوں کے اندر چھپا لی اور دروازہ کھول دیا۔

"کیا ہوا شیر خان کو بھائی وہ خیریت سے ہے نا؟" روبی نے گھبرا کر پوچھا۔ عمردین بولا

"پیٹ میں درد اٹھا اور وہیں دہرا ہو کر بے ہوش ہو گیا منیجر صاحب نے اسی وقت اسے کار میں لٹایا اور ہسپتال پہنچا دیا اب وہ ہوش میں ہے' فکر کی کوئی بات نہیں بھابی' بس تم جلدی سے چلو' وہ تمہیں بار بار یاد کر رہا ہے۔"

روبی واقعی پریشان ہو گئی تھی' وہ اس وقت عمردین کے ساتھ چل پڑی' رات کے گیارہ بجے کا وقت ہو گا۔ کوٹھری کے باہر ایک ٹیکسی کھڑی تھی' عمردین کہنے لگا۔

"میں منیجر صاحب کی گاڑی میں آتا مگر انہیں شیر کا اتنا خیال تھا کہ خود گاڑی میں بیٹھ کر چھاؤنی کی ایک دکان سے اس کے لئے ٹیکے لینے چلے گئے۔ میں ٹیکسی پکڑ کر آیا ہوں' تم گھبراؤ نہیں بھابی' اب شیر خان کی حالت بہتر ہے' پہلے تو ہم سب کو فکر پڑ گئی تھی کہ اللہ خیر کرے' آج اس کا نوکری کا پہلا دن ہے اور ابھی اس کی عمر ہی کیا ہے' اللہ نے بڑا کرم کیا کہ اسے ہوش بھی آگیا اور طبیعت بھی سنبھل گئی۔" عمر اس قسم کی باتیں کرتے جا رہا تھا اور ٹیکسی شہر کے بارونق سڑک سے ایک طرف گھوم کر نسبتاً ویران سی سڑک پر آگئی تھی' روبی کے دل میں کچھ شک شبہ بھی کسی وقت سر اٹھا لیتا مگر شیر خان کی بیماری کا خیال اس پر غالب آجاتا' وہ شیر خان سے محبت کرتی تھی۔ وہ اس کا محبوب خاوند تھا اور وہ اس کے لئے اپنی جان بھی قربان کر سکتی تھی' ایک بار روبی نے عمر سے پوچھا بھی کہ اسپتال کتنی دور ہے ابھی؟ جس کے جواب میں عمر نے بڑی اپنائیت سے جواب دیا۔

"بس بھابی وہ سامنے درختوں کے پیچھے ہے۔" درختوں کے پیچھے روبی کو کسی اسپتال کی کوئی ہلکی سی روشنی بھی دکھائی نہیں دے رہی تھی' پھر بھی اس نے کوئی خیال نہ کیا' اسے عمردین پر بھروسا تھا اور شیر خان کی بیماری نے اسے پریشان بھی کر دیا تھا' ایک جگہ درختوں کے پاس ٹیکسی رک گئی' اچانک دو آدمی ہاتھوں میں پستول لئے سامنے گئے انہوں نے نقاب پہن رکھے تھے' تب عمردین بھی مکاری سے ہنسا اور روبی کی طرف دیکھ کر بولا۔

"لڑکی! بہتر یہی ہے کہ بڑے آرام سے اپنے آپ کو ہمارے حوالے کر دو' ہم نہیں چاہتے کہ تمہارا نوجوان بدن یہاں خاک و خون میں تڑپ رہا ہو۔" روبی عمر کا منہ تکنے لگی' عمردین نے کہا۔

"زندگی چاہتی ہو تو خاموشی سے باہر نکل آؤ اور جیسے ہم کہیں ویسے ہی کرو۔" عمردین نے یہ چیلنج اس لڑکی کو دیا تھا جو اپنی عزت بچانے کے لئے اب تک نہ جانے کتنے بدکار آدمیوں کے پیٹ پھاڑ چکی تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آسمان پر چاند تو نہیں نکلا ہوا تھا مگر ستاروں کی دھندلی روشنی میں روبی کو سب کچھ نظر آرہا تھا۔ عمردین کے ہاتھ میں بھی پستول تھا۔ ایک نقاب پوش نے ٹیکسی ڈرائیور کو اپنے نشانے کی زد میں لے رکھا تھا کہ کہیں وہ بھاگ نہ جائے۔ دوسرے نقاب پوش کے پستول کا رخ بھی روبی کی طرف تھا۔ روبی کے پاس صرف ایک پیاز چھیلنے والی چھوٹی چھری ہی تھی جسے اس نے گھر سے نکلتے وقت اپنے ساتھ رکھی تھی۔ یہ چھری اس کے بائیں جانب شلوار کے نیفے میں لگی ہوئی تھی جہاں اس کا ہاتھ ایک سیکنڈ سے بھی کم مدت میں پہنچ سکتا تھا۔ مگر وہ پاکستان میں کسی کو قتل نہیں کرنا چاہتی تھی اس وقت وہ اس حقیقت کو بھی فراموش کر چکی تھی کہ اس کا مقابلہ پاکستان کے کسی شریف شہری سے نہیں ہے بلکہ ایسے لوگوں سے ہے جو جرائم پیشہ ہیں جن کا کام پاکستان کے شریف لوگوں کی زندگیوں میں زہر گھولنا اور ان کے امن و سکون کو تباہ و برباد کرنا ہے۔ روبی کے چہرے پر کسی قسم کی پریشانی کے آثار نہیں تھے۔ اس نے بڑے نارمل اور پرسکون انداز میں عمردین سے کہا۔

"عمردین! میرے خاوند شیر خان نے تم پر بھروسہ کیا ہے میں تمہیں اپنا بزرگ اور بھائی سمجھتی ہوں یہ جو کچھ تم کر رہے ہو تمہیں زیب نہیں دیتا۔" اس پر عمردین نے روبی کو گالی دی اور تحقیر آمیز لہجے میں کہا۔

"بڑی نیک پاک بنتی ہو میں سب جانتا ہوں۔ سیدھی طرح میرے ساتھ چل نہیں تو یہاں تیسری لاش تڑپ رہی ہو گی۔" روبی کو آج تک کسی نے ایسی گندی گالی نہیں دی تھی۔ مگر وہ مشتعل نہیں ہونا چاہتی تھی۔ خون کا گھونٹ پی گئی ایک بار پھر اس نے عمردین کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"ابھی کچھ نہیں بگڑا عمردین مجھے گھر واپس جانے دو میں شیر خان سے بلکہ کسی کو کچھ نہیں بتاؤں گی۔ تم سے وعدہ کرتی ہوں۔"

مگر اس بدکردار جرائم پیشہ کو کیا خبر تھی کہ اس کے سامنے کون عورت کھڑی ہے وہ نہیں جانتا تھا کہ وہ زخمی شیرنی کے منہ میں ہاتھ ڈالنے کی کوشش کر رہا ہے۔ عمردین نے روبی کو ایک اور گالی دی اور اپنے نقاب پوش ساتھی سے کہا۔

"پکڑ کر نیچے گراؤ اوئے اس کو..... منہ کیا دیکھ رہے ہو اس کا؟"

ایک نقاب پوش نے ٹیکسی ڈرائیور کو پستول کی زد میں لے رکھا تھا دوسرا نقاب پوش روبی کی طرف تیزی سے بڑھا کہ اسے بالوں سے پکڑ کر نیچے گرا دے اب روبی کے سامنے دوسرا کوئی راستہ نہیں تھا۔ پھر بھی اس نے ان میں سے کسی کو ہلاک کرنے سے گریز ہی کیا۔ وہ انہیں تھوڑا سا سبق سکھانا چاہتی۔ جونہی نقاب پوش پستول لئے روبی کے قریب آیا روبی کا ہاتھ شلوار کے نیفے سے چھری نکال چکا تھا۔ پھر ایک بجلی سی چمک کر نقاب پوش بدمعاش پر گری اور دوسرے لمحے اس کا پستول روبی کے ہاتھ میں تھا اور اس کی گردن روبی کے بازو کے شکنجے میں تھی۔ روبی نے اوپر تلے دو فائر کر دیے۔ ایک گولی ٹیکسی ڈرائیور کے پاس کھڑے نقاب پوش کے بازو پر لگی اور دوسری عمردین کی ران کو چیرتی ہوئی نکل گئی وہ لوگ روبی سے اس قسم کے دلیرانہ جوابی حملے کی توقع نہیں کر رہے تھے۔ انہیں گولیاں بھی لگ چکی تھیں۔ روبی نے جان بوجھ کر ان کے بازو اور ٹانگ پر فائر کیا تھا۔ وہ انکی کھوپڑیاں بھی اڑا سکتی تھی لیکن وہ ایسا نہیں کرنا چاہتی تھی۔ دونوں زخمی ہو کر جھک گئے تھے۔ روبی نے لپک کر ان کے پستول چھین لئے تھے۔ دونوں نقاب پوش اور عمردین بے بسی مگر شدید غصے کے عالم میں زمین پر بیٹھے تھے۔ روبی کے دونوں ہاتھوں میں بھرے ہوئے پستول تھے۔ ٹیکسی ڈرائیور نے گاڑی اسٹارٹ کر دی اور وہ وہاں سے بھاگ جانا چاہتا تھا۔ روبی دوڑ کر ٹیکسی ڈرائیور کے سر پر پہنچ گئی۔

"میرے بھائی تمہیں مجھے اس جگہ پہنچانا ہو گا جہاں سے تم مجھے لے کر آئے تھے۔" روبی نے عمردین کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔

"عمردین! اگر میں چاہتی تو جو گولی تمہاری ٹانگ میں لگی ہے وہ دل کے پار بھی ہو سکتی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھی مگر تمہیں اور تمہارے ساتھیوں کو ایک اور موقع دینا چاہتی ہوں۔ اللہ کے حضور اپنے مجرمانہ زندگی سے توبہ کرو اور شریف لوگوں جیسی زندگی بسر کرو میں وعدہ کرتی ہوں کہ اس واقعے کے بارے میں اپنے خاوند شیر خان یا کسی دوسرے کو کچھ نہیں بتاؤں گی۔" یہ کہہ کر روبی ٹیکسی میں بیٹھ گئی۔ ڈرائیور سے کہا

"جتنی جلدی ہو سکے مجھے اس جگہ لے جاؤ جہاں سے لائے تھے۔" ٹیکسی ڈرائیور خوف زدہ تھا۔ اس نے انجن اسٹارٹ کیا اور ٹیکسی کو ریورس کر کے واپس روانہ ہو گیا۔ روبی نے چلتی گاڑی میں سے دونوں پستول عمردین کی طرف اچھال دیئے وہ چاہتی تھی کہ شیر خان کے گھر واپس آنے سے پہلے پہلے وہ کوٹھری میں پہنچ جائے۔ سنیما کا آخری شو بارہ بجے چھوٹتا تھا اور شیر خان ساڑھے بارہ بجے واپس آجاتا تھا۔ ٹیکسی نے بڑی جلدی اسے کوٹھری کے باہر پہنچا دیا۔ روبی کے پاس کوئی پیسہ نہیں تھا اس نے ٹیکسی ڈرائیور سے کہا۔

"میرے بھائی دن کے وقت آکر کرایہ لے جانا وہ سامنے والی کوٹھری ہماری ہے اور ہاں اس واقعے کا ذکر تم بھی کسی سے نہ کرنا۔" ڈرائیور کے دل میں روبی کا احترام بھی پیدا ہو گیا تھا اور اس کی بہادری اور دلیری کا زبردست اثر بھی ہوا تھا۔ اس نے کہا۔

"کوئی بات نہیں بہن جی! یوں سمجھ لیں کہ کرایہ میں نے لے لیا ہے" یہ کہا اور وہاں سے ٹیکسی بھگا کر لے گیا۔

کوٹھری سنسان پڑی تھی۔ لوگ اپنی اپنی کوٹھریوں میں گہری نیند سو رہے تھے۔ روبی کو یہی فکر تھی کہ کہیں شیر خان سنیما سے واپس نہ آگیا ہو یہ دیکھ کر اس کی جان میں جان آئی کہ وہ ابھی تک سنیما سے نہیں لوٹا تھا۔ کوٹھری کا دروازہ بند کر کے روبی نے کنڈی لگا دی اور لیمپ روشن کر کے چارپائی پر کمبل اوپر کر کے لیٹ گئی۔ سنیما کا آخری شو ختم ہونے کے بعد رات ساڑھے بارہ بجے کے قریب شیر خان آیا اس نے مخصوص انداز میں دروازہ کھٹکھٹایا۔ روبی جاگ رہی تھی مگر اس نے یہی ظاہر کیا کہ جیسے گہری نیند سو رہی تھی۔ اس نے دروازہ کھولا۔ شیر خان نے معمول کے مطابق حال احوال پوچھا اور کھانا کھا کر سو گیا۔ روبی نے لیمپ گل کر دیا وہ اپنی بات پر قائم رہی۔ اس نے اپنے ساتھ گزرنے والی سنگین واردات کے بارے میں شیر خان کو کچھ نہ بتایا۔ دوسری رات شیر خان رات کو آیا تو کھانا

کھاتے وقت روبی سے کہنے لگا۔

"عمردین کی ٹانگ حادثے میں زخمی ہو گئی ہے۔ بے چارا تھوڑی دیر کے لئے سنیما آیا تھا لکڑی کے سہارے چل رہا تھا۔"

روبی کو تسلی ہوئی کہ عمردین نے بھی اس واردات کی کسی کو خبر نہیں ہونے دی۔ ویسے وہ اس پوزیشن میں بھی نہیں تھا کیونکہ وہ حملہ آور تھا۔ مگر چونکہ پستول کی گولی لگنے سے زخمی ہو گیا تھا اس اعتبار سے وہ روبی کے خلاف تھانے میں رپٹ درج کروا سکتا تھا۔ پولیس میں اس کا اثر و رسوخ بھی بہت تھا مگر اس نے ایسا نہیں کیا تھا اور روبی کو اس کی یہ بات اچھی لگی تھی کہ عمردین شریفانہ زندگی کی طرف واپس آرہا ہے۔ وہ یہی چاہتی تھی کہ پاکستان میں امن و امان بحال رہے اور جرائم کو ختم کرنے میں ہر پاکستانی اپنا بھرپور کردار ادا کرے۔ اور ایک ہفتے کے بعد عمردین شیر خان کے گھر آیا اس وقت شیر خان سنیما گھر میں ڈیوٹی پر تھا۔ روبی نے دروازے پر دستک کی آواز سن کر پوچھا۔ "کون ہے؟" باہر سے عمر دین نے بڑی عاجزانہ آواز میں کہا۔

"روبی بہن میں ہوں عمردین۔ تم سے معافی مانگنے آیا ہوں۔" یہ دیکھ کر عمردین اپنی مجرمانہ زندگی سے توبہ کر کے راہ راست پر آگیا ہے۔ روبی کو بڑی خوشی ہوئی اس نے دروازہ کھول دیا۔ عمردین لکڑی کے سہارے چل کر کوٹھری میں آیا اور چارپائی پر بیٹھتے ہی اس نے ہاتھ جوڑ دیے اور آنکھوں میں آنسو بھر کر رقت آمیز لہجے میں بولا۔

"بہن! مجھے معاف کر دو۔ تم نے معاف نہ کیا تو حشر کے دن خدا بھی مجھے معاف نہیں کرے گا۔ میں نے تمہارے ساتھ جو سلوک کیا وہ میری پچھلی گناہ آلود زندگی کا حصہ تھا۔ اب میں نے گناہوں سے توبہ کر لی ہے اور عہد کر لیا ہے کہ ساری زندگی شریف آدمیوں کی طرح گزاروں گا میں نے سارے برے لوگوں سے دوستی ختم کر دی ہے۔ اب میں نماز بھی پڑھنے لگا ہوں مگر جب تک تم مجھے معاف نہیں کرو گی میری بہن مجھے سکون نصیب نہیں ہو گا۔"

روبی کا دل ایک عجیب پرسکون کیفیت میں ڈوب گیا۔ اس نے سر پر دوپٹہ درست کرتے ہوئے کہا: "بھائی! میں خود گناہگار ہوں کسی کو معاف کرنے کے لائق نہیں ہوں۔" عمر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دین بچوں کی طرح رونے لگا اور روبی کے قدموں پر گر گیا۔ روبی جلدی سے پیچھے ہٹ گئی۔

"یہ کیا کرتے ہو بھائی؟" عمردین نے سسکی بھر کہا۔

"بہن! میں نے تمہارے ساتھ زیادتی کی تھی تم نے مجھے معاف نہ کیا تو قیامت کے دن میری رسوائی ہو گی۔ اللہ بھی شاید مجھے معاف نہیں کرے گا۔ میں تمہارے پاؤں پڑتا ہوں ایک بار اپنی زبان سے کہہ دو کہ تم نے مجھے معاف کر دیا۔" روبی نے جب دیکھا کہ عمر دین پر رقت طاری ہے تو اس نے کہہ دیا۔

"ہاں بھائی میں خدا کو گواہ بنا کر کہتی ہوں کہ میں نے تمہیں معاف کیا۔ مجھے تم سے کوئی گلہ شکایت نہیں ہے۔" عمردین جلدی سے اٹھ کر چارپائی پر بیٹھ گیا اور دونوں ہاتھ پھیلا کر چھت کی طرف چہرا اٹھا کر بولا۔

"میرے پروردگار! میری بہن نے مجھے معاف کر دیا اب تو بھی میرے گناہ بخش دے۔ تو بڑا رحیم و کریم ہے۔" اس کے بعد عمردین نے روبی کا شکریہ ادا کیا کہ اس نے پولیس میں رپورٹ نہیں کی تھی۔ روبی بولی۔

"بھائی عمردین! میں نے تو تمہیں اسی وقت کہہ دیا تھا کہ میں چاہتی ہوں کہ تم برائی چھوڑ کر نیکی کا راستہ اختیار کرو اس واسطے میں کسی سے اس واردات کا ذکر نہیں کروں گی۔ میں نے شیر خان کو بھی کچھ نہیں بتایا بھائی! پاکستان اسلامی ملک ہے اس ملک میں ہمیں اسلام کے بتائے ہوئے راستے پر چل کر نیک پاک زندگی بسر کرنے چاہئے۔ تاکہ ہم دنیا میں اور آخرت میں بھی سرخرو ہوں۔"

عمردین فرط عقیدت سے بار بار سر ہلاتا اور کہتا۔

"سبحان اللہ! میری بہن کے خیالات کتنے اچھے ہیں۔ بہن! میں اب کبھی کوئی برا کام نہیں کروں گا۔ میں نے سب برے دوستوں سے ناتا توڑ لیا ہے۔ میری بہن! اگر کبھی تمہیں اپنے بھائی کی مدد کی ضرورت محسوس ہوئی تو مجھے صرف اطلاع کر دینا۔ تم دیکھنا کہ تمہارا یہ بھائی عمردین تم پر اپنی جان بھی نثار کر دے گا۔" یہ کہا اور عمردین پرنے کے پلو سے آنسو پونچھتا باہر نکل گیا۔

روبی کا دل خوشی سے بھر گیا۔ وہ سوچنے لگی کہ یہ اس کی پہلی کامیابی ہے۔ اس کے

اچھے سلوک نے ایک برے شخص کو سیدھے راستے پر ڈال دیا ہے۔ یہ بہت بڑی بات تھی روبی نے اللہ کے حضور سجدہ شکر ادا کیا اور پاکستان کی سلامتی کے لئے دل سے دعائیں مانگنے لگی۔

ایک روز عمردین مٹھائی کا ڈبہ لے کر آگیا۔ وہ دن کے گیارہ بجے آیا جب شیر خان بھی گھر پر تھا۔ علیک سلیک کے بعد چارپائی پر بیٹھ گیا۔ شیر خان نے پوچھا۔

"عمر! یہ مٹھائی کا ڈبہ کس خوشی میں لائے ہو۔" عمردین جذباتی لہجے میں بولا۔

"شیر خان! تم جانتے ہی ہو کہ میں نے برے کاموں سے توبہ کر لی ہے۔" شیر خان نے سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا۔

"ہاں یہ تو مجھے معلوم ہے اور مجھے اس کی بڑی خوشی ہے۔" روبی زیر لب مسکراتی ہوئی کیتلی میں چائے کے لئے چولہے پر پانی رکھ رہی تھی۔ عمردین کہنے لگا۔

"لیکن شاید یہ تمہیں معلوم نہیں ہو گا کہ مجھے سیدھی راہ دکھانے میں سب سے زیادہ ہاتھ تمہاری بیوی اور میری چھوٹی بہن روبی کا ہے۔" شیر خان نے روبی کی طرف دیکھا۔ عمر دین بولا۔

"ہاں شیرے! میں نے تمہیں کبھی بتایا نہیں ایک روز میں تمہیں سینما فیجر کا کوئی پیغام دینے تمہارے گھر آیا تو روبی بہن نے میری صدری کی جیب میں رکھا ہوا پستول دیکھ لیا پھر اس نیک بہن نے کچھ ایسے انداز میں مجرموں والی زندگی چھوڑ کر نیک زندگی اپنانے کے بارے میں سمجھایا کہ میری کایا ہی پلٹ گئی۔ میری بہن کی زبان میں اللہ تعالیٰ نے ایسی تاثیر پیدا کر دی تھی کہ میں نے اسی وقت گناہوں سے توبہ کر لی۔ تب سے میں نے اپنے سارے برے ساتھیوں کی صحبت کو ترک کر دیا ہے اور تمہیں معلوم ہی ہے کہ اب میں کسی جرائم پیشہ شخص سے نہیں ملتا۔ اب میں تمہارے سامنے روبی کو اپنی چھوٹی بہن بنانے کا اعلان کرتا ہوں اور یہ مٹھائی اسی خوشی کے موقع کے لئے لایا ہوں۔ شیر خان! تم بڑے خوش قسمت ہو جو تمہیں روبی جیسی بیوی ملی ہے۔ میں نے ایسی بلند کردار والی عورت پہلے کبھی نہیں دیکھی۔" شیر خان مسکرانے لگا۔

روبی کی آنکھوں میں خدا کی محبت سے آنسو آگئے۔ اس کے دل پر رقت طاری ہو گئی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

شیر خان نے صدری کی جیب میں سے ایک لفافہ نکال کر کھولا۔ اس میں نائیلون کا ایک سبز رنگ کا دوپٹہ تھا۔ یہ دوپٹہ اس نے اٹھ کر روبی کے سر پر اوڑھا دیا اور بولا۔

"میری بہن! اپنے بڑے بھائی کی طرف سے یہ حقیر تحفہ قبول کرو۔ آج سے تم میری سگی بہن ہو۔ تمہاری عزت میری عزت ہے۔ تمہاری غیرت میری غیرت ہے اور اگر ایسا وقت آیا تو تمہارا بھائی تمہاری عزت کے واسطے اپنی جان بھی تم پر قربان کر دے گا۔" شیر خان کی کوٹھری میں ایک دم سے بڑی جذباتی فضا پیدا ہو گئی۔ عمردین نے مٹھائی کا ڈبہ کھول کر روبی کی طرف بڑھایا۔

"میری بہن! تھوڑی مٹھائی لے کر اپنے بھائی کی عزت بڑھاؤ۔" تھوڑی دیر بیٹھنے کے بعد عمردین چلنے کے لئے اٹھا۔ شیر خان سے بڑی گرمجوشی سے ہاتھ ملایا اور روبی کے سر پر شفقت بھرے انداز میں ہاتھ رکھا اور خدا حافظ بہن کہہ کر چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد شیر خان نے روبی سے کہا۔

"یہ تو تم نے کمال کر دیا۔ میں بھی کئی دنوں سے دیکھ رہا تھا کہ عمردین کافی بدل گیا ہے وہ دن میں دو ایک بار میرے پاس آکر بیٹھ جاتا۔ کبھی نماز کا وقت پوچھتا۔ کبھی قبر کے عذاب اور آخرت کی باتیں کرنے لگتا۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ یہ کارنامہ تمہارا ہے۔" روبی نے کانوں کو ہاتھ لگا کر کہا۔

"میں کس قابل ہوں شیرے! یہ تو سب اللہ کا کرم ہوا ہے عمردین پر اللہ نے میری زبان میں تاثیر عطا کی اور پھر عمردین کا دل پلٹ دیا۔" پھر وہ شیر خان کے پاس چارپائی پر بیٹھ گئی اور کہنے لگی۔

"شیرے! تمہیں تو معلوم ہی ہے کہ ہماری زندگی گناہوں میں گزری ہے۔ نہ جانے ہمارے ہاتھوں سے کتنے آدمی قتل ہوئے ہیں۔" شیر خان بولا۔"مگر وہ سب کے سب قاتل تھے۔ وہ بھی کئی خون کر چکے تھے۔" روبی نے کہا۔"ٹھیک ہے تم ٹھیک کہتے ہو لیکن شیرے یہ کوئی اچھی زندگی نہیں تھی۔ مجھے تو اس وقت بھی یہ احساس رہتا تھا کہ میں گناہ کی دلدل میں پھنس گئی ہوں۔ خدا کا شکر ہے کہ ہم پاکستان آگئے اور میں اس دلدل سے نکل آئی۔ خدا نے ہمیں اپنے آزاد اسلامی ملک پاکستان کا شریف شہری بنا دیا ہے۔ ہم پوری آزادی اور

اسلام کے بتائے ہوئے اصولوں کے مطابق زندگی بسر کرتے ہیں اس سے زیادہ ہمیں اور کیا چاہئے شیرے؟ کتنی دولت ہم نے نہیں دیکھی؟ کروڑوں کے ہیرے جواہرات اور ہیروئین کے تھیلے ہمارے ہاتھوں سے اسمگل ہوئے۔ برما اور سیلون کے جنگلوں میں ہم عیش کی زندگی بسر کرتے تھے مگر یہ زندگی گناہ کی زندگی تھی۔ موت کی زندگی تھی چنانچہ جب ہم وہاں سے جان بچا کر بھاگے تو کوئی دولت ہمارے کام نہ آئی۔ وہ دولت ہماری جان کی دشمن بن گئی تھی۔ ہم کتنے خوش قسمت ہیں کہ اس وقت آزاد مسلمان ملک میں عزت آبرو کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ رزق حلال کما رہے ہیں۔" شیر خان بولا "اس میں کوئی شک نہیں روبی۔ ہم گناہوں کی دلدل سے نکل آئے ہیں۔ ورنہ دوسرے جرائم پیشہ لوگوں اور اسمگلروں کی طرح آج ہماری ہڈیاں بھی برما یا سیلون کے کسی جنگل میں یا کسی دریا کی تہہ میں بے گور و کفن پڑی ہوتیں۔ ویسے یہ تم نے بڑے ثواب کا کام کیا ہے جو عمردین ایسے عادی مجرم کو سیدھی راہ پر لے آئی ہو۔" روبی نے گہرا سانس بھر کر کہا۔

"میری کیا بساط ہے شیرے! میں تو گناہ گار عورت ہوں۔ اللہ میاں کی توفیق نہ ہوتی تو میری زبان میں کبھی تاثیر پیدا نہ ہوتی۔ خدا میرے گناہ معاف کرے۔"

اس روز سنیما ہاؤس میں میٹنی شو تھا۔ شیر خان کھانا کھانے کے بعد ایک بجے سنیما ہاؤس چل دیا۔ روبی نے برتن وغیرہ صاف کر کے اپنی جگہ پر رکھے۔ بستر ٹھیک کئے کوٹھری اور صحن میں جھاڑو دے کر منہ ہاتھ دھویا۔ پھر سامنے والے کوارٹر سے سکینہ کو آواز دے کر بلایا اور دونوں تخت پوش پر بیٹھ کر باتیں کرنے لگیں۔ روبی نے اپنے حسن سلوک اور اچھے اخلاق سے کوٹھری والوں کو اپنا گرویدہ بنا لیا تھا۔ وہ ہر ایک سے اس کا حال پوچھتی ان کے بچوں کو پیار کرتی۔ گھریلو مسائل میں ان کو مشورے دیتی۔ ان میں سے کسی کو بھی روبی کی گزشتہ زندگی کے بارے میں کچھ علم نہیں تھا۔ روبی نے بھی اپنی پرانی جرائم پیشہ زندگی کا باب بند کر دیا تھا وہ بڑی خوش تھی کہ غریب لیکن مخلص لوگوں میں شریفانہ زندگی بسر کر رہی ہے۔

عمردین بڑے بھائی کی حیثیت سے ہفتے میں ایک آدھ چکر ضرور لگاتا۔ وہ خاص طور پر اس وقت آتا جب شیر خان گھر پر موجود ہوتا تھا۔ عمردین کبھی خالی ہاتھ نہ آتا۔ کبھی تھوڑی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مٹھائی اور کبھی پھل فروٹ لے آتا۔ روبی کی خیر خیریت معلوم کرتا۔ تھوڑی دیر بیٹھتا اور پھر چل دیتا۔ اس طرح وقت گزرتا چلا گیا سردیوں کا موسم نکل گیا تھا۔ فروری مارچ کے خوشگوار بہار کے دن تھے کہ ایک روز عمردین نے شیر خان سے کہا

"آؤ یار کنٹین میں چل کر چائے پیتے ہیں۔" شام کا شو شروع ہو چکا تھا۔ شیر خان کو گیٹ پر کھڑے رہنے کی ضرورت نہیں تھی۔ پھر سنیما کی کنٹین بھی قریب ہی ایک کمرے میں بنی ہوئی تھی۔ دونوں چائے منگوا کر پینے لگے۔ عمردین نے شیر خان کو سگریٹ پیش کیا اور اسے لائٹر سے سلگاتے ہوئے بولا۔

"شیر خان! بھائی بن کر ایک سوال پوچھنا چاہتا ہوں کیا تم اس کی اجازت دیتے ہو؟" شیر خان نے سگریٹ کا کش لگایا اور مسکراتے ہوئے کہا۔

"عمر! یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟ تم ہمارے ہی گھر کے آدمی ہو۔ پوچھو کیا پوچھنا چاہتے ہو۔" عمردین شیر خان کی طرف ذرا سا جھک گیا کہنے لگا۔

"تمہاری شادی کو دو سال تو ضرور ہو گئے ہیں۔ مگر تمہارے ہاں ابھی تک کوئی اولاد کیوں نہیں ہوئی، تم ابھی نوجوان ہو اس عمر میں اولاد پیدا ہو جائے تو وہ تمہاری جوانی میں ہی تمہارا بازو بن جائے گی۔" شیر خان نے اپنے چمکیلے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے کہا۔

"اولاد تو اللہ کی طرف سے دی جاتی ہے۔ ویسے میں نے روبی کا ایک دائی سے معائنہ کرایا تھا اس نے کچھ عجیب سی بات بتائی کہنے لگی اولاد دیر سے ہو گی جو اللہ کو منظور، یار۔" عمردین نے کہا۔

"نہیں شیرے۔ اولاد بڑی ضرورت ہوتی ہے۔ اولاد کے ساتھ ہی تو مرد کا نام چلتا ہے۔ خاندان کا نام چلتا ہے اور اولاد اسی عمر میں ہونی چاہئے دیر سے ہوئی تو تم بوڑھے ہو چکے ہو گے اور اولاد ابھی چوتھی جماعت میں ہی ہو گی۔" شیر خان بولا۔

"لیکن اس میں میرا کیا عمل دخل ہے۔ میں تو بالکل ٹھیک ٹھاک ہوں۔ باقی جب اللہ کی مرضی ہوئی گھر میں بچہ بھی آجائے گا۔" عمردین خاموشی سے چائے پینے لگا۔ پھر پیالی میز پر رکھی اور بڑی اپنائیت کے انداز میں کہنے لگا۔

"شیر خان! سب کام اللہ کی مرضی سے ہی ہوتے ہیں مگر اس کے لئے وہ وسیلہ بھی پیدا

کرتا ہے۔ چنانچہ اس کی مرضی سے جو کام بھی ہوتا ہے اس میں کسی نہ کسی کا وسیلہ ضرور ہوتا ہے۔"

"ہاں یہ تو ہے۔" شیر خان نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ عمردین کہنے لگا۔

"میرے بھائی اس وقت ایک وسیلہ موجود ہے اگر تم پسند کرو تو اللہ کی مرضی اور اس شخص کے وسیلے سے تمہارے گھر میں بہار آسکتی ہے۔" شیر خان نے عمردین کی طرف دیکھا پوچھا۔

"وہ کیا وسیلہ ہے؟" عمردین بولا۔

"بس یوں سمجھ لو شیرے کہ ایک بیٹا تمہارے گھر میں آگیا ہے۔ میری بات غور سے سنو۔ تمہارے سنیما گھر میں آنے سے پہلے کی بات ہے کہ میں گجرات شہر کے ایک ہوٹل میں بیٹھا کھانا کھا رہا تھا کہ ایک اونچا لمبا گھنگھریالے سیاہ بالوں والا آدمی ہوٹل میں داخل ہوا اور کونے والی خالی کرسی پر بیٹھ کر سگریٹ کے لمبے لمبے کش لگانے لگا۔ وہ بڑا گرانڈیل قسم کا آدمی تھا رنگ گہرا سانولا تھا اور آنکھیں لال انگاروں کی طرح چمک رہی تھیں۔ دوپہر کا وقت تھا ہوٹل میں کافی گاہک بیٹھے کھانا وغیرہ کھا رہے تھے اور چائے پی رہے تھے۔ سب لوگ اس پراسرار آدمی کی طرف دیکھنے لگے۔ کیونکہ اس کی آنکھیں بڑی سرخ تھیں۔ اب اس آدمی نے کیا کیا کہ بیٹھے بیٹھے ڈکار لینی شروع کر دی۔ ڈکار اتنی زبردست تھی کہ لوگوں کو سخت ناگوار گزری۔ ایک آدمی نے ہمت کر کے اسے کہہ ہی دیا کہ جناب! ہوٹل میں بیٹھنے کے بھی کچھ آداب ہوتے ہیں اس شخص نے گھور کر اعتراض کرنے والے کی طرف دیکھا اور جیسے بڑے جلال میں آکر کہا "اچھا یہ بات ہے تو میں اپنے ڈکار تمہیں دیتا ہوں۔ لو بھائی شیر خان میرے دیکھتے دیکھتے اس اعتراض کرنے والے کو ڈکار شروع ہو گئے اس کے بعد اسے ہچکی لگ گئی اسے بہتیرا پانی وغیرہ پلایا گیا مگر ڈکار اور ہچکی اسی طرح جاری رہے۔ لوگ اسے لے کر کسی ڈاکٹر حکیم کی طرف دوڑ پڑے۔ لوگوں پر اس آدمی کا بڑا رعب پڑ گیا۔ میں بھی بڑا متاثر ہوا میں فوراً اس کے پاس جا کر ادب سے بیٹھ گیا اور بڑے احترام سے اس آدمی کے گھٹنے چھوئے اور کہا حضور! میرے لائق کوئی خدمت ہو تو بتائیں بندہ حاضر ہے۔ آپ تو بڑے کرنی والے ہیں میرے حق میں دعا کیجئے وہ آدمی میری اس عاجزی پر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بہت خوش ہوا کہنے لگا میرے ساتھ آؤ وہ ہوٹل سے نکل کر مجھے ریلوے لائن کے پاس ایک کوارٹر میں لے آیا وہ یہاں ٹھہرا ہوا تھا وہاں اس کی بڑی زبردست آؤ بھگت ہو رہی تھی وہ کمرے میں دری پر گاؤ تکیے کے سہارے بیٹھ گیا سب کو اس نے باہر نکال دیا پھر مجھ سے پوچھا تمہارے پاس کوئی کاغذ ہے؟ میں نے جیب میں سے پاکٹ بک نکال کر کہا حضور میرے پاس یہ پاکٹ بک ہی ہے اس میں سے جتنے چاہیں کاغذ لے لیجئے اس شخص نے پاکٹ بک میں سے کچھ سفید کاغذ پھاڑے پاکٹ بک مجھے واپس کی اور سفید کاغذوں کو دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیوں میں آہستہ آہستہ ملنے لگا۔ تھوڑی دیر کے بعد اس نے کاغذ میری طرف اچھال دیے اور جلالی آواز میں بولا۔

"تم نے ہمارا ادب کیا تھا ہم تم سے خوش ہوئے ابھی یہ لے جاؤ باقی پھر کبھی دیکھا جائے گا۔" میں نے گول مچھا بنے سفید کاغذوں کو کھول کر الگ الگ کیا تو یہ دیکھ کر میرے ہوش غائب ہوگئے کہ سفید کاغذ ہزار ہزار روپے کے نوٹوں میں تبدیل ہو چکے تھے اس زمانے میں ابھی نیا نیا ہزار کا نوٹ چلا تھا یہ کل آٹھ ہزار روپے تھے یعنی ہزار ہزار کے آٹھ نوٹ ..... وہ آدمی کہنے لگا یہ جعلی نوٹ نہیں ہیں اصلی ہیں اس وقت پاکستان اسٹیٹ بنک کے خاص کمرے میں جو لکڑی کے بڑے صندوق نوٹوں سے بھرے پڑے ہیں ان میں سے ہزار ہزار کے آٹھ نوٹ اس وقت تمہارے ہاتھ میں آچکے ہیں اس کا کسی سے ذکر نہ کرنا پھر اس نے گھر والوں کو اندر آنے کی اجازت دے دی باداموں والی سبز چائے کا دور شروع ہو گیا لوگ آکر اپنی غرض بیان کرتے وہ شخص انہیں کچھ نہ کچھ ہدایت کرتا کسی کو جھڑک کر باہر نکال دیتا کہ یہاں کیوں آئے ہو کسی کو آتے ہی گالیاں دینے لگتا' وہ بے چارہ شرمسار ہو کر واپس پلٹ جاتا۔

اس دوران دو عورتیں بھی آئیں جن کو ڈاکٹروں نے کہہ دیا تھا کہ ان کے ہاں کبھی بچہ پیدا نہیں ہو گا۔ اس شخص نے جس کا نام تو مجھے معلوم نہیں تھا مگر جسے سب پیر شاہ پیر شاہ کہہ کر پکارتے تھے' ان عورتوں کی طرف ایک نظر دیکھا اور جلالی آواز میں کہا۔ جاؤ۔ اللہ کے حکم سے اگلے سال تمہارے ہاں ایک ایک لڑکا پیدا ہو گا جو خاندان کا نام روشن کرے گا۔ ایک لڑکا آیا جو گونگا تھا۔ پیر شاہ نے اس کی زبان پر انگلی پھیری اور دوسرے لمحے

وہ گونگا لڑکا باتیں کرنے لگا۔ ایک آدمی آیا اس کے گھٹنے جڑ گئے تھے۔ وہ گھسٹ گھسٹ کر چلتا تھا۔ پیر شاہ نے اس کے گھٹنوں پر باری باری ہاتھ پھیرا اور وہ آدمی میری آنکھوں کے سامنے اٹھ کر چہل قدمی کرنے لگا۔ میں نے تو پیر شاہ کے پاؤں دبانے شروع کر دیے اور اپنے گھر لاہور آنے کی دعوت دی۔ مگر اس نے کہا کہ ہم فقیر لوگوں کا کچھ پتہ نہیں ہوتا کہ کل ہم کہاں ہوں گے۔ لیکن تم نے ہمارا ادب کیا ہے ہماری خدمت کی ہے ہم جب بھی پنجاب آئے تمہیں ضرور خبر کر دیں گے اور تمہاری ہر خواہش اللہ کے حکم سے پوری کریں گے۔ میں بڑا خوش ہوا۔ رات کو دس بجے پیر شاہ یہ کہہ کر کوارٹر سے باہر نکلے کہ ابھی آتا ہوں ایک جن صاحب آئے ہیں ان سے ملاقات کر لوں۔ وہ کوارٹر سے نکل کر کیکر کے درختوں کی طرف چلے گئے مگر اس کے بعد واپس نہ آئے۔ وہاں گھر والوں نے کہا کہ پیر شاہ جی ایسے ہی غائب ہو جایا کرتے ہیں۔

لو بھائی شیر خان میں دل میں پیر شاہ کی محبت اور عقیدت لئے واپس آگیا۔ ان کے دیئے ہوئے ہزار روپے کے نوٹ بھی تڑوا لئے یہ بڑی کافی رقم تھی مگر میری بدقسمتی کہ میں ساری کی ساری رقم جوئے میں ہار گیا۔

شیر خان بڑے غور اور دلچسپی سے عمردین کی داستان سن رہا تھا اور اس نے پوچھا۔

"کیا ان عورتوں کے ہاں؟ اگلے سال لڑکا پیدا ہوا؟" عمردین بولا۔

"میں نے دوسرے سال اسی جگہ جا کر ان لوگوں سے دریافت کیا تو مجھے بتایا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے دونوں عورتوں کو دو چاند سے بیٹے عطا کئے ہیں۔ لیکن پیر شاہ دوبارہ وہاں نہیں آئے تھے۔"

اتنی کہانی سنانے کے بعد عمردین خاموش ہو گیا۔ اس کا چہرہ جذبات سے سرخ ہو رہا تھا یوں لگتا تھا جیسے وہ کسی بہت بڑی خوش خبری کو چھپا رہا ہے۔ شیر خان نے سادہ دل اور عام مسلمان نوجوان ایسے تجسس کے ساتھ پوچھا۔

"کیا پیر شاہ سے پھر کبھی ملاقات ہوئی؟" اس پر عمردین نے شیر خان کا بڑے زور سے ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر دبایا ور بولا۔

"ہاں شیر خان آج ہی مجھے پیر شاہ کا پیغام ملا ہے کہ مجھے آکر ملو۔" شیر خان نے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"بھائی عمردین ان سے میری بھی ملاقات کرا دو۔"

عمردین نے اپنے ماتھے پر ہلکا ---- ہاتھ مار کر کہا۔

"میرے بھائی یہ ساری کہانی میں نے کس لئے بیان کی ہے؟" پھر بڑی رازداری سے کہنے لگا۔" میں آج ہی پیر شاہ سے ملنے جا رہا ہوں میں جاتے ہی ان کے پاؤں پڑ جاؤں گا اور گڑگڑا کر تمہارے ہاں لڑکے کی ولادت کے واسطے عرض کروں گا۔ پیر شاہ میری بات کبھی نہیں ٹالتے اور ان کا کہا اکسیر ہوتا ہے۔ اب مجھے یقین ہو گیا ہے کہ پیر شاہ کے وسیلے سے اللہ میاں میری چھوٹی بہن کی جھولی ضرور بھر دے گا اور انشاء اللہ لڑکا ہی ہو گا۔"

شیر خان سیدھا سادا مسلمان نوجوان تھا۔ پڑھا لکھا بھی نہیں تھا بڑا خوش ہو گیا کہنے لگا۔

"یار جاتے ہی پیر شاہ سے میری بات کرنا اگر انہوں نے بلایا تو ہم دونوں ان کی خدمت میں خود حاضر ہو جائیں گے۔"

عمردین نے شیر خان کے کندھے کو ہاتھ سے دبا کر کہا۔

"یہ میری بہن کی ازدواجی زندگی کا معاملہ ہے اس کی گھریلو خوشیوں کا معاملہ ہے تم فکر نہ کرو۔ میں دوپہر کے بعد جا رہا ہوں۔ ابھی میں تمہیں یہ نہیں بتا سکتا کہ پیر شاہ کہاں ٹھہرے ہوئے ہیں۔ کیونکہ انہوں نے اپنے آدمی کو خاص طور پر یہ کہہ کر بھیجا تھا کہ ان کے ٹھکانے کا کسی کو علم نہ ہو۔ بڑے جلالی پیر ہیں یہ تو میری خوش قسمتی ہے کہ انہوں نے میرے پاس خود اپنا آدمی بھیج کر بلایا ہے۔"

"ہاں یار۔" شیر خان! اتنا کہہ کر خاموش ہو گیا۔ رات کو شو ختم ہونے کے بعد شیر خان نے گھر آ کر روبی سے بات کی تو اس نے کسی قسم کے رد عمل کا اظہار نہ کیا۔ روبی بھی ایک عام کم پڑھی لکھی نوجوان لڑکی تھی مگر وہ حقیقت پسند واقع ہوئی تھی کہنے لگی۔

"اولاد تو اللہ تعالیٰ کی جب مرضی ہو گی پیدا ہو جائے گی۔" شیر خان نے روٹی کھاتے ہوئے کہا۔

"ہاں روبی! مگر اس کے لئے خدا وسیلہ بھی پیدا کر دیتا ہے۔" روٹی کھانے کے بعد اس نے روبی کو بڑے پیار سے کہا۔

"روبی میں بھی چاہتا ہوں کہ ہمارے گھر میں بھی معصوم بچے کی قلقاریوں کی آواز

آئے' جانتی ہو اس عمر میں اولاد ہو گئی تو وہ ہماری جوانی میں ہی ہمارے برابر کی ہو جائے گی اور ہماری دوست بنے گی۔" روبی نے کوئی جواب نہ دیا چارپائی پر منہ دیوار کی طرف کر کے لیٹ گئی۔

دو دن عمردین سنیما ہاؤس نہ آیا۔ اس نے چھٹی لے لی تھی۔ تیسرے دن شو شروع ہونے سے پہلے آ گیا۔ شیر خان کے گلے میں بازو ڈال کر اسے کنٹین میں لے آیا۔ وہ بڑا خوش دکھائی دے رہا تھا۔ شیر خان نے پوچھا پیر شاہ سے ملاقات ہوئی؟" عمردین بولا۔

"یار شیرے تم اور ہماری بہن روبی خدا کی قسم دونوں ہی بڑے خوش قسمت ہو۔" شیر خان جلدی سے بولا۔

"یار جلدی بتاؤ۔ کیا بات ہوئی ان سے؟" عمردین نے دو سگریٹ سلگائے ایک اپنے لئے اور ایک شیر خان کے لئے پھر ایک گہرا کش لگایا اور شیر خان کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہنے لگا۔

"شیرے! پیر شاہ نے ہماری بہن کو بلایا ہے تمہاری قسمت کھل گئی ہے شیرے بھائی۔" شیر خان نے دلچسپی کا اظہار کرتے ہوئے استفسار کیا۔

"یار ساری بات سناؤ۔ وہاں کیا بات ہوئی؟" عمردین بولا۔

"میں پیر شاہ کے حضور میں حاضر ہوتے ہی ان کے قدموں پر گر پڑا۔ جاتے ہی بڑی عاجزی سے تمہاری بات عرض کر دی اور ان کے پاؤں پکڑ کر کہا۔ حضور میں خالی ہاتھ واپس نہیں جاؤں گا۔ یہ میری میرے بھائی اور میری بہن کی زندگی موت کا معاملہ ہے۔ پہلے تو پیر شاہ نے اپنے پاؤں پیچھے کر لئے اور غصے میں بولے۔ آتے ہی دوسروں کی بات شروع کر دی۔ ہم نے تمہیں اس لئے نہیں بلایا تھا۔ میں نے ایک بار پھر ان کے پاؤں پکڑ لئے اور تمہاری اولاد کے واسطے فریاد کی۔ پیر شاہ چونکہ مجھ سے گہرا لگاؤ رکھتے ہیں اس لئے کچھ نرم پڑ گئے۔ ایک دم جلال میں آ گئے۔ ایک بازو اوپر اٹھایا اور گونج دار آواز میں کہا، لڑکا ہو گا۔ لڑکا ہو گا جاؤ اسے میرے سامنے لاؤ۔ یہی اللہ کی مرضی ہے۔ مجھے کچھ پڑھ کر عمل کرنا ہو گا۔ جاؤ دیر نہ کرو۔ وقت نکل جائے گا وقت بڑا تنگ ہے تم نے مجھے مجبور کر دیا ہے۔ کیا کروں تمہاری بات نہیں ٹال سکتا ..... میں تو اسی وقت وہاں سے اٹھ کر دوڑا۔ دروازے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے نکل ہی رہا تھا کہ پیر شاہ کی آواز آئی۔ کہاں جا رہے ہو؟ ہمارے پاس آئے ہو تو ہم سے باتیں کرو۔ کچھ اپنے لئے بھی لیتے جاؤ۔ میں وہیں رک گیا پیر شاہ نے کہا کہ عمردین ابھی رک جاؤ ہم نے تمہارے بھائی اور تمہاری بہن کے واسطے کچھ مہلت لے لی ہے۔ ایک دن بعد واپس جانا۔ چنانچہ میں دو دن پیر شاہ کی خدمت میں حاضر رہا۔ اس بار وہ دریا کنارے ایک ٹیلے کے پاس امرود کے اجڑے ہوئے باغ میں ٹھہرے ہوئے ہیں وہاں کسی کو آنے کی اجازت نہیں ہے۔ یہاں تک کہ ان کا میزبان بھی ان کی اجازت کے بغیر وہاں قدم نہیں رکھ سکتا۔"

اس کے بعد عمردین نے واسکٹ کی جیب سے اپنی پاکٹ بک نکال کر کھولی۔ اس میں ہزار روپے کا ایک نوٹ تہہ کر کے رکھا تھا۔ وہ نوٹ شیر خان کو دکھا کر کہنے لگا۔ پیر شاہ نے میرے چلنے سے پہلے اپنے قریب پڑا ہوا ایک ردی کاغذ اٹھا کر ہاتھوں میں مسلا اور اس کا ہزار روپے کا نوٹ بنا کر مجھے دے دیا۔ کہنے لگے یہ تمہارے اور تمہاری بہن کے آنے جانے کے خرچ کے لئے ہے۔ یہ تم رکھ لو شیر خان۔" شیر خان نے ہاتھوں کو پیچھے ہٹاتے ہوئے کہا۔

"نہیں نہیں عمردین۔ اس کی ضرورت نہیں ہے۔"

عمردین نے زبردستی نوٹ شیر خان کی جیب میں ٹھونس دیا۔

"یار یہ پیر شاہ نے صرف تمہارے لئے بھیجا ہے۔ خدا کے واسطے مجھے گناہ گار نہ کرو۔ یہ تمہاری امانت ہے بس اب تم تیاری پکڑو۔ پیر شاہ کا کوئی پتا نہیں کہ کب چل دیں۔ کہیں یہ سنہری موقع ہاتھ سے نہ نکل جائے۔" شیر خان نے پوچھا۔

"مجھے بھی ساتھ جانا ہو گا ناں؟"

"کیوں نہیں" عمردین نے بھویں اوپر اٹھاتے ہوئے کہا۔ "تم بھی ساتھ چلو گے۔ ہو سکتا ہے پیر شاہ تم سے نہ ملیں۔ صرف روبی بہن کو ہی دم کرنے کے واسطے بلائیں۔ ابھی میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ لیکن بہرحال یہاں سے ہم تینوں اکٹھے ہی چلیں گے۔ اب تم جا کر تیاری کرو۔ ہم صبح کی لاری سے روانہ ہو جائیں گے۔" شیر خان نے پوچھا "جانا کہاں ہو گا؟" عمردین بولا "یہاں لاہور کے قریب تیس چالیس میل کے فاصلے پر ایک جگہ جانا ہو گا۔ پیر شاہ

نے مجھے اس جگہ کا نام بتانے سے منع کیا ہے لیکن مجھے وہ جگہ معلوم ہے۔ زیادہ سے زیادہ سہ پہر تک واپس لاہور آجائیں تم ایک دن کی چھٹی لے لینا۔ تمہاری جگہ میں نے دوسرے آدمی کا انتظام سوچ لیا ہے۔ اللہ بخش تمہاری جگہ گیٹ پر ڈیوٹی دے گا۔ منیجر سے بھی بات کر لوں گا۔ میں صبح سات بجے تمہارے پاس آجاؤں گا۔ تم دونوں تیار رہنا۔"

شیر خان حسب معمول رات کے پونے ایک بجے سنیما ہاؤس میں گیٹ کیپری کی ڈیوٹی ختم کر کے گھر پہنچا۔ اس نے روبی کو ساری بات بتائی روبی پہلے تو راضی نہ ہوئی کہنی لگی۔

"ایک تو اصلی پیر ہوتے ہیں جو خلق خدا کی خدمت کرتے ہیں ان کو دنیا کا کوئی لالچ نہیں ہوتا۔ یہ سچے پیر ہوتے ہیں مگر ایک جعلی اور نقلی پیر ہوتے ہیں جو دنیاوی عیش و آرام کو حاصل کرنے کے واسطے پیری فقیری کی دکان سجاتے ہیں۔ وہ کسی کے کام نہیں آسکتے بلکہ الٹا لوگوں کا مال بٹورتے ہیں۔" شیر خان نے کہا۔

پیر شاہ پیر اصلی ہے۔ ان کو کوئی لالچ نہیں ہے دنیا کا۔ اس نے تو ہم سے کچھ بھی طلب نہیں کیا وہ تو کسی سے ملتا بھی نہیں۔ یہ تو عمردین کی وجہ سے تمہارے لئے دعا کرنے پر راضی ہو گیا ہے۔ ہمارا کیا جاتا ہے۔ تھوڑی دیر کے لئے جانا ہے دوپہر کے بعد واپس آجائیں گے۔ اگر اللہ اس شخص کی دعا کے وسیلے سے تمہاری جھولی بھر دے اور ہمارے گھر میں بھی ننھا سا بچہ کھیلتا نظر آنے لگے تو ہمیں انکار نہیں کرنا چاہئے۔"

روبی کو بھی کبھی کبھی یہ خیال آتا تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس کے ہاں اولاد نہ ہو اور شیر خان محض اولاد کی وجہ سے دوسری شادی کر لے۔ اسے شیر خان سے محبت تھی۔ اس نے صرف محبت کی خاطر شیر خان سے شادی کی تھی اور اس سے الگ ہونے کا تصور بھی نہیں کر سکتی تھی چنانچہ وہ تیار ہو گئی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اگلے دن ٹھیک صبح سات بجے عمردین آگیا۔ اس کے ہاتھ میں مٹھائی کا ڈبہ تھا کہنے لگا۔

"تمہیں کچھ لے جانے کی ضرورت نہیں۔ اپنی بہن کی طرف سے میں نے یہ مٹھائی لے لی ہے۔" اس نے ڈبہ روبی کے حوالے کرتے ہوئے کہا۔

"بہن! یہ تم پیر شاہ کی خدمت میں پیش کر دینا۔ کہتے ہیں ان لوگوں کے پاس خالی ہاتھ نہیں جانا چاہئے وہ کوئی دعا پڑھ کر تم پر پھونکیں گے بس پھر سب ٹھیک ہو جائے گا انشاء اللہ!"

لاری اڈے پر آکر وہ ایک لاری میں سوار ہو گئے۔ لاری لاہور سے شیخوپورے کی طرف روانہ ہو گئی کوئی ایک گھنٹے بعد لاری کو عمردین نے ایک کھال کے کنارے رکوایا اور روبی اور شیر خان کو لے کر لاری سے اتر پڑا کہنے لگا۔

"یہاں سے پیر شاہ کا ڈیرہ تھوڑی فاصلے پر ہی ہے۔" اور وہ کھال کے کنارے مغرب کی طرف چل پڑا روبی اور شیر خان بھی اس کے ساتھ تھے۔ عمردین سارا راستہ پیر شاہ کی جلالی باتیں انہیں سناتا رہا۔ ایک جگہ وہ کھال کی ڈھلان اتر کر باجرے کے کھیت میں داخل ہو گئے۔ کھیت ختم ہوا تو سامنے امرودوں کا ایک کافی بڑا باغ تھا جو ویران تھا۔ ابھی تک انہیں کوئی دیہاتی ادھر ادھر چلتا پھرتا نظر نہیں آیا تھا۔ عمردین کہنے لگا۔

"باغ کے پیچھے ایک کوٹھری میں پیر شاہ تشریف رکھتے ہیں۔" باغ کے دوسرے کنارے پر وہ رک گیا۔ سامنے ایک جگہ کیکر کے درختوں میں کوٹھری دکھائی دی جس کا آدھا دروازہ کھلا تھا۔ عمردین نے شیر خان کو وہیں رک جانے کو کہا۔

"پیر شاہ کے جلالی مزاج کو میں خوب جانتا ہوں۔ انہوں نے روبی کو ہی بلایا ہے۔ میں

روبی کے ساتھ جاتا ہوں۔ تم اسی جگہ ٹھہرو۔ اگر پیر شاہ کا حکم ہوا تو میں تمہیں آکر لے جاؤں گا۔"

شیر خان کو کیا اعتراض ہو سکتا تھا وہ وہیں امرود کے ایک درخت کے نیچے بیٹھ گیا۔ عمر دین نے روبی کو ساتھ لیا اور کوٹھری کی طرف بڑھا۔ وہاں سے کوٹھری کا فاصلہ کوئی سو ڈیڑھ سو فٹ کے قریب ہو گا۔ روبی خاموشی سے عمردین کے پیچھے پیچھے چل رہی تھی۔ جب وہ کوٹھری کے قریب پہنچے تو اندر سے ایک آدمی نکلا اس نے ہاتھ میں ڈول پکڑ رکھا تھا۔ عمر دین کو دیکھ کر وہ اس کے پاس آیا اور بولا۔

"بھائی جی! شاہ صاحب تمہارا انتظار کر رہے ہیں جلدی جاؤ۔" عمردین اور روبی کوٹھری میں داخل ہو گئے۔ اس کے ساتھ ہی ایک بھاری اور رعب والی آواز گونجی۔

"دروازہ بند کر دو عمردین۔" عمردین نے جلدی سے کوٹھری کا آدھ کھلا دروازہ بند کر دیا۔

کوٹھری میں مٹی کے تیل کا لیمپ جل رہا تھا۔ روبی کو خیال آیا کہ یہ کیسا شخص ہے دن کے وقت لیمپ جلا کر بیٹھا ہے۔ اس نے دیکھا کہ کوٹھری میں دیوار کے ساتھ دو چار مونڈھے رکھے ہوئے ہیں۔ ان کے قریب ہی ایک تخت پوش پر دری بچھی ہے۔ ایک بھاری بدن کا گھنگھریالے بالوں اور گہرے سانولے رنگ والا آدمی بیٹھا تسبیح پھیر رہا ہے۔ ریشمینے کی سفید چادر اس نے اس طرح کندھوں پر ڈال رکھی ہے کہ اس کے گلے میں لٹکتی منکوں کی مالا صاف نظر آرہی ہے۔ کوٹھری کی فضا اگر بتیوں کی خوشبو سے بوجھل ہو رہی تھی۔ عمردین نے جھک کر سلام کیا اور روبی کو بھی اشارہ کیا۔ روبی نے بھی تھوڑا سا جھک کر سلام کیا۔ عمردین ہاتھ باندھ کر بولا۔

"حضور! یہ وہ لڑکی ہے جس کے بارے میں میں نے آپ سے عرض کی تھی۔" روبی ذرا سی چونکی۔ عمردین نے پہلی بار اسے لڑکی کہہ کر پکارا تھا۔ ورنہ وہ ابھی تک اسے بہن ہی کہتا آیا تھا۔ پیر شاہ نے اپنی لال انگارہ ایسی آنکھیں اٹھا کر روبی کو گھور کر دیکھا۔ پھر آہستہ آہستہ جھومنے لگا۔ ہاتھ کے اشارے سے روبی کو تخت پوش کے سامنے مونڈھے پر بیٹھنے کو کہا۔ عمردین نے روبی کو آہستہ سے ٹھوکا دیا۔ وہ مونڈھے پر بیٹھ گئی پیر شاہ نے ایک گول

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ڈبی میں سے سفوف کی پڑیا نکالی اور روبی کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"ایک خوراک ابھی کھانی ہو گی۔" عمردین جھٹ گلاس میں پانی ڈال کر لے آیا۔ روبی نے پڑیا کھول کر دیکھی۔ پھر اسے ذرا سا چکھایا وہ فوراً سمجھ گئی کہ یہ کوکین ہے۔ اس نے پندرہ سال برما سیلون کے جنگلوں میں مقیم خطرناک قسم کے اسمگلروں میں بسر کئے تھے جن کا کام ہی کوکین وغیرہ اسمگل کرنا تھا۔ وہ بھلا کوکین کو کیسے نہ پہچانتی۔ ایک سیکنڈ کے اندر اندر اس کی آنکھوں کے سامنے ایک پردہ سا ہٹ گیا' مگر وہ ضبط کئے رہی۔ اس نے عمردین سے کہا۔

"میں یہ خوراک نہیں کھاؤں گی۔ شاہ جی سے کہو دم کر دیں مجھ پر تاکہ میں واپس جا سکوں۔"

عمردین کو اتنا علم ہو گیا تھا کہ یہ ہے تو لڑکی مگر اسے جرائم پیشہ زندگی کا بڑا گہرا تجربہ ہو چکا ہے۔ اس رات وہ روبی کو لڑتے اور فائرنگ کرتے دیکھ چکا تھا۔ سمجھ گیا کہ روبی نے کوکین کی شناخت کر لی ہے۔ یہ باتیں اس نے پیر شاہ کو بھی بتا رکھی تھیں۔

پیر شاہ نے جلالی آواز میں کہا۔

"اگر یہ دوائی نہ کھائی تو میں دم نہیں کروں گا اور تم ساری زندگی اولاد سے محروم رہو گی۔" روبی نے بڑے تحمل سے جواب دیا۔

"میں نے آپ کو اپنا فیصلہ بتا دیا ہے شاہ جی۔ میں یہ دوائی نہیں کھاؤں گی۔" پیر شاہ نے عمردین کی طرف معنی خیز نگاہوں سے دیکھا۔

عمردین اس وقت روبی کے پیچھے کھڑا تھا۔ اس کا ایک ہاتھ صدری کی جیب میں تھا۔ پیر شاہ کا اشارہ پاتے ہی بجلی کی طرح اس کا ہاتھ صدری کی جیب میں سے نکلا اور دوسرے لمحے ایک رسی روبی کی گردن میں پڑی تھی جسے ایک دم سے عمردین نے تین چار بل دے دیے۔ روبی کی آنکھیں باہر کو ابل پڑیں۔ پردہ اٹھ چکا تھا اور اصل منظر روبی کے سامنے آگیا تھا۔ نقلی پیر شاہ بھی اپنے اصلی روپ میں آگیا۔ وہ تخت پوش پر سے چھلانگ لگا کر روبی پر جھپٹا اور دوسری رسی سے اس کے دونوں ہاتھ پیچھے باندھ دیئے۔ روبی زخمی شیرنی کی طرح تڑپ کر ان بدمعاشوں کے چنگل سے نکلنے کی کوشش کرنے لگی۔ مگر اتنے میں تیسرا آدمی

بھی کوٹھری میں آگیا۔ انہوں نے آن کی آن میں روبی کے منہ پر اتنا کس کر کپڑا باندھ دیا کہ وہ بمشکل سانس لے سکتی تھی۔ عمردین نے دبی ہوئی مگر غصیلی آواز میں کہا۔

"تاجے اس کو تخت پوش پر باندھ دے۔" روبی کو تخت پر گرانے کی کوشش کرنے لگے انہوں نے روبی کے پاؤں نہیں باندھے تھے۔

روبی اپنا آخری داؤ استعمال کر سکتی تھی۔ یہ اس کا خاص داؤ تھا اور شازو نادر ہی ناکام ہوتا تھا۔ اس پکڑ دھکڑ میں روبی نے دو قدم پیچھے ہٹ کر پوری طاقت سے اپنے سیدھے پاؤں کو نقلی پیر شاہ کی ناف سے ذرا نیچے مارا۔ وہ اگرچہ گرانڈیل تھا مگر ضرب اتنی شدید اور تکلیف دہ تھی کہ اس کا سارا بدن سن ہو گیا اور وہ پیٹ کو پکڑ کر وہیں ڈھیر ہو کر گر پڑا۔ دوسرا وار چشم زدن میں روبی نے اسی آدمی پر کیا جو ڈول ہاتھ میں پکڑے کوٹھری کے باہر ملا تھا مگر یہ وار خالی گیا۔ اتنی دیر میں عمردین اور اس آدمی نے روبی کو قابو کر لیا۔ وہ چیخ مار کر باہر شیر خان کو خبر کرنا چاہتی تھی مگر اس کا منہ بندھا ہوا تھا وہ بول نہیں سکتی تھی اس کے حلق سے صرف غوں غاں کی آوازیں ہی نکل رہی تھیں۔ عمردین نے روبی کے بالوں کو پکڑ کر زور سے جھٹکا دیا اور غصے میں بولا۔

"میں نے اسی دن تم سے بدلا لینے کا فیصلہ کر لیا تھا جس دن تم نے مجھ پر پستول کا فائر کر کے مجھے زخمی کیا تھا۔ تم مجھے نہیں جانتی ہو۔ میں جس عورت کو چن لوں پھر وہ میرے ہاتھ سے بچ کر کہیں نہیں جا سکتی۔"

نقلی پیر کی تکلیف کچھ کم ہو گئی تھی۔ وہ پیٹ کو ہاتھ سے ملتا ہوا اٹھا اور گالی دے کر بولا

"اس کی اکڑ میں نکالتا ہوں۔" عمردین نے روبی کے پاؤں تخت پوش کے پایوں سے باندھتے ہوئے کہا۔" پہلا حق میرا ہے تاجے۔ معلوم ہوا کہ نقل پیر کا نام تاجا تھا اور وہ چھٹا ہوا بدمعاش عمردین کا ساتھی تھا۔ عمردین ایک سوچی سمجھی اسکیم پر عمل کرتے ہوئے روبی کو وہاں بے آبرو کرنے کے واسطے لایا تھا۔ نقلی پیر نے پستول نکال کر اس کی نالی روبی کے سر کے ساتھ لگا دی اور دبی دبی مکروہ آواز میں بولا۔

"اسے بے آبرو کر کے اسی جگہ دفن کر دیں گے لاش باہر لے جانے کی ضرورت

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نہیں۔" دوسرا بدمعاش بولا۔

"اس کا خاوند امرود کے باغ میں بیٹھا ہے میں اسے جا کر وہیں ختم کر دیتا ہوں۔" نقلی پیر نے عمردین کو گالی دی اور کہا۔

"تم اس حرامی کو ساتھ کیوں لائے تھے؟" عمردین نے بھی جواب میں گالی دے کر کہا۔

"اگر اسے نہ لاتا تو یہ عورت بھی یہاں نہیں آسکتی تھی۔ اب بک بک بند کرو۔"

اندر یہ خونی ڈرامہ ہو رہا تھا اور باہر کوٹھری سے ڈیڑھ سو فٹ کے فاصلے پر امرود کے درخت تلے بیٹھا شیر خان بے چین سا ہو کر اٹھا اور کوٹھری کی طرف چل پڑا۔ روبی کو کوٹھری میں گئے کافی دیر ہو گئی تھی شیر خان کے دل میں طرح طرح کے وسوسے پیدا ہونے لگے تھے۔ وہ کوٹھری کے قریب آیا تو اس کا دروازہ کھلا شیر خان جلدی سے دیوار کے ساتھ ہو گیا کوٹھری میں سے تیسرا بدمعاش باہر نکلا اس کے ہاتھ میں پستول تھا وہ شیر خان کا کام تمام کرنے امرود کے درخت کی طرف جانے والا تھا۔ پستول کو دیکھتے ہی شیر خان سارا معاملہ سمجھ گیا وہ ان پڑھ ضرور تھا مگر اناڑی نہیں تھا۔ اس کے اندر ایک جوالا مکھی پھٹ پڑا تھا۔ وہ بپھرے ہوئے چیتے کی طرح تیسرے بدمعاش پر لپکا۔ اس کے ہاتھ پر اپنا طاقتور ہاتھ مارا۔ پستول نیچے گر پڑا۔ تیسرا بدمعاش ہکا بکا سا ہو کر رہ گیا شیر خان نے جلدی سے پستول اٹھایا وہ اس پر فائر کرنے ہی والا تھا کہ کوٹھری کے اندر سے روبی کی چیخ کی آواز آئی۔ اس نے شیر خان کو آواز دی تھی۔ شیر خان کوٹھری کی طرف پلٹا۔ تیسرا بدمعاش وہاں سے بھاگ پڑا۔ شیر خان نے اندر جاتے ہی اوپر تلے دو فائر کر دیئے۔ روبی نے چلا کر کہا۔

کسی کو قتل نہ کرنا شیرے۔ میری عزت محفوظ ہے۔" لیمپ کی روشنی کے ساتھ اب باہر سے دن کی روشنی بھی کوٹھری میں آرہی تھی۔

شیر خان نے پستول کا رخ عمردین اور نقلی پیر شاہ کی طرف کر دیا۔ اس کے چہرے پر انتقام کی آگ کے شعلے لپک رہے تھے۔ روبی تخت پوش پر بندھی پڑی تھی۔ اس پر قابو پانے کی جدوجہد میں روبی کے منہ پر بندھا ہوا کپڑا ہٹ گیا تھا جس کے ساتھ ہی روبی نے چیخ مار کر شیر خان کو آواز دی تھی۔ نقلی پیر کے ہاتھ میں بھی پستول تھا۔ عمردین خالی ہاتھ تھا۔ یہ سب کچھ ایک سیکنڈ سے بھی کم وقفے میں ہو گیا۔ شیر خان کے پستول سے گولی

دھماکے کے ساتھ فائر ہو کر نقلی پیر کے پستول کو لگی اور وہ ہاتھ پکڑ کر وہیں دہرا ہو گیا۔ شیر خان نے گرج کر کہا۔

"عمرے۔ تو بھی اس بدمعاش کے پاس بیٹھ جا۔" عمردین کو شیر خان کی خونخوار آنکھوں میں اپنی موت نظر آرہی تھی۔ اس نے ہکلاتے ہوئے کہا۔

"میرا کوئی قصور نہیں ہے شیرے۔ اس پیر شاہ کی نیت خراب ہو گئی تھی۔" روبی نے کہا۔

"یہ جھوٹ بولتا ہے۔ ساری اسکیم اسی کی تھی۔ یہ ہمیں دھوکے سے یہاں لایا تھا۔ یہ مجھے بے آبرو کر کے ہم دونوں کو قتل کرنا چاہتے تھے۔" شیر خان کی رگیں پھڑک رہی تھیں۔ اس نے دانت پیس کر کہا۔

"روبی! تو مجھے انہیں قتل کیوں نہیں کرنے دیتی؟" روبی نے کہا۔"شیرے! ہم اپنے ملک میں کسی کو قتل نہیں کریں گے اپنے آپ پر قابو پاؤ۔ میری رسیاں کھولو....."

شیر خان کے ایک ہاتھ میں بھرا ہوا پستول تھا جس کا رخ دونوں بدمعاشوں کی طرف تھا۔ دوسرے ہاتھ سے اس نے روبی کے ہاتھوں کو کھول دیا۔ روبی نے اپنے پاؤں خود کھول لئے۔

"عمردین!" شیر خان نے عمردین کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔"تو نے یار بن کر یار ماری کی ہے۔ تو نہایت گھٹیا آدمی ہے۔ تو مجھے اور میری بیوی کو نہیں جانتا۔ ہم نے وہ کچھ کیا ہے کہ تیرے باپ دادا نے بھی نہ کیا ہو گا۔ مگر ہم نے کبھی یار ماری نہیں کی۔ کبھی اپنے دوست کے اعتماد کا خون نہیں کیا۔ خدا کی قسم تم دونوں کو قتل کر دینا میرے لئے ایسا ہی ہے جیسے دو چونٹیوں کو مسل دینا۔ مگر روبی نے مجھے منع کر دیا ہے۔ ٹھیک ہے ہم نے پاکستان میں آکر عہد کیا تھا کہ یہاں امن امان کی زندگی بسر کریں گے یہ ملک اسلام کے نام پر بنا ہے یہاں ہم اپنے ہاتھ خون سے نہیں رنگیں گے۔ ہمارے ہاتھوں پر پہلے ہی اتنا خون لگا ہے کہ ساری عمر دھوتے رہیں تو وہ نہیں اترے گا۔ مگر یہ خون بدمعاشوں اور قاتلوں کا خون ہے کسی بے گناہ شریف انسان کا خون نہیں۔" روبی اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ شیر خان نے ایک بار پھر روبی سے کہا۔"میں انہیں زندہ نہیں چھوڑنا چاہتا روبی۔ یہ انسانیت کے نام پر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دھبا ہیں۔ یہ عزتوں کے قاتل ہیں۔ پاکستان ایسی پاک جگہ پر ان کا وجود باقی نہیں رہنا چاہئے۔" روبی اس وقت عمردین کے ہاتھ رسی سے پیچھے کی طرف باندھ رہی تھی۔ وہ کہنے لگی۔

"نہیں شیرے نہیں۔ ہم قانون اپنے ہاتھ میں نہیں لیں گے۔ بہت پر نچے اڑائے ہیں ہم نے قانون کے۔ مگر اب ہم ایسا نہیں کریں گے۔ یہاں ہمیں قانون کا احترام کرنا ہو گا۔ ہم انہیں قانون کے حوالے کریں گے۔"

عمردین اور نقلی پیر شاہ ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے۔ انہیں شیر خان سے ایسے نرم سلوک کی توقع نہیں تھی۔ روبی نے نقلی پیر شاہ کے ہاتھ بھی پیچھے کس کر باندھ دیئے۔ اس کے بعد شیر خان بھی اس کے ساتھ ہو گیا۔ انہوں نے اپنے پرانے تجربوں سے کام لیتے ہوئے دونوں بدمعاشوں کو تخت پوش کے ساتھ چینیوں کے اسٹائل میں اس طرح رسیوں سے جکڑ دیا کہ وہ ذرا سا ہل بھی نہیں سکتے تھے۔ اس کے بعد دونوں باہر آ گئے۔ روبی نے شیر خان سے کہا۔

"تم یہاں رہو یہاں آس پاس کسی گاؤں میں کوئی نہ کوئی پولیس چوکی ضرور ہو گی۔ میں وہاں پولیس کو اطلاع دینے جاتی ہوں۔" شیر خان طویل سانس بھر کر بولا۔

"روبی! میں ان دونوں کو زندہ نہیں دیکھ سکتا۔" روبی نے شیر خان کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر دبایا اور بولی۔

"یاد ہے سیلون کے جنگلوں سے نکلتے وقت ہم نے کیا عہد کیا تھا؟ یہی کہ ہم اسلامی ملک اپنے نئے وطن پاکستان جا رہے ہیں۔ وہاں جا کر ہم جرائم پیشہ زندگی سے توبہ کر کے امن و امان کی زندگی گزارنی شروع کریں گے۔ تم یہاں باہر بیٹھو۔ میں پولیس کو لے کر بہت جلد آ جاؤں گی۔" روبی جانے لگی تو شیر خان نے کہا۔

"تیسرا بدمعاش ادھر کو بھاگا تھا۔ ہو سکتا ہے وہ کہیں راستے میں مل جائے یہ پستول اپنی حفاظت کے لئے پاس رکھو۔ میں اندر سے دوسرا پستول لے لیتا ہوں۔" روبی نے پستول اپنے لباس میں چھپا لیا اور تیز تیز قدموں سے امرود کے باغ میں چل پڑی اس کے جاتے ہی شیر خان کوٹھری میں واپس آیا۔ عمردین اور نقلی شاہ تا حال اسی حالت میں تخت پوش کے ساتھ

جکڑے ہوئے بیٹھے تھے۔ عمردین، شیر خان سے معافی مانگنے لگا۔ نقلی پیر نے جلالی آواز میں کہا۔

"میں تمہیں جلا کر راکھ کر دوں گا۔ تم میری طاقت سے واقف نہیں ہو۔" شیر خان کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔ اس نے نقلی پیر شاہ کا پستول زمین پر سے اٹھایا۔ اس کا میگزین دیکھا اس میں چار گولیاں باقی تھیں۔ میگزین بند کر کے شیر خان نقلی پیر کے پاس آ کر تخت پر بیٹھ گیا۔ پھر اس مکار شخص کو بالوں سے پکڑ کر ایک شدید جھٹکا دیا۔ پستول کی نالی اس کے منہ کے اندر ڈال کر حلق تک لے گیا۔ نقلی پیر شاہ کا سانس رکنے لگا۔ شیر خان نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اسے پنجابی میں ایک ایسی گالی دی جو نقلی پیر شاہ نے بدمعاش ہوتے ہوئے بھی زندگی میں پہلے کبھی نہیں سنی تھی۔ شیر خان نے اپنے اندر پھٹتے ہوئے جوالا مکھی کے طوفان کو بمشکل روکتے ہوئے کہا۔

"اس عورت کو دعائیں دو جس کو تم بے آبرو کرنا چاہتے تھے اور جس نے تمہاری بہن کی طرح تمہیں بھائی جان کر تمہاری جان بچائی ہے۔" پھر اس نے پستول کی نالی بدمعاش نقلی پیر کے حلق سے باہر کھینچ لی۔ اس کے بعد عمردین کے نتھنے میں پستول کی نالی ڈال دی اور کہا۔

"تم نے تو خدا کو حاضر ناظر جان کر روبی کو اپنی بہن بنایا تھا کیا تم لوگ اپنی بہنوں سے ایسا سلوک کرتے ہو؟ تم کتنے نیچ ہو۔ تم نے پاکستان کے باعزت غیرت مند لوگوں کو بدنام کر رکھا ہے۔ کاش میں تم دونوں کو قتل کر سکتا۔ جس کو تم نے رسوا کرنے کا ناپاک منصوبہ بنایا اسی نے تیری جان بخشنے کی سفارش کی ہے۔ مگر تم نے ایسا کیوں کیا؟ ہم نے تمہارا کیا بگاڑا تھا؟ کیا تمہیں معلوم نہیں تھا کہ تم نہ صرف ایک مکروہ گناہ کر رہے ہو بلکہ ایک آدم خور شیر کے منہ میں ہاتھ ڈال رہے ہو؟"

عمردین کا رنگ سفید ہو گیا تھا۔ اب اسے اس بات کا ثبوت مل گیا تھا کہ روبی نے ٹیکسی والی رات کی واردات کے بارے میں شیر خان کو کچھ نہیں بتایا تھا۔ وہ معافی مانگنے لگا۔ شیر خان نے پستول کی نالی اس کے نتھنے سے تیزی سے کھینچی اور اس کی پسلیوں میں زور سے لات مار کر کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"زبان کو بند رکھ سانپ کی اولاد!" شیر خان کا خون کھول اٹھا تھا۔ اس پر ہیجانی کیفیت طاری تھی۔ روبی نے اس کے ہاتھ باندھ کر رکھ دیے تھے وہ خود بھی پاکستان میں کسی مسلمان کے خون سے اپنے ہاتھ نہیں رنگنا چاہتا تھا۔ وہ تیز تیز قدم اٹھاتا کوٹھری سے نکل گیا دروازہ بند کر کے وہ وہیں دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا اور اپنے حواس پر قابو پانے کی کوشش کرنے لگا۔

روبی چلتے چلتے کھال کے دوسرے کنارے پہنچ گئی تھی۔ اسے کچھ فاصلے پر درختوں میں گھرا ہوا ایک گاؤں دکھائی دیا۔ ایک کسان ہل کاندھے پر رکھے اس کے قریب سے گزرا تو روبی نے اس سے پوچھا کہ یہاں پولیس چوکی کہاں ہے؟ کسان نے گاؤں کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"گاؤں میں ہے بیٹی۔" روبی پر رقت سی طاری ہو گئی۔ کسان نے اسے بیٹی کہہ کر پکارا تھا۔ یہ پاکستان کی حقیقی آواز تھی۔ یہ پاکستان کے حقیقی لوگ تھے۔ عمردین اور نقلی پیر شاہ پاکستان کے چہرے نہیں تھے۔ یہ وہ بدکردار مکروہ چہرے تھے جو پاکستان کی بدنامی کا باعث تھے اور جنہیں جیل کی سلاخوں کے پیچھے نظر آنا چاہئے جیل ہی ان کا اصلی مقام تھا اور ایک نہ ایک دن وہ وہیں پہنچ جاتے ہیں۔

روبی گاؤں میں داخل ہو گئی یہ کافی بڑا گاؤں تھا۔ شاید کوئی قصبہ تھا۔ دور سے چھوٹا سا لگتا تھا۔ پوچھتے پوچھتے وہ پولیس چوکی جا پہنچی۔ ایک کوٹھری میں ٹوٹی پھوٹی کرسیوں پر دو سپاہی اور ایک محرر بیٹھے نمک لگا لگا کر سنترے کھا رہے تھے۔ انہوں نے روبی کو اوپر سے نیچے تک دیکھا۔ روبی نے مختصر لفظوں میں سارا واقعہ بیان کر دیا اور کہا کہ میری طرف سے رپورٹ درج کریں۔ اور مجرموں کو جا کر گرفتار کر لیں۔ محرر سپاہیوں کی طرف دیکھ کر ذرا سا مسکرایا۔ پھر ایک دم سنجیدہ ہو کر روبی سے مخاطب ہوا۔

"بی بی! کہیں الٹا تم پر کیس نہ بن جائے سوچ لو۔ میرا مطلب ہے اس میں تمہاری بدنامی بھی ہو سکتی ہے۔ تمہارا کیا مشورہ ہے بی بی کو میاں داد؟" دوسرے سپاہی نے بھی محرر کی ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے روبی سے کہا۔

"بی بی! تم اپنے آدمی کو لے کر شہر جاؤ ہم ملزموں کو جا کر پکڑ لائیں گے۔ اس میں

تمہاری بدنامی کا ڈر ہے۔ ویسے ہم ملزموں کو چھوڑیں گے نہیں۔" محرر نے جب ایک بار پھر روبی کو واپس شہر چلے جانے کا مشورہ دیا تو روبی کو غصہ آگیا اس نے کہا۔

"آپ قانون کا بھی خیال نہیں کرتے؟ اگر آپ لوگوں نے رپورٹ درج نہ کی تو میں لاہور جا کر ڈی۔ایس۔پی صاحب سے فریاد کروں گی۔" اس پر دونوں سپاہی اٹھ کھڑے ہوئے۔ محرر نے سپاہیوں کو ڈانٹ کر کہا۔

"اوئے جاؤ' جا کر ان کمینوں کو گرفتار کر کے لاؤ' جنہوں نے ایک نیک بی بی کو خراب کرنے کی کوشش کی ہے۔ ابھی اس نقلی پیر اور اس کے ساتھی کو یہاں پیش کرو۔" اسی وقت محرر نے روبی کا بیان قلمبند کیا۔ روبی نے جیب سے پستول نکال کر میز پر رکھ دیا' محرر ایک دم پیچھے ہٹ گیا۔

"یہ پستول کہاں سے آگیا بی بی۔"

"روبی نے کہا۔" "ان بدمعاشوں میں سے ایک بدمعاش کا پستول ہے' چونکہ ان کا تیسرا ساتھی بھاگ گیا تھا اسی لئے میں نے حفاظت کے لئے یہ پستول ساتھ رکھ لیا۔"

محرر نے پنسل سے کان کھجاتے ہوئے کہا۔" اس کا لائسنس کہاں ہے بی بی؟ یہ تو الٹا آپ پر کیس بن سکتا ہے۔"

روبی نے عاجز آتے ہوئے کہا۔ "میں آپ کو بیان دے چکی ہوں کہ یہ میرا پستول نہیں ہے' ان بدمعاشوں کا ہے۔ اس کا لائسنس ان سے طلب کریں۔"

محرر چپ ہو گیا۔ پھر سپاہیوں سے مخاطب ہو کر چلایا۔ "اوئے جاؤ ملزموں کو پکڑ کر لاؤ تم یہاں کھڑے کیا کر رہے ہو؟" دونوں سپاہی رائفل اٹھائے روبی کے ساتھ روانہ ہو گئے۔ شیر خان نے روبی کو دور سے دو پولیس کے سپاہیوں کے ہمراہ آتے دیکھا تو اٹھ کھڑا ہوا سپاہی کوٹھری میں گئے۔ اندر عمردین اور نقلی پیر شاہ اسی طرح تخت کے ساتھ جکڑے پڑے تھے۔ پولیس کو دیکھتے ہی دونوں فریاد کرنے لگے کہ ان لوگوں نے اپنے آدمیوں سے مل کر ہمیں زدوکوب کیا ہے۔ ہمارے روپے بھی نکال لئے ہیں۔ ان کے ساتھ چار آدمی تھے۔ جو روپیہ لیکر بھاگ گئے ہیں' سپاہی میاں داد نے شیر خان کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

"یہ کیا بیان دے رہے ہیں بھائی صاحب؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

شیر خان بولا۔ "یہ جھوٹ بول رہے ہیں۔"

روبی نے بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "ہمارے ساتھ کوئی آدمی نہیں تھے۔ عمردین ہمیں لاہور سے اس جعلی پیر کے پاس لایا تھا جس نے عمردین کے ساتھ مل کر میری عزت پر حملہ کرنا چاہا۔ اگر میرا خاوند وقت پر نہ پہنچ جاتا تو میں لٹ چکی تھی۔"

سپاہی میاں داد نے شیر خان اور روبی کو کوٹھری سے باہر بھیج دیا' تھوڑی دیر بعد وہ عمر دین اور نقلی پیر شاہ کو باہر لے آیا' ان کو ہتھکڑیاں لگی تھیں۔ سپاہی میاں داد نے شیر خان اور روبی سے کہا۔

"تم لوگ شہر جاؤ جی' اب تمہارا یہاں کوئی کام نہیں۔ تمہارا بیان ہو چکا ہے۔ ہم ان کو حوالات میں بند کر دیں گے۔ مقدمہ درج ہو گیا ہے۔ کیس لاہور میں ہی کسی عدالت میں جائے گا۔ تمہیں اطلاع کر دی جائے گی۔ یہ کہہ کر دونوں سپاہی عمردین اور نقلی پیر شاہ کو آگے لگا کر گاؤں کے تھانے کی طرف روانہ ہو گئے۔

روبی اور شیر خان ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگے۔ کیا خیال ہے کہیں پولیس ان دونوں کے ساتھ مل تو نہیں گئی ؟ شیر خان نے اپنے شک کا اظہار کرتے ہوئے روبی سے پوچھا روبی نے کہا۔

"نہیں نہیں' ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ پاکستان کی پولیس برما اور سیلون والی پولیس نہیں ہے۔ یہاں پورا پورا انصاف ہو گا۔ ساری کارروائی قانون کے مطابق ہو گی۔ تم دیکھ لینا ان دونوں بدمعاشوں کو دس دس سال کی سزا ضرور ہو گی۔"

دونوں شہر لاہور واپس آ گئے۔ شیر خان کو یقین تھا کہ دو چار دنوں کے اندر گاؤں کے تھانے سے انہیں اطلاع مل جائے گی کہ ان کا کیس لاہور کی فلاں عدالت میں لگ گیا ہے اور وہ فلاں روز عدالت میں حاضر ہوں۔ کیونکہ یہ گاؤں لاہور کے ضلع میں ہی تھا۔ لیکن ایک ہفتہ گزر گیا اور انہیں کوئی اطلاع ملی نہ ہی سمن موصول ہوا۔ ستم بالائے ستم یہ ہوا کہ عمردین بھی سینما گھر میں اپنی نوکری پر واپس آ گیا۔ شیر خان کو دیکھتے ہی وہ کمال عیاری سے کام لیتے ہوئے اس کے پاس آ کر عاجزانہ انداز میں بولا۔

"شیر خان! یقین کرو اس میں میرا کوئی قصور نہیں تھا۔ مجھے کیا خبر تھی کہ پیر شاہ ایک

بدمعاش آدمی نکلے گا پھر بھی تم مجھے معاف کر دو۔"

شیر خان اسے اسی لمحے ہلاک کر دینا چاہتا تھا اور اس کے لئے یہ کوئی مشکل کام نہیں تھا لیکن روبی نے اس سے عہد لے رکھا تھا کہ وہ پاکستان میں ایسا کوئی کام نہیں کرے گا جو عزت آبرو سے زندگی گزارے گا۔ وہ دانت پیس کر اور خون کے گھونٹ پی کر رہ گیا۔ اتنا ضرور کیا کہ عمردین کو اسی جگہ پکڑ کر اتنا مارا کہ وہ خونم خون ہو گیا۔ گھر آ کر اس نے روبی کو سارا واقعہ بیان کر دیا۔ روبی ٹھنڈا سانس بھر کر رہ گئی کہنے لگی۔

"شیر خان! کیا خیال ہے کسی اور شہر چل کر نئی زندگی شروع کریں۔ یہاں اب میرا جی اچاٹ سا ہو گیا ہے۔ یہاں تو قانون بھی ہمارا ساتھ نہیں دے رہا۔"

شیر خان نے کہا۔ "ایسا مت کہو۔ قانون تو ہر آدمی کے ساتھ ہے۔ لیکن پولیس میں کچھ کالی بھیڑیں آ گھسی ہیں۔ وہ اس محکمے اور قانون کا مذاق اڑا رہی ہیں۔ بہرحال میں بھی یہی سوچ رہا ہوں۔" روبی نے کچھ سوچ کر کہا۔

"کیوں نہ کراچی چل کر رہیں۔ ہمیں کوئی دولت کا تو لالچ نہیں ہے دو وقت کی حلال کی روٹی کھانی ہے وہ وہاں بھی مل جائے گی۔ پھر بڑا شہر ہے جی بھی لگ جائے گا۔ ہم زیادہ تر بڑے شہروں میں ہی رہے ہیں۔" شیر خان بولا۔

"ٹھیک ہے اگر تمہاری یہی صلاح ہے تو چلے چلتے ہیں کراچی' چار کپڑے ہی تو ہیں' ٹرنک میں رکھ کر اسٹیشن پہنچ جائیں گے۔ ہاں تنخواہ مل جانے دو' تاکہ کرائے کا انتظام ہو جائے۔" روبی نے پوچھا۔ "کراچی میں رہیں گے کہاں؟ میرا مطلب ہے شروع شروع میں تو کوئی ٹھکانہ ہونا چاہئے۔" شیر خان کچھ سوچ کر بولا۔ "ہمارے سینما کے جو مالک ہیں ان کا کراچی میں بھی ایک سینما ہاؤس ہے۔ میں مینیجر صاحب سے بات کرتا ہوں۔ ہو سکتا ہے وہ مجھے کراچی والے سینما میں ملازمت دلوا دیں۔"

"یہ تو بڑی اچھی بات ہے۔ تم کل ہی ان سے بات کرنا۔" روبی نے شیر خان کی تجویز کی تائید کرتے ہوئے کہا۔

دوسرے دن شیر خان نے موقع دیکھ کر مینیجر سے بات کی۔ مینیجر نے سینما کے مالک سے بات کی۔ شیر خان نے وجہ یہ بتائی کہ اسے لاہور کا پانی راس نہیں آیا۔ وہ چونکہ سمندری

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

شہر میں بڑھا پلا ہے اس لئے کراچی جا کر آباد ہونا چاہتا ہے۔ جہاں سمندر کی ہوا چلتی رہتی ہے۔ سینما کا مالک راضی ہو گیا۔ چنانچہ اسی ہفتے ریل گاڑی میں بیٹھ کر شیر خان اور روبی کراچی چل دیے۔ کراچی کی روشنیاں سمندر اور اونچی اونچی عمارتیں اور کشادہ سڑکیں دیکھ کر دونوں کو کولمبو' ہانگ کانگ اور برما کے شہر یاد آ گئے۔ روبی نے خوش ہو کر کہا۔

"میرے شیر! اسی شہر میں رہیں گے۔" شیر خان کو سینما ہاؤس کے احاطے میں ہی ایک چھوٹی سی کوٹھری دے دی گئی۔

اسی دوران اللہ نے انہیں چاند سی لڑکی عطا کر دی۔ روبی اور شیر خان بہت خوش ہوئے۔ اولاد کی نعمت عطا ہو جانے پر انہوں نے خدا کا شکر ادا کیا۔ وقت گزرتا چلا گیا۔ کراچی میں شیر خان کے دوستوں کے حلقے میں کسی کو یہ علم نہیں تھا کہ اس کا ماضی کہاں اور کس حالت میں گزرا ہے۔ دونوں میاں بیوی انتہائی سادگی اور شرافت کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ شیر خان نے کبھی کسی سے اونچی آواز میں بات نہیں کی تھی۔ کوئی اگر سختی سے پیش بھی آتا تو شیر خان صبر کر کے خاموش رہتا۔ روبی گھر میں سارا دن اپنی پیاری بچی کے ساتھ مصروف رہتی۔ اسے جی بہلانے کو جیسے ایک زندہ کھلونا مل گیا تھا۔ ابھی خود روبی کی عمر بیس اکیس سال کی تھی۔ شیر خان اس سے ایک سال بڑا ہو گا۔ شیر خان کا یہ معمول تھا کہ وہ دن میں کوئی وقت نکال کر ایک بار ورزش ضرور کرتا اس کا جسم شروع ہی سے ورزش کا عادی تھا۔ قد کاٹھ بھی خوب نکل آیا تھا۔ شانے چوڑے اور بازو بھرے بھرے تھے۔ نیک پاک زندگی بسر کرنے کی وجہ سے اس کے چہرے پر ایک تروتازگی اور نور سا جھلکنے لگا تھا۔ نیک اطوار اور اچھے اخلاق کی وجہ سے اس کا حلقہ وسیع ہو گیا تھا۔

شیر خان گیٹ کیپر سے سینما کا ہیڈ بکنگ کلرک بن گیا یہاں بھی شیر خان نے ایمانداری اور دیانت داری کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا۔ ٹکٹ نہ خود بلیک کرتا نہ کسی کو کرنے دیتا علاقے کے ایک غنڈے سہراب نے اسے جان سے مار دینے کی دھمکی بھی دی کیونکہ شیر خان نے اسے بلیک کرنے کی اجازت دینے سے صاف انکار کر دیا تھا۔ شیر خان نے سہراب کی دھمکی کو نظرانداز کر دیا۔ مگر سہراب علاقے کا بڑا نامی گرامی اور بدنام ترین غنڈہ تھا اور دو قتل کر کے دس برس کی قید بھی کاٹ آیا تھا۔

شیر خان تو سہراب غنڈے کی تہہ سے واقف تھا مگر سہراب کو یہ معلوم نہیں تھا کہ اس نے کس شخص کو جان سے مار دینے کی دھمکی دی ہے' ایک روز آخری شو کے ٹکٹوں کا حساب کتاب منیجر کے حوالے کرنے کے بعد سینما ہاؤس سے اپنے کوارٹر کی طرف جا رہا تھا کہ کوارٹروں کے قریب ایک نیم روشن گلی کا موڑ گھوما ہی تھا کہ اچانک سامنے سے سہراب نکل آیا۔ اس کے ہاتھ میں کھلا چاقو تھا۔ اس کے تین غنڈے ساتھی بھی اس کے دائیں بائیں کھڑے کھا جانے والی نظروں سے شیر خان کو دیکھ رہے تھے۔ شیر خان بالکل نہ گھبرایا' اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے بعد شیر خان صرف شریف لوگوں سے ڈرتا تھا۔ بدکردار اور بدمعاش قسم کے لوگوں سے ڈرنا تو وہ جانتا ہی نہیں تھا۔ ان کے لئے تو وہ ایک خونخوار شیر تھا۔ یہ الگ بات تھی کہ اس نے اپنے ماضی کو جان بوجھ کر بھلایا ہوا تھا اور اپنی بیٹی کو اچھی سے اچھی تعلیم دینا چاہتا تھا۔ اب جو سہراب کو سامنے کھلے چاقو کے ساتھ دیکھا تو شیر خان کا سر پھرنے لگا۔ مگر اس نے اپنے حواس کو قابو میں کیے رکھا۔ سہراب کے ساتھی غنڈوں نے بھی چاقو نکال لئے۔

شیر خان نے بڑے تحمل سے پوچھا۔ "تم چاہتے کیا ہو؟" سہراب نے اپنی بھینسے ایسی گردن دائیں بائیں ہلاتے ہوئے کہا۔

"تم جانتے ہو میں کیا چاہتا ہوں۔"

شیر خان نے جواب دیا: "اگر تم ٹکٹ بلیک کرنا چاہتے ہو تو اس کی میں تمہیں اجازت نہیں دوں گا۔ کیونکہ یہ خلاف قانون بات ہے۔ اس میں مالک کا بھی نقصان ہے اور ملک کا بھی نقصان ہے اور یہ بات مجھے ہرگز گوارا نہیں ہے۔"

سہراب نے غراہٹ نما آواز میں کہا۔ "ایک بار پھر سوچ لو۔"

شیر خان نے بڑے اطمینان سے جواب دیا: "سوچنے کی ضرورت ہی نہیں' میں تمہیں کسی حالت میں بھی ٹکٹ بلیک نہیں کرنے دوں گا۔"

شیر خان نے اس دوران ہر قسم کا جائزہ لے لیا تھا۔ اس کے پاس اب کوئی ہتھیار تک نہیں تھا۔ مگر اس نے ہانگ کانگ کے اسمگلروں میں رہ کر ایک چینی اسمگلر سے کچھ ایسے داؤ پیچ سیکھ لئے تھے جو بڑے کارگر تھے اور اس قسم کے حالات میں شیر خان کے بڑے کام

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آتے تھے۔ شیر خان کے آخری انکار پر سہراب کا چہرہ غصے سے لال ہو گیا۔ اس نے اپنے ساتھیوں کو اشارہ کیا۔ تینوں غنڈے چاقو لہراتے ہوئے شیر خان پر حملہ آور ہوئے۔ شیر خان نے دو قدم پیچھے ہٹ کر دو غنڈوں پر بیک وقت چینی اسمگلر کا داؤ استعمال کیا۔ ویسے بھی شیر خان ان سے طاقتور تھا۔ صرف تعداد میں وہ زیادہ تھے۔ دونوں غنڈوں کے ہاتھوں سے چاقو اچھل کر دور جا پڑے اور ان میں سے ایک کی شانے کی ہڈی اور دوسرے کی کلائی کی ہڈی دو ٹکڑے ہو چکی تھی اور دونوں زمین پر گرے کراہ رہے تھے۔ سہراب کی آنکھوں میں پہلے ہی خون اترا ہوا تھا اپنے ساتھیوں کی یہ حالت دیکھی تو غضبناک ہو کر چاقو سے شیر خان کے پیٹ کو ناف کے نیچے سے پھاڑنے کے لئے اس پر حملہ آور ہوا شیر خان تیزی سے ایک طرف ہٹا اور دوسرے لمحے اس نے سہراب کو اوندھے منہ نیچے گرا دیا اور چاقو اچھال کر دور پھینک کر کہا

"سہراب میں تمہیں قتل نہیں کروں گا۔" سہراب کا تیسرا ساتھی یہ معاملہ دیکھ کر اندھیری گلی میں غائب ہو گیا۔ شیر خان نے سہراب کو بالوں سے پکڑ کر اٹھایا اور ایک بار پھر اسے ہدایت کی کہ وہ اس سے لڑائی جھگڑا کرنے کی کوشش نہ کرے۔

"میں شریف آدمی ہوں اور شریف انسان بن کر اپنے ملک میں زندہ رہنا چاہتا ہوں۔"

مگر سہراب یہ زبان نہیں سمجھتا تھا۔ اس کے دل میں انتقام کی ایک ایسی آگ بھڑک اٹھی تھی کہ جس کو بجھانا کراچی کے سمندر کے بھی بس میں نہیں تھا۔ اس نے کھا جانے والی نظروں سے شیر خان کو دیکھا۔ اس کے حلق سے غراہٹ نما آواز نکلی۔

"تمہیں دیکھ لوں گا۔" اور یہ کہہ کر وہاں سے چلا گیا۔

شیر خان نے کوارٹر میں آکر سب سے پہلے اپنی پیاری ننھی سی بیٹی کو گود میں لے کر پیار کیا' پھر منہ ہاتھ دھو کر چارپائی پر بیٹھ گیا۔ روبی نے بچی کو لٹا کر دودھ کی بوتل اس کے منہ سے لگا دی اور شیر خان کے آگے کھانا رکھا۔ شیر خان نے باتوں ہی باتوں میں سہراب کے ساتھ لڑائی جھگڑے کا ذکر کیا اور کہا

"یہ لوگ مجھے میری گناہ آلود زندگی میں واپس لانا چاہتے ہیں۔ مگر میں ایسا نہیں کرنا

چاہتا۔"

روبی تھوڑی سی فکر مند ضرور ہوئی وہ جانتی تھی کہ شیر خان کو اتنی آسانی سے بڑے سے بڑا غنڈہ بھی زیر نہیں کر سکتا۔ اس کے باوجود وہ پریشان ہوئی کہ شیر خان نہتا ہوتا ہے۔ وہ اپنے پاس چاقو تک بھی نہیں رکھتا اور اب وہ اس کی بچی کا باپ بھی ہے۔ اس کا زندہ رہنا بڑا ضروری ہے۔ لیکن وہ نہ تو خود جرائم آلود زندگی میں واپس آنا چاہتی تھی اور نہ یہ چاہتی تھی کہ شیر خان ایسی زندگی دوبارہ اختیار کرے کہنے لگی۔

"شیرے! تم پولیس میں رپورٹ درج کرا دو۔ پولیس خود سہراب سے نمٹ لے گی۔"

شیر خان نے کھانا کھاتے ہوئے کہا: "میرا نہیں خیال کہ پولیس ایسا کرے۔ پولیس سے میں زیادہ پر امید نہیں ہوں۔ بہر حال تم کیوں فکر کرتی ہو شیر خان اپنے دشمنوں سے نمٹنا جانتا ہے۔" روبی نے بات کا موضوع بدلتے ہوئے کہا۔

"شیرے! ہم نے ابھی تک اپنی بچی کا کوئی نام نہیں رکھا۔ ساتھ کے کوارٹر والی مریم مجھے کہہ رہی تھی کہ بچی کا نام عائشہ رکھ دو۔ بڑا پیارا نام ہے مبارک بھی ہے۔ مگر میں نے تو پہلے ہی ایک نام سوچ رکھا ہے۔"

وہ کیا بتاؤ تو؟" شیر خان نے پانی پی کر گلاس فرش پر رکھتے ہوئے پوچھا۔

روبی کہنے لگی: "شیرے! تم جانتے ہو ہم نے کن حالات میں اپنی نوجوانی کا زمانہ گزارا ہے۔ کیسی کیسی مصیبتیں نہیں سہیں' دولت بھی کمائی دولت سے ایک پل میں محروم بھی ہوئے' برستی گولیوں میں بھاگے اور اپنی اسٹین گنوں کی بوچھاروں سے سنگاپور' ہانگ کانگ اور برما کی پولیس کو بھون کر بھی رکھ دیا۔ تم کبھی کبھی پیچھے رہ جایا کرتے تھے۔ لیکن میں ہمیشہ آگے ہی آگے رہی۔ اگر کوشش بھی کروں تو شمار نہیں کر سکتی کہ کتنے اسمگلروں' بدمعاشوں اور وہاں کے پولیس والوں کو ہلاک کر چکی ہوں۔ تم نے میرا نام شیرنی رکھ دیا تھا اور مجھے یہ نام پسند بھی تھا۔ لیکن پھر ایسا ہوا کہ میرے دل میں اپنی اس زندگی سے نفرت کا جذبہ پیدا ہونے لگا۔ برائی آخر برائی ہوتی ہے۔ برا آدمی شریف آدمی کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ جو سکون اور سچی خوشی ایک شریف آدمی کو ہوتی ہے۔ وہ دنیا کے بڑے سے بڑے امیر سے امیر بدمعاش کے نصیب میں نہیں ہے۔ پھر میں نے دل ہی دل میں توبہ کر کے خدا سے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

معافی مانگی۔ خدا نے میری توبہ قبول کر لی اور ہم دونوں کو جرائم کی دلدل سے نکال کر ایک ایسے نئے ملک میں پہنچا دیا جہاں ہم بالکل نئی نیک پاک زندگی کا آغاز کر سکتے تھے اور ہم نے ایسا ہی کیا۔ اب خدا نے ہمیں ایک پھول سی بچی بھی دے دی ہے۔ اب ہمارے پاس اللہ کی کونسی نعمت نہیں ہے؟ تم ہو میری بچی ہے۔ ایک ایسا وطن ہے جو اسلام کا قلعہ ہے "پاکستان" شیر خان خدا کی قسم یہ ملک ایک جنت ہے۔ میں تمہیں دل کی گہرائیوں سے کہہ رہی ہوں یہ دنیا میں جنت ہے مگر اس جنت کو کچھ لوگ دوزخ بنانے کی ناپاک کوشش کر رہے ہیں۔ یہ جرائم پیشہ لوگ ہیں۔ ملک دشمن لوگ ہیں۔ یہ انسانیت اور پاکستان کی پیشانی کے بدنما داغ ہیں۔ ان جرائم پیشہ وطن دشمن لوگوں کو مٹانا وطن کی بہت بڑی خدمت ہے۔ اسی طرح ہم اپنے وطن کو خوش حالی اور ترقی کی راہ پر ڈال سکتے ہیں۔" شیر خان کھانا کھا چکا تھا اور اب سگریٹ سلگا کر بڑے مزے سے کش لگاتے ہوئے روبی کو جوش و خروش سے بات کرتے دیکھ رہا تھا۔ وہ بات کاٹ کر بولا۔

"آخر تم کہنا کیا چاہتی ہو۔ بات تو بچی کے نام رکھنے کی ہو رہی تھی۔" روبی نے سانس بھر کر کہا۔

"میں بھی وہی بات کر رہی ہوں' شیر خان! میں اپنی بچی کا نام شیرنی رکھوں گی۔"

شیر خان نے مسکرا کر کہا۔ "یہ تو تمہارا نام ہوا کرتا تھا کبھی۔ کیا تم چاہتی ہو کہ ہمارے گھر میں پرانی تاریخ دہرائی جائے؟"

روبی نے شیر خان کا بازو مضبوطی سے پکڑ لیا اور گہری پرعزم آواز میں بولی۔ "نہیں شیر خان! وہ تاریخ اب کبھی نہیں دہرائی جائے گی۔ وہ کتاب ہم نے بند کر کے وہیں سیلون کے سمندر میں پھینک دی تھی۔ ہم ایک نئی تاریخ شروع کر چکے ہیں۔ ہماری بچی اس تاریخ کا پہلا باب رقم کرے گی۔ یہ حب الوطنی اپنے دین سے محبت خدا اور اس کے رسول سے محبت عزت و آبرو مندی سے محبت اور بلند تر انسانی کردار سے محبت کی تاریخ ہو گی۔ ہم اپنی بچی شیرنی کو بتائیں گے کہ دنیا میں عزت و غیرت سے بڑھ کر کوئی دولت نہیں۔ ہم اسے بتائیں گے کہ ایک دولت مند اپنی جان بچانے کے لئے دولت قربان کر دیتا ہے۔ لیکن ایک غیرت مند اپنی عزت بچانے کے واسطے اپنی جان بھی قربان کر دیتا ہے۔ ہماری بچی ایک

ایسی شیرنی ہو گی جو پاکستان کے دوست اور دشمن کو پہچانے گی۔ جو پاکستان کے دوست کی مدد کرے گی۔ لیکن پاکستان کے دشمن کو زندہ نہیں چھوڑے گی۔"

شیر خان نے فرش پر سگریٹ بجھاتے ہوئے کہا۔ "لیکن ہم اپنی بیٹی کا نام عائشہ بھی ضرور رکھیں گے۔" روبی نے اپنی بچی کا ماتھا چوم کر کہا۔ "یہ بڑا متبرک نام ہے' بچی کا نام عائشہ ہی ہو گا۔ لیکن ہم اسے شیرنی کے نام سے بھی پکارا کریں گے۔"

شیر خان چارپائی پر لیٹتے ہوئے بولا۔

"تم نے آج بڑی اچھی باتیں کی ہیں روبی! واقعی یہ ملک ایک جنت ہے' لوگوں کو ابھی شاید اس کا احساس نہیں ہے۔ جن لوگوں نے قربانیاں دی ہیں ان کو تو احساس ہے مگر ہمارے دشمن بھی تو ہیں جو اس وطن کو پھلتا پھولتا نہیں دیکھنا چاہتے۔"

روبی نے کہا۔ "یہ وہی لوگ ہیں شیر خان' جو ہماری عزت کے دشمن ہیں اور میں اپنی بچی کو اپنی شیرنی کو یہی تعلیم دینا چاہتی ہوں۔ یہی سکھانا چاہتی ہوں' یہی کہنا چاہتی ہوں کہ تمہاری عزت کا دشمن تمہارا ہی نہیں اس ملک کا' اس ساری کائنات کا دشمن ہے۔ سب کے ساتھ نرم دلی سے پیش آنا لیکن عزت کے دشمن کو کبھی زندہ نہ چھوڑنا۔ بے شک خود بھی مر جانا لیکن اپنی عزت پر حملہ کرنے والے کا بھی سینہ گولیوں سے چھلنی کر دینا۔" روبی نے ایک بار پھر اپنی بچی کا منہ چوم لیا اور مسکرا کر بولی۔ "میں اسے خود دشمن پر گولی چلانا سکھاؤں گی۔" پھر وہ ایک دم چپ ہو گئی۔ چہرے پر ایک عجیب سی آسمانی کیفیت چھا گئی۔ شیر خان کی طرف دیکھے بغیر بولی۔

"شیرے! اگر میں پہلے مر گئی تو وعدہ کرو کہ جیسا میں نے کہا ہے تم ویسے ہی میری عائشہ کی' میری شیرنی کی پرورش کرو گے۔" اس نے لیٹے ہوئے شیر خان کا بازو پکڑ کر جھنجھوڑتے ہوئے کہا۔

"وعدہ کرو ..... وعدہ کرو' خدا کو حاضر و ناظر جان کر وعدہ کرو کہ تم میرے بعد میری بچی کو شیرنی بناؤ گے' ایسی شیرنی جو عزتوں پر ڈاکہ ڈالنے والوں کو چیر پھاڑ کر رکھ دے گی' وعدہ کرو شیر خان!"

شیر خان اٹھ کر بیٹھ گیا۔ وہ خود بھی جوش میں آگیا تھا' باتیں ہی ایسی ہو رہی تھیں اور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

یہ سچی باتیں تھیں۔ اس نے روبی کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لیا اور کہا۔

"میں وعدہ کرتا ہوں روبی۔" پھر اس کے بالوں میں ہاتھ پھیر کر بولا۔" خدا سے زندگی مانگو روبی انشاء اللہ ہم اکٹھے مل کر اپنی بچی کو بہادر اور غیور شیرنی بنائیں گے۔ جو اپنی' ہماری اور اپنے وطن پاکستان کی عزت وقار اور سلامتی کی حفاظت کرے گی۔" دونوں اپنی بچی پر جھک کر اسے دیکھنے لگے جو دودھ پینے کے بعد بڑے سکون کے ساتھ گہری نیند سو رہی تھی' یہ معصوم بچی عائشہ تھی جسے آگے چل کر شیرنی بننا تھا۔

سہراب ابدمعاش نے شیر خان کو جو دھمکی دی تھی اس کے بارے میں روبی کسی وقت پریشان سی ہو جاتی۔ ایک بار اس نے اپنی پریشانی کا ذکر شیر خان سے کیا تو وہ ہنس کر بولا۔

"ارے اس کی تم فکر نہ کرو سہراب کا دماغ ٹھیک ہو گیا ہے۔ اب وہ ہمارے سینما میں بلیک نہیں کرواتا۔ کبھی ملتا ہے علیک سلیک بھی کر لیتا ہے۔"

روبی نے فکر مند ہو کر کہا۔"کہیں یہ بھی اس کی کوئی چال نہ ہو' تم ہوشیار رہنا اور ہاں رات کو جلدی گھر آجایا کرو۔"

شیر خان نے کہا۔"آخر شو کی بکنگ کا حساب کتاب کر کے ہی آنا ہوتا ہے' رات کے گیارہ تو ضرور بج جاتے ہیں۔"

اس گفتگو کے دس پندرہ روز بعد کا ذکر ہے۔ رات کے دس بجے کا وقت ہو گا۔ شیر خان سینما میں ہی تھا۔ آخری شو شروع کروانے کے بعد وہ بکنگ پر ٹکٹوں کی سیل کا حساب لکھ رہا تھا۔ گھر میں روبی اس کا کھانا الگ رکھ کر اپنی بچی کو دودھ پلا کر سلا رہی تھی۔ جب بچی سو گئی تو اس نے اسے چارپائی پر ڈال دیا۔ دیوار کے ساتھ لگے شیشے کے ٹکڑے کے سامنے کھڑے ہو کر اپنے بالوں میں ذرا سی کنگھی پھیری اور شیر خان کے بستر کو درست کرنے لگی۔ اتنے میں باہر گلی میں کسی گاڑی کے کھڑی ہونے کی آواز آئی' چادر بچھاتے ہوئے ایک پل کے لئے روبی کے ہاتھ وہیں رک گئے۔ یہ گاڑی کس کی ہے؟ باہر سے کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ ساتھ ہی مردانہ آواز آئی۔

"بہن جی! چاول اندر رکھوالو شیر خان نے بھیجے ہیں۔"

روبی نے دروازے کا ایک پٹ کھول کر دیکھا کہ کوارٹر کے آگے ایک جیپ گاڑی

کھڑی تھی۔ ایک آدمی نے کمر پر بوری اٹھا رکھی تھی۔ بوجھ کی وجہ سے وہ ہانپ رہا تھا۔

"بہن جی! ساڑھے تین من چاول ہیں' میرا دم نکلا جا رہا ہے۔ آگے سے ہٹ جائیں' بتاؤ اسے کہاں رکھنا ہے۔" روبی ایک طرف ہٹ گئی' وہ آدمی بوری کمر پر اٹھائے کمرے میں داخل ہو گیا۔

روبی نے کہا۔"کونے میں رکھ دو۔ یہ کہاں سے آئے ہیں چاول؟" آدمی نے بے نیازی سے کہا۔"کہا نا شیر خان نے سینما سے بھیجے ہیں' پنجاب سے بیس بوریاں چاول کی لایا تھا' ساری بک گئیں' ایک بوری رہ گئی تھی وہ شیر خان نے خرید لی۔ بولا اسے گھر بھی پہنچا دو۔ اپنا شاگرد اس نے ساتھ بھیجا ہے۔"

روبی نے باہر گلی میں کھڑی جیپ پر نظر ڈالی اور پوچھا۔ کہاں ہے شاگرد؟"

وہ آدمی بوری کونے میں ڈال کر سیدھا کھڑا ہو گیا اور صافے سے منہ پونچھتے ہوئے بولا۔ "یہ کم بخت گاڑی میں ہی بیٹھا ہے۔" پھر اس نے آواز دی۔ "باہر آجا چھوٹے' بی بی جی بلاتی ہیں۔" "ساتھ ہی روبی سے مخاطب ہو کر بڑی لجاجت سے بولا۔" بہن جی! تھوڑا پانی مل جائے گا پینے کو۔"

ہاں ہاں یہ کہہ کر روبی گلاس اٹھا کر مٹکے کی طرف بڑھی' وہ مٹکے سے پانی نکال ہی رہی تھی کہ اس کے سر کے پچھلے حصے پر کسی بھاری شے کی ضرب لگی' روبی گر پڑی' جو شخص چاولوں کی بوری لایا تھا' یہ ضرب اس نے ایک تھیلی مار کر لگائی تھی۔ جس میں سکہ بھرا ہوا تھا۔ جونہی روبی گری اس شخص نے جیب سے کلوروفارم میں بھگویا ہوا گیلا' رومال نکالا اور روبی کے ناک اور منہ کے ساتھ لگا دیا' روبی مکمل طور پر بے ہوش ہو گئی تھی۔ اس کے ساتھ ہی دو آدمی اندر آگئے جن کے ہاتھوں میں کھلے ہوئے چاقو تھے۔ جب انہوں نے دیکھا کہ شیر خان کی بیوی بے ہوش ہو چکی ہے تو انہوں نے چاقو جیب میں ڈالے بے ہوش روبی کو بڑی تیزی کے ساتھ اٹھایا جیپ دروازے کے سامنے ہی کھڑی تھی رات کے وقت گلی بالکل سنسان تھی۔ روبی کو جیپ میں ڈال کر آگے ترپال کا پردہ گرایا۔ ایک آدمی پہلے ہی سے ڈرائیور کی سیٹ پر بیٹھا تھا۔ اس نے جیپ اسٹارٹ کی اور تھوڑی دیر بعد یہ جیپ کراچی شہر کی جگمگاتی روشنیوں کو پیچھے چھوڑ کر ویران علاقے کی طرف پوری رفتار سے دوڑ رہی تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس واردات کے کوئی پندرہ منٹ بعد شیر خان سینما میں کام ختم کر کے واپس آگیا۔ کوارٹر کے قریب آتے ہی اسے بچی کے رونے کی آواز سنائی دی' بچی مسلسل روئے جا رہی تھی' شیر خان کے قدم تیز ہو گئے۔ یہ روبی کہاں ہے؟ اسے خیال ہی نہیں کہ بچی بلک رہی ہے۔ شیر خان نے بند دروازے پر زور سے دستک دی کسی نے دروازہ نہیں کھولا' بچی کے رونے کی آواز برابر آ رہی تھی۔ شیر خان نے زیادہ زور سے دروازہ پر ہاتھ مارا تو اس کا ایک پٹ اپنے آپ کھل گیا۔ شیر خان کا دل کسی خطرے سے دھڑک اٹھا۔ وہ عجلت سے اندر داخل ہو گیا' روبی وہاں نہیں تھی۔ بچی چارپائی پر لیٹی رو رہی تھی۔ ایک ہی کمرے کا مکان تھا۔ روبی کہاں گئی تھی؟ رات کے وقت تو وہ کسی ہمسائے کے گھر بھی نہیں جا سکتی تھی۔ شیر خان نے جلدی سے بچی کو گود میں اٹھا لیا۔ اسے پیار سے پچکارتے ہوئے کمرے کا جائزہ لیا پانی کے مٹکے کے پاس تانبے کا کٹورہ فرش پر گرا پڑا تھا۔ کمرے کی فضا میں ایک عجیب سی بو پھیلی ہوئی تھی' کونے میں بوری پڑی تھی۔ یہ بوری اس سے پہلے وہاں نہیں تھی۔ شیر خان نے جھک کر بوری کا منہ کھولا۔ یہ چاولوں کی بوری تھی۔ شیر خان کی چھٹی حس نے اسے بتا دیا کہ وہاں تھوڑی دیر پہلے کچھ ہو چکا ہے۔ بچی باپ کے سینے سے لگتے ہی چپ ہو گئی تھی۔ شیر خان نے جلدی سے اسے چارپائی پر لٹایا' اس کے منہ میں چوسنی دی اور لپک کر سامنے والے مکان کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ سامنے نور الٰہی گاڑی بان رہتا تھا۔ وہ باہر آگیا۔

"کیا بات ہے بیٹا تم پریشان لگتے ہو؟" نور الٰہی نے صدری کا بٹن بند کرتے ہوئے پوچھا۔

شیر خان نے پوچھا: "میری بیوی آپ کے ہاں تو نہیں آئی۔"

نور الٰہی نے نفی میں سر ہلا دیا۔ "نہیں بیٹا! وہ ہمارے ہاں تو نہیں آئی۔ کیوں کیا بات ہے' خیریت تو ہے؟"

شیر خان دوسرے مکان کا دروازہ کھٹکھٹانے لگا۔ روبی ساتھ والے مکان میں بھی نہیں تھی۔ روبی گلی کے کسی مکان میں بھی نہیں تھی۔ ساتھ والے ہمسائے کی بیوی نے بتایا

"میں نے گلی میں تھوڑی دیر پہلے ایک گاڑی کی آواز سنی تھی۔"

شیر خان نے اس عورت کی طرف چونک کر دیکھا۔ "گاڑی کی آواز؟"

"ہاں۔" عورت بولی۔ "گاڑی کی آواز کچھ دیر کے لئے بند ہو گئی۔ پھر اس کے چلنے کی آواز آئی اور گلی سے دور جا کر غائب ہو گئی۔ میں اس وقت بستر پر لیٹی ہوئی تھی۔" شیر خان کو چاولوں کی بوری کا خیال آگیا۔ اسے نتیجے پر پہنچنے میں دیر نہ لگی کہ کوئی آدمی چاول کی بوری گھر پہنچانے کے بہانے آیا اور پھر روبی کو اغوا کر کے لے گیا۔ اس نے روبی کو ضرور بے ہوش کیا ہو گا۔ کمرے میں جو تیز بو پھیلی ہوئی تھی وہ بے ہوش کرنے والی دوائی کی ہی ہو سکتی تھی۔ یہ کام سہراب ہی کر سکتا ہے۔ شیر خان کا دماغ تیزی سے واقعات کے تانے بانے جوڑ رہا تھا۔ پھر اس نے ہمسائی مریم سے کہا۔

"بہن! میری بچی کا خیال رکھنا۔ میں تھانے رپورٹ کرنے جا رہا ہوں۔ کسی نے میری بیوی کو اغوا کر لیا ہے۔" یہ کہہ کر وہ دوڑتا ہوا گلی سے نکل کر سڑک پر آیا۔ وہاں ایک خالی رکشے پر بیٹھا اور سیدھا علاقے کے تھانے میں آگیا۔ اس نے آتے ہی محرر سے کہا۔

"جناب میرا نام شیر خان ہے۔ میری بیوی کو سہراب بدمعاش کے آدمیوں نے ابھی ابھی اغوا کر لیا ہے۔" پھر اس نے سارا واقعہ بیان کر دیا۔ سپاہی نے پوچھا۔

"تمہیں کیسے پتا چلا کہ تمہاری بیوی کو سہراب غنڈے نے ہی اغوا کیا ہے؟"

شیر خان نے کہا: "جناب کچھ روز پہلے میں نے اسے اپنے سینما گھر میں ٹکٹ بلیک کرنے سے روکا تھا۔ ہمارا جھگڑا بھی ہوا تھا۔ سہراب نے مجھ سے بدلہ لینے کی دھمکی دی تھی۔ مجھے یقین ہے کہ اسی نے میری بیوی کو اغوا کیا ہے۔ جلدی سے پولیس میرے ساتھ بھیجیں۔ وہ ابھی اپنے ڈیرے پر ہی ہو گا۔"

پولیس عام طور پر اتنی جلدی کارروائی نہیں کرتی مگر اس تھانے کا انچارج ایک فرض

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

شناس سب انسپکٹر تھا۔ اس نے فوراً جیپ باہر نکالی۔ شیر خان کو اپنے ساتھ بٹھایا چار سپاہی ساتھ لیے اور سہراب غنڈے کے ڈیرے کی طرف جیپ روانہ ہو گئی۔ سہراب کے ڈیرے کا شیر خان کے علاوہ سب انسپکٹر کو بھی علم تھا۔ یہ ڈیرہ ایک غریب واڑے میں تھا۔ ڈیرہ بالکل خالی پڑا تھا۔ صرف ایک بوڑھا آدمی چارپائی پر سو رہا تھا۔ پولیس نے اسے جگا کر سہراب کے بارے میں پوچھا۔ بوڑھا ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا پولیس کے سپاہی دیکھے تو ذرا گھبرایا۔ سب انسپکٹر نے پوچھا سہراب کہاں ہے؟ بوڑھے نے عاجزانہ لہجے میں کہا۔

"حضور سہراب دن کو آیا تھا۔ تھوڑی دیر آرام کر کے چلا گیا۔ دوسرے آدمی بھی اس کے ساتھ ہی چلے گئے تھے۔ تب سے اب تک وہ نہیں آیا۔"

سب انسپکٹر پولیس نے بوڑھے سے سہراب کے دوسرے ٹھکانوں کے بارے میں دریافت کیا۔ بوڑھے نے کہا۔

"حضورا میں تو سارا دن اسی ڈیرے پر پڑا رہتا ہوں۔ اس کے اور ٹھکانے بالکل نہیں جانتا۔"

پولیس وہاں سے نکل کر ایک دوسرے ڈیرے پر گئی وہاں سے بھی سہراب کا کوئی سراغ نہ مل سکا۔ سب انسپکٹر نے شیر خان کو ایک طرف لے جا کر کہا۔

"اگر اسی نے تمہاری بیوی کو اغوا کیا ہے تو پھر اسے کسی ایسے ٹھکانے پر لے گیا ہے جس کی ہمیں بھی خبر نہیں ہے۔ مگر میں پولیس کے ذریعے سارے علاقے کی ناکہ بندی کرائے دیتا ہوں۔ میں یہی کچھ کر سکتا ہوں۔ تم گھبراؤ مت۔ پولیس صبح ہونے سے پہلے تمہاری بیوی کو ضرور ڈھونڈ نکالے گی اور مجرموں کو بھی گرفتار کر لے گی۔"

شیر خان نے سر تھام لیا۔ وہ کیا جواب دے سکتا تھا۔ اسے پیچھے اپنی بچی کا بھی خیال لگا ہوا تھا۔ اس سب انسپکٹر نے اسے گاڑی میں بٹھایا اور اس کی گلی کے باہر گاڑی روک کر شیر خان کو ایک بار پھر تسلی دی اور کہا کہ "مجرم بچ کر کہیں نہیں جا سکتے۔ تمہاری بیوی کو ہم صبح تک برآمد کر لیں گے تم فکر نہ کرو۔"

شیر خان سر جھکائے وہاں سے چل دیا۔ پولیس کی جیپ بھی آگے روانہ ہو گئی۔ کمرے کا دروازہ کھلا تھا۔ اس کی بچی گہری نیند سو رہی تھی۔ ہمسائی مریم اور جمیلہ دونوں چارپائی پر

بیٹھی باتیں کر رہی تھیں۔ شیر خان کو دیکھا تو پوچھا

"کچھ پتا چلا بیٹا؟"

شیر خان نے ناامیدی سے سر کو نفی میں ہلایا۔ پھر ان کا شکریہ ادا کیا۔ پھر دونوں عورتیں چلی گئیں۔ شیر خان نے دروازہ بند کر دیا اور اس چارپائی پر آ کر بیٹھ گیا جہاں اس کی بچی سو رہی تھی۔ اس نے دیکھا کہ چوکی کے پاس انگیٹھی پر سالن کی دیگچی پڑی تھی اس کے اوپر روٹیوں والی چنگیر رکھی ہوئی تھی۔ روبی نے شیر خان کے لئے کھانا روز کی طرح تیار کر رکھا تھا۔ مگر آج شیر خان کو بالکل بھوک نہیں تھی۔ اس کے اندر ایک ہیجان سا بپا تھا۔ وہ چارپائی پر زیادہ دیر نہ بیٹھ سکا اٹھ کر دروازے کی طرف گیا۔ دروازہ کھول کر باہر سنسان گلی میں ایک نگاہ ڈالی۔ دروازہ بند کر دیا۔ چاولوں کی بوری کے پاس آیا ہتھیلیوں کو زور زور سے مسلتا چارپائی پر بیٹھ گیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے۔ روبی کو کہاں تلاش کرے سہراب کے سوا دوسرا کوئی آدمی یہ کام نہیں کر سکتا تھا۔ مگر وہ غائب تھا۔ پولیس کیا اسے تلاش کر سکے گی؟ سب انسپکٹر فرض شناس افسر ہے۔ مگر سہراب اس کے ہاتھ سے نکل چکا تھا۔ کیا روبی ان بدکردار غنڈوں سے اپنی عصمت بچا سکے گی؟ انہوں نے تو اسے بے ہوش کر دیا ہے۔ اسے ہوش آئے گا تو اس پر کیا گزرے گی؟ وہ اگر ان غنڈوں کو ہلاک نہ کر سکی تو اپنے آپ کو مار لے گی وہ رسوا ہو کر شیر خان کے پاس کبھی نہیں آئے گی۔ شیر خان کے ذہن میں خیالات کا طوفان مچا تھا۔ چارپائی پر سوئی ہوئی بچی نے اس کے پاؤں میں زنجیر ڈال رکھی تھی۔ وہ اسے اکیلی چھوڑ کر کہیں نہیں جا سکتا تھا۔

سہراب اور اس کے تین ساتھی غنڈے روبی کو ہوش میں لانے کی کوشش کر رہے تھے۔ روبی کو انہوں نے چارپائی پر لٹا رکھا تھا۔ سہراب پستول ہاتھ میں لئے اس کے پاس اسٹول پر بیٹھا تھا۔ ایک آدمی روبی کے منہ پر تھوڑی تھوڑی دیر بعد ٹھنڈے پانی کے چھینٹے مار رہا تھا۔ ایک غنڈہ سامنے کرسی پر بیٹھا تھا۔ اس کے ہاتھ میں تصویریں اتارنے والا کیمرہ تھا۔ وہ اس کے ساتھ فلیش گن لگا رہا تھا۔ سہراب نے پوچھا۔

"اچھی طرح چیک کر لیا ہے نا؟" غنڈہ نے کہا

"بالکل کر لیا ہے۔" تیسرے غنڈے نے بوتل میں سے شراب گلاسوں میں ڈالی اور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سب کو ایک ایک گلاس دے دیا۔ سہراب نے گھونٹ بھر کر کہا

"ایسی ایسی تصویریں اتاروں گا اس کی کہ شیر خان ساری زندگی یاد رکھے گا۔ اب دیکھوں گا وہ کیسے ہمیں بلیک نہیں کرنے دے گا؟" کیمرے والے غنڈے نے ہنس کر کہا

"دادا! اب تو اس کا باپ بھی انکار نہیں کرے گا۔ بلکہ ہم اس سے ٹیکس بھی لیا کریں گے۔ غنڈہ ٹیکس اور چاروں غنڈے کھل کھلا کر ہنس دیئے کمرے کی فضا شراب اور سگریٹوں کی بو سے بوجھل ہو رہی تھی۔ یہ جگہ کراچی شہر سے دور ساحل سمندر پر ایک ویران مقام پر واقع تھی۔ سہراب نے اپنے خفیہ اڈے کے بارے میں سوائے اپنے تین ساتھیوں کے کسی اور کو نہیں بتایا تھا۔ یہاں وہ خاص واردات کے بعد آکر چھپ جایا کرتا تھا ایک غنڈے نے سہراب سے کہا

"استاد! تصویروں کی فلم تو ہمارے پاس ہی رہے گی نا؟"

اس پر سہراب نے ام الخبائث یعنی شراب کا دوسرا جام چڑھاتے ہوئے کہا۔

"تو کیا فلم میں اپنے دشمن کو دے دوں گا؟ اس کو تو تصویروں کے پرنٹ ہی دکھاؤں گا۔ بلکہ اس کو دے دوں گا تاکہ وہ سمجھ لے کہ سہراب کے ساتھ دشمنی رکھنے کا انجام کیا ہوتا ہے۔" دوسرے غنڈے نے اپنا گلاس بھرتے ہوئے کہا۔

"استاد! میری بھی تصویر بناؤ گے نا؟"

"کیوں نہیں۔" سہراب نے جھوم کر کہا۔ "تم سب کی تصویریں بناؤں گا۔" پھر اس نے کیمرے والے غنڈے کی طرف دیکھا۔ "کیوں بے؟" اس کا فلیش چلتا ہے ناں؟"

"برابر چلتا ہے دادا۔" یہ کہہ کر غنڈے نے بٹن دبایا۔ . . . . فلیش گن کی چمک نے ایک پل کے لئے سب کی آنکھیں چندھیا دیں۔ جو غنڈہ روبی کے سرہانے بیٹھا پانی کے چھینٹے مار رہا تھا بولا۔

"دادا! اسے ہوش آرہا ہے۔"

سہراب نے کہا۔"اس کے دونوں پاؤں باندھ دو۔" اسی وقت روبی کے دونوں پاؤں چارپائی کی پائینتی کے ساتھ باندھ دیے گئے۔ کلوروفارم کا اثر ختم ہو گیا تھا۔ روبی نے آنکھیں کھول دیں سب سے پہلے اس کی نظر سہراب پر پڑی جس کے ہاتھ میں پستول اور

دوسرے ہاتھ میں گلاس تھا۔ چہرے پر شیطانی مسکراہٹ تھی۔

سہراب بولا۔"میرا نام سہراب ہے۔ تم نے مجھے پہلے نہیں دیکھا ہے۔ اب اچھی طرح سے دیکھ لو گی۔ تمہارے خاوند نے مجھے چیلنج کیا ہے۔ میں اسے اس کا جواب دے رہا ہوں۔ میں تمہیں قتل بھی کر سکتا تھا۔ مگر قتل نہیں کروں گا۔ اس کی ضرورت نہیں۔ میں تمہاری کچھ تصاویر اتروا کر تمہارے خاوند کو بھیجوں گا۔ جن کو دیکھ کر وہ اپنے آپ میرے قدموں پر آن گرے گا۔ تمہاری یہ تصویریں میں تمہاری بے ہوشی کی حالت میں بھی اتار سکتا تھا..... لیکن نہیں۔ میں چاہتا تھا کہ تم ہوش میں آجاؤ تاکہ تمہارا خاوند نقلی شیر خان کو معلوم ہو جائے کہ جب تمہاری تصویریں اتاری گئی تھیں تو تم اپنے ہوش و حواس میں تھیں۔ اور تم نے اپنی مرضی سے یہ تصویریں اتروائی ہیں۔" وہ مکروہ قہقہہ لگا کر ہنس دیا۔

روبی کا سر کلوروفارم کے اثر سے ابھی تک بوجھل سا تھا۔ اس نے دوسرے غنڈوں کو دیکھا کمرے کا جائزہ لیا۔ اس غنڈے کو بھی دیکھا جس کے ہاتھ میں فلیش گن والا کیمرہ تھا۔ اسے بہت جلد محسوس ہو گیا کہ اس کے دونوں پاؤں پائینتی سے بندھے ہوئے ہیں ساری واردات اس کی سمجھ میں آگئی تھی۔ ایک آدمی چاولوں کی بوری دینے کے بہانے گھر میں آیا۔ پھر اس نے اس کے سر پر ضرب لگائی اور بعد میں یقیناً اسے کچھ سونگھایا گیا تھا۔ روبی نے بے ہوش ہونے سے پہلے اپنے منہ اور ناک پر گیلے رومال کو محسوس کیا تھا۔ اس کے بازو کھلے تھے ۔ اسے اپنی بچی اور شیر خان کا خیال آنے لگا۔ اس کے بعد بچی گھر میں اکیلی رہ گئی ہو گی۔ شیر خان نے آکر گھر میں بچی کو اکیلے دیکھا ہو گا تو اس پر کیا گزری ہو گی؟ وہ ضرور سمجھ گیا ہو گا کہ سہراب نے اس کی بیوی کو اغوا کیا ہے۔ لیکن کیا وہ اس کی تلاش میں آئے گا؟ مگر خدا جانے یہ کون سا ویران مقام ہے۔

یا اللہ! میری عزت و آبرو کا تو ہی محافظ ہے۔ اس دعا کے ساتھ ہی روبی کو اس حقیقت کا شدت سے احساس بھی ہو گیا تھا کہ اگر اس نے خود اپنی مدد نہ کی تو اس کی مدد کو کوئی نہیں پہنچے گا۔ وہ خطرناک مرحلہ آگیا تھا۔ جس سے روبی ابھی تک اپنے آپ کو بچا رہی تھی۔ وہ جان گئی تھی کہ اس کے چہرے پر ذلت و رسوائی کا ایک ایسا داغ لگایا جانے والا ہے جس کو شیر خان اس کی بیٹی عائشہ اور ان کی آنے والی نسلیں بھی نہ دھو سکیں گی اس کو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

صرف بے آبرو ہی نہیں کیا جائے گا بلکہ اس کی عفت کی دھجیاں تار تار کر کے ملک کے لونے کونے میں بکھیر دی جائیں گی۔ یہ وہ موت تھی جس کا سامنا کرتے ہوئے موت بھی شرم سے سر جھکا دے۔ یہ ایک روبی کی نہیں اس کی آنے والی نسلوں کی موت تھی۔ موت اس کے لئے ایک بہت چھوٹا لفظ تھا۔ روبی نے جرائم پیشہ لوگوں کے درمیان زندگی کا بہت بڑا حصہ ضرور گزارا تھا۔ مگر اس نے اپنے دامن عفت پر کبھی کوئی داغ نہیں لگنے دیا تھا۔ یہ صرف روبی اور اس کا خدا جانتا تھا کسی کو شاید ہی یقین آتا کہ دریا میں رہ کر اس نے کئی مگرمچھوں سے دشمنی مول لی تھی اور سینکڑوں مگرمچھوں کے پیٹ چاک کئے تھے۔ صرف پاک دامنی اور عصمت کے تحفظ کا جذبہ ہی تھا جس نے روبی کو گناہ کے ماحول میں بھی زندہ رہنے دلیری سے زندہ رہنے کا حوصلہ عطا کیا ہوا تھا۔ اس کے پاس سوائے اپنی عزت اور عفت کے اور کچھ بھی نہیں تھا۔

شیر خان پہلا نوجوان تھا جس کو یہ انمول موتی سونپ کر روبی نے شیر خان کی عزت کو بھی اس میں شامل کر لیا تھا۔ اب اس کی زندگی سے دو نسلوں کی دو خاندانوں کی عزتیں وابستہ تھیں۔ اسے حشر کے میدان میں اللہ کے حضور اس امانت کو واپس کر کے سرخرو ہونا تھا۔ وقت آگیا تھا کہ وہ اس امانت میں خیانت نہ ہونے دے اور اپنی جان کی قربانی دے کر اسے روز حشر تک کے لئے محفوظ کر لے۔ لیکن اپنی جان قربان کرنے سے پہلے وہ ان جرائم پیشہ درندہ صفت لوگوں سے اپنے پیارے وطن کی دوسری عورتوں کی ناموس کو بھی ہمیشہ کے لئے محفوظ کر لینا چاہتی تھی۔ ایک نئی بجلی روبی کے سینے میں کوند گئی' ایک نیا قہر اس کے ذہن میں بیدار ہو گیا' اسے وطن پاک کی فضاؤں کو ان درندوں سے پاک کرنا ہے اور گھر گھر امن و آشتی کے چراغ روشن کرنے ہیں۔

یہ سارے خیالات' یہ ساری سوچ بجلی کے کرنٹ کی ایک لہر کی طرح اس کے دل و دماغ سے گزر گئی تھی۔ جس شیرنی کو اس نے پاکستان کی سرزمین میں داخل ہوتے ہی زنجیر ڈال دی تھی۔ اب اس نے اس کی زنجیر کو کھول دیا تھا اور شیرنی کا رخ پاکستان کے امن دشمن تخریب کاروں اور ملک دشمن عادی جرائم پیشہ مجرموں کی طرف پھیر دیا تھا۔ اب اس کی زندگی وطن پاک کو جنت ارضی اور امن کی سرزمین بنانے کے لئے وقف تھی اب اس

کی زندگی ایک مسلسل جنگ تھی۔ ایک مسلسل جہاد تھا۔ شیطانی قوتوں کے خلاف وطن کی ترقی و خوش حالی کی راہ میں حائل تخریبی عناصر کے خلاف اور معصوم بے گناہ عورتوں کی عزتوں سے کھیلنے والے درندہ صفت انسانوں کے خلاف جہاد' مسلسل جنگ مسلسل جہاد روبی کو اپنی رگ رگ میں بجلیاں تڑپتی محسوس ہوئیں۔ اس کی آنکھوں میں وہی قہر اتر آیا جو کبھی برما' سیلون اور سنگاپور کے جنگلوں میں اپنے دشمنوں کو مشین گن کا نشانہ بناتے ہوئے اتر آیا کرتا تھا اور اس کی انگلی ٹریگر پر مسلسل دبی رہتی اور گولیوں کی بوچھار میں خونی قاتلوں کے لاشے تڑپ تڑپ کر ٹھنڈے ہوتے جاتے تھے۔

اب کی بار روبی نے آنکھیں کھول کر اپنے دائیں بائیں آمنے سامنے چاروں درندوں کو دیکھا تو وہ کسی اور ہی نگاہ سے دیکھ رہی تھی۔ یہ اس روبی کی نگاہیں نہیں تھیں جس کو سہراب کے غنڈے ایک امن پسند شریف اور غریب گھر سے اغوا کر کے لے آئے تھے۔ یہ اس شیرنی کی نگاہیں تھیں جس نے سرسبز شاداب جنگل کا امن برباد کرنے والے حقیقی دشمن کو پہچان لیا تھا۔ شخصیت کو یکسر بدل دینے والی سوچ کا یہ دھارا ایک سیکنڈ میں روبی کے ذہن سے گزر گیا تھا۔

روبی نے سب سے پہلے اس بات کا جائزہ لیا کہ پستول کس کس کے پاس ہے۔ پستول صرف سہراب کے پاس تھا اور اسے بھی اس نے قریب ہی اسٹول پر رکھا ہوا تھا جہاں اس کا گلاس پڑا تھا۔ ایک غنڈہ روبی کے پاؤں چارپائی کی پائینتی سے باندھ کر ابھی ابھی فارغ ہوا تھا۔ سامنے والا غنڈہ اپنے کیمرے کی شست درست کر رہا تھا۔ تیسرا غنڈہ اس کے بائیں جانب بیٹھا ہوا تھا اور اس نے روبی کے بالوں کو اپنے پنجوں میں جکڑ رکھا تھا۔ سہراب جھومتا ہوا اسٹول پر سے اٹھا اور گالی دے کر بولا۔

"کون سی ماں کا انتظار کر رہے ہو؟ پہلی تصویر کے لئے جہاں کیمرہ رکھنا ہے رکھ کر بیٹھ جاؤ۔" کیمرے والا غنڈہ شیطانی مسکراہٹ کے ساتھ تیزی سے روبی کے پہلو میں آگیا اور کیمرے کے ساتھ ایک آنکھ لگا کر بولا۔

؟چلو استاد میں تیار ہوں۔"

سہراب نے اس غنڈے کو پیچھے جھٹک دیا جس نے روبی کے بال پکڑ رکھے تھے پھر خود

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہی روبی کے بال پکڑ لئے تھے۔ پھر روبی کے بالوں میں ہاتھ پھیرنے لگا۔

"میری جان تم اس بکنگ کلرک کے پاس کیوں اپنی جوانی برباد کر رہی ہو ہمارے پاس آجاؤ۔ ہم تمہیں عیش کرائیں گے۔" اس کا ہاتھ روبی کے بالوں سے پھسلتا ہوا اس کی گردن پر آیا تو روبی نے ذرا سا مسکرا کر کہا۔

"اگر تم چاہتے ہو کہ میں تمہاری مرضی کے مطابق تصویریں بنواؤں تو میرے پاؤں کھول دو میں کہیں بھاگ کر تو جا نہیں سکتی۔" سہراب کو چڑھی ہوئی تھی۔ وہ روبی کو رضا مند دیکھ کر خوش ہو گیا۔ اس نے حکم دیا۔

"اس کے پاؤں کھول دو۔" روبی کے پاؤں کھول دیے گئے وہ اب آزاد تھی۔ اس نے دیکھ لیا تھا کہ پستول ابھی تک اسٹول پر ہی پڑا ہے۔ وہ چارپائی سے اٹھنے لگی تو سہراب نے اسے بازو سے پکڑ کر دوبارہ لٹا دیا۔

"اونہوں' ابھی اٹھنا نہیں میری جان' تیری میری پہلی تصویر ایسے ہی بنے گی۔" پھر اس نے کیمرے والے غنڈے کو چلا کر حکم دیا کہ فوکس کرو۔ سہراب نے دست درازی شروع کر دی۔ روبی کا کاؤنٹ ڈاؤن ختم ہو چکا تھا۔ ایک کے بعد صفر کا ہندسہ آگیا تھا۔

روبی کے جسم میں بجلی چمکی۔ اس نے اپنا بایاں بازو سہراب کی ٹھوڑی کے نیچے نرخرے پر مارا ضرب اتنی اچانک اور اتنی شدید تھی کہ سہراب ایک بار تو پیچھے گر پڑا مگر وہ فوراً اٹھ کھڑا ہوا۔ دوسرے غنڈے بھی روبی کو قابو کرنے کے لئے اس کی طرف لپکے مگر اتنی دیر میں پستول روبی کے ہاتھ میں آ چکا تھا۔ اب اس نے کچھ نہیں دیکھا کہ اس کے سامنے کون ہے۔ پستول کی نالی سے شعلے لپک رہے تھے۔ فائر ہو رہے تھے دھماکے ہو رہے تھے۔ ایک گولی سہراب کی گردن میں لگی ایک اس غنڈے کے پیٹ میں سے نکل گئی جس کے ہاتھ میں انسانیت سوز تصویریں اتارنے والا کیمرہ تھا۔ تیسری گولی پائینتی کی طرف سے روبی پر جھکے ہوئے غنڈے کی آنکھ میں لگی اور کھوپڑی کو چیرتی ہوئی پیچھے سے نکل گئی۔ چوتھے غنڈے نے پستول نکالنے کے لئے گھبرا کر جیب میں ہاتھ ڈالا ہی تھا کہ روبی کے پستول کی نالی نے ایک اور شعلہ اگلا اور یہ غنڈہ بھی دہرا ہو کر وہیں گر پڑا۔ جس کے پیٹ میں گولی لگی تھی وہ اٹھا لڑکھڑایا اس کے ہاتھ میں چاقو تھا۔ روبی نے فائر کیا مگر پستول کی گولیاں

ختم ہو چکی تھیں۔ غنڈے نے چاقو کا وار کیا لیکن روبی کے پاس چینی استادوں کے سیکھے ہوئے ابھی بہت سے داؤ خالی تھے اور پھر یہ کیمرے والا غنڈہ شدید زخمی بھی تھا۔ اس کے پیٹ سے خون ابل رہا تھا' روبی ایک طرف ہٹ گئی۔ غنڈہ اپنے ہی بوجھ سے آگے گرا' سہراب شدید زخمی تھا اور گردن سے خون کا پرنالہ بہہ رہا تھا۔ روبی نے لپک کر چارپائی کے پائینتی کے پاس ڈھیر غنڈے کی جیب سے دوسرا پستول نکال لیا یہ ریوالور تھا۔ اس نے ان زخمی غنڈوں کا بڑے اطمینان سے جائزہ لیا صرف وہ غنڈہ جہنم رسید ہو چکا تھا جس کی آنکھ میں گولی لگی تھی۔ باقی ابھی زندہ تھے۔ روبی سب سے پہلے سہراب کے پاس آئی اس نے کھڑے کھڑے سہراب کے سر میں گولی مار دی۔ پھر وہ باری باری دونوں زخمی غنڈوں کے پاس گئی اور ایک ایک گولی ان کی کھوپڑیوں میں بھی اتار دی جب اسے یقین ہو گیا کہ یہ چاروں کے چاروں سانپ' انسانیت کے دشمن اور قدم قدم پر قانون شکنی کرنے والے عادی مجرم مر چکے ہیں تو اس نے فرش پر گرا ہوا کیمرا اٹھا کر کھولا اس قسم کے بلکہ اس سے اعلیٰ قسم کے کیمرے وہ ہانگ کانگ' برما اور سیلون میں دیکھ چکی تھی اور استعمال بھی کر چکی تھی۔

روبی نے کیمرے سے فلم نکال کر چارپائی کے اوپر رکھ دی۔ چاروں غنڈوں کی لاشوں کو بھی گھسیٹ گھسیٹ کر چارپائی کے آس پاس ڈال دیا۔ مٹی کے تیل کا لیمپ روشن تھا۔ اس کا تیل لاشوں اور چارپائی پر انڈیلا لالٹین چارپائی پر پھینک دی مٹی کے تیل نے ایک دم آگ پکڑ لی روبی دروازہ کھول کر کوٹھری سے باہر آگئی باہر آکر اس نے دروازہ بند کر کے کنڈی لگا دی۔ وہ تھوڑی دور کھڑی ہو کر کوٹھری کے واحد روشندان کو تکنے لگی۔ تھوڑی دیر بعد روشندان میں سے دھواں نکلنے لگا۔ روبی نے ریوالور کو کھول کر میگزین دیکھا۔ ریوالور میں ابھی گولیاں تھیں۔ اس نے ریوالور قمیص کے اندر چھپا دیا اور آسمان کی طرف نگاہ اٹھائی۔

کراچی کے خاموش پرسکون آسمان پر بے شمار ستارے جھلملا رہے تھے۔ چاروں طرف خاموشی تھی۔ روبی کو خیال آیا کہ ان غنڈوں کی کوئی نہ کوئی گاڑی یہاں ضرور ہو گی۔ کوٹھری کے آگے کوئی گاڑی نہیں تھی۔ وہ عقب میں گئی تو وہاں ایک جیپ کھڑی تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جس کے چاروں طرف موم جامے کی ترپال پڑی تھی۔ روبی نے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ کر سیلف دبایا تو انجن اسٹارٹ ہو گیا وہ جیپ کو کوٹھری کے دروازے کی طرف لے آئی۔ اس کی نگاہیں اپنے آپ روشندان کی طرف اٹھ گئیں۔ روشندان میں سے گاڑھا دھواں نکل رہا تھا۔ ابھی تک کوئی شعلہ بلند نہیں ہوا تھا۔ روبی یہ سوچ کر وہاں سے چل دی کہ جہاں دھواں اٹھ رہا ہے وہاں آگ کے شعلے بھی ضرور بلند ہوں گے۔

ستاروں کی دھندلی دھندلی روشنی میں وہ جیپ کو لے کر ایک چھوٹی سی کچی سڑک پر آگئی یہ سڑک آگے جا کر کراچی شہر جانے والی سڑک کے ساتھ مل گئی تھی۔ اس نے جیپ اس سڑک پر ڈال دی۔ وہ جتنی جلدی ہو سکے شیر خان اور اپنی بچی کے پاس پہنچنا چاہتی تھی۔ دور سے کراچی شہر کی روشنیاں نظر آنے لگیں۔ روبی کو اپنے گھر کا راستہ معلوم نہیں تھا۔ علاقے کا نام اسے ضرور یاد تھا۔ ایک چوراہے پر پہنچ کر اس نے گاڑی ایک طرف کھڑی کی اور اس ٹرک کے پاس آئی جو سڑک کے کنارے کھڑا تھا اور جس کا ڈرائیور اس کا ٹائر بدل رہا تھا۔ روبی نے اس سے اپنے علاقے کا راستہ پوچھا۔ ٹرک ڈرائیور نے روبی کو بڑے غور سے دیکھا۔ پھر اس علاقے کا راستہ بتا دیا۔ روبی جیپ پر بیٹھی اور اسے تیزی سے سڑک پر ڈال دیا۔ اپنے علاقے میں جو سینما گھر تھا اسے روبی نے پہچان لیا۔ اب وہ بڑی آسانی سے گھر پہنچ سکتی تھی۔ رات کا پچھلا پہر تھا۔ اس نے گاڑی اپنی گلی کے باہر ہی روک دی جیپ سے اتر کر تیز تیز قدموں سے مکان کے دروازے پر آکر آہستہ سے دستک دی۔ اندر سے شیر خان کی آواز آئی۔ "کون ہے؟"

روبی نے کہا: "میں ہوں دروازہ کھولو۔" فوراً ہی دروازہ کھل گیا۔

شیر خان نے روبی کو دیکھا تو اسے بے اختیار اپنے ساتھ لگا لیا۔ روبی اس کی بانہوں سے نکل کر چارپائی کی طرف بڑھی۔ "میری بچی کیسی ہے؟" بچی سو رہی تھی' اس نے عائشہ کو اپنے سینے سے لگا لیا۔

شیر خان نے پوچھا: "تم کہاں تھیں؟"

روبی نے پوچھا: "میری بچی نے دودھ پیا تھا؟"

شیر خان بولا: "ہاں وہ بہت رو رہی تھی میں نے بوتل میں دودھ بنا کر اسے پلا دیا تھا۔ مگر

تم کہاں تھیں؟ کیا سہراب کے آدمیوں نے تمہیں اغوا کیا تھا؟ یہ چاولوں کی بوری کون لایا تھا؟ روبی نے مٹکے میں سے پانی نکال کر پیا۔ پھر بچی کے پاس چارپائی پر بیٹھ گئی اور شیر خان کو ساری داستان بیان کر دی۔

شیر خان بڑے غور سے سب کچھ سنتا رہا۔ جب روبی نے سب کچھ بتا دیا تو شیر خان بولا۔

"میں جانتا تھا وہ ذلیل آدمی ایسی ہی حرکت کرے گا۔"

ایک لمحے کے لئے کچھ سوچنے لگا پھر کہنے لگا

"تم نے اپنی جان اور عزت بچانے کے لئے انہیں ہلاک کیا ہے۔ قانون تمہارے ساتھ ہو گا' ڈی ایس پی بڑا دیانت دار شخص ہے۔"

روبی نے کہا: "میں صبح ہوتے ہی تھانے میں پیش ہو جاؤں گی۔ میں نے یہی فیصلہ کیا ہے۔ یہ ریوالور اور جیپ میں پولیس کے حوالے کر دوں گی۔ مجھے خوشی ہے کہ میں نے چار انسانوں کو نہیں بلکہ چار شیطان صفت درندوں کو ہلاک کیا ہے۔ جو نجانے اب تک کتنی عصمتیں برباد کر چکے ہیں کتنے گھروں کو اجاڑ چکے ہیں۔"

باتوں ہی باتوں میں دن نکل آیا گلی میں سب کو پتا چل گیا کہ روبی واپس گھر آگئی ہے۔ عورتیں اس سے ملنے آگئیں' روبی نے ان سے اصلی بات کو چھپا لیا اور ٹال دیا' ہمسائی مریم ایک مدبر عورت تھی اور روبی سے اس کے تعلقات بڑے اچھے تھے۔ روبی نے ایک طرف بٹھا کر مریم کو ساری روداد سنا دی اور کہا۔

"میں اور شیر خان تھانے جا رہے ہیں' تم میری بچی عائشہ کو اپنے پاس رکھنا کوئی پتا نہیں پولیس مجھے واپس آنے دے یا نہ آنے دے۔ اگر میں دو چار دن واپس نہ آئی تو تم میری بیٹی کو وقت پر دودھ پلا دیا کرنا۔ میں تمہیں کچھ روپے دے جاتی ہوں۔" مریم نے روبی کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا اور بولی۔

"تم میری چھوٹی بہن ہو۔ میں اتنی گئی گزری بھی نہیں ہوں کہ تم سے بچی کے دودھ کے پیسے لوں۔ تم فکر نہ کرو' تم نے بڑا ٹھیک فیصلہ کیا ہے۔ قانون کی نظروں میں تم بے گناہ ہو تم جلدی واپس آجاؤ گی۔"

شیر خان نے روبی کو جیپ میں اپنے ساتھ بٹھایا اور سیدھا تھانے آگیا۔ روبی نے اسی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وقت اپنا اقبالی بیان درج کرا دیا۔ ڈی ایس پی ملک صاحب کو فون پر اطلاع دی گئی وہ فوراً تھانے پہنچ گئے روبی کو ایک طرف لے جا کر اس سے سارا واقعہ سنا اور پھر ریوالور اور جیپ کو اپنے قبضے میں لینے کے بعد روبی سے کہا۔

معاملہ سنگین ہے بی بی' تمہیں ابھی پولیس کی تحویل میں ہی رہنا ہو گا۔"

روبی کو پولیس کی تحویل میں دینے کے بعد ڈی ایس پی پولیس پارٹی کو ساتھ لے کر سہراب کے شہر سے باہر والے اڈے کی طرف روانہ ہوئے وہاں جا کر دیکھا کہ کوٹھری کا آدھا دروازہ جل چکا تھا۔ اندر سہراب اور اس کے تین ساتھی غنڈوں کی ادھ جلی لاشیں پڑی تھیں۔ لاشوں کو اسی وقت پوسٹ مارٹم کے لئے سول اسپتال کی طرف روانہ کر دیا گیا۔ پوسٹ مارٹم رپورٹ سے بھی یہی معلوم ہوا کہ چاروں غنڈوں کو پہلے پستول کی گولیاں مار کر ہلاک کیا گیا پھر ان کے جسموں کو آگ لگا دی گئی۔ پولیس نے روبی کو عدالت میں پیش کر دیا۔ عدالت میں جج کے روبرو بھی روبی نے یہی بیان دیا تھا۔

"سہراب اور اس کے ساتھی مجھے بے ہوش کر کے ڈیرے پر لے گئے وہاں مجھ کو بے آبرو کر کے تصویریں اتارنا چاہتے تھے مگر میں نے موقع پا کر پستول قابو کیا اور باری باری چاروں کو فائرنگ کر کے ہلاک کر دیا۔"

عدالت نے ریمارکس دیے کہ یہ سیلف ڈیفنس اور تحفظ ناموس کا کیس ہے' انہی لائنوں پر اس کا مقدمہ درج ہونا چاہئے۔

مگر سہراب غنڈے کا ایک بھائی تھا جو منشیات کا ناجائز دھندا کرتا تھا اور اس کا بڑا اثر و رسوخ تھا۔ اس نے اپنے چھوٹے بھائی کی قاتلہ کو پھانسی کے تختے تک پہنچانے کے لئے اپنی ناجائز کمائی کی دولت کا منہ کھول دیا اور بھاری رشوتیں دے کر کچھ بے ضمیروں کو خرید لیا اور ان کی مدد سے نہ صرف دیانتدار پولیس افسر کی بدکرداری بلکہ مقدمہ بھی دوسری عدالت میں منتقل کروا لیا۔ کیس کا نقشہ بدلنا شروع ہو گیا۔ صاف لگ رہا تھا کہ روبی کو پھانسی ہو جائے گی۔ ابھی تک وہ جوڈیشل حوالات میں ہی بند تھی۔ شیر خان اسے ملنے اور بچی عائشہ کو ملانے روزانہ آتا تھا۔ مگر حالات رخ بدلنے لگے۔ یہ خبر گرم تھی کہ روبی کو حوالات سے نکال کر پھانسی کی کوٹھری میں منتقل کر دیا جائے گا۔ ایک روز شیر خان ملاقات

کرنے آیا تو روبی نے اپنی بیٹی عائشہ کو سینے سے لگا کر پیار کیا اور شیر خان سے کہا۔

"لگتا ہے دو ایک روز میں مجھے پھانسی کی کوٹھری میں ڈال دیں گے۔ پھر تم اور عائشہ مجھ سے دور ہو جاؤ گے۔"

شیر خان کو بھی اندازہ ہو چلا تھا کہ سہراب کے بھائی ہاشم کی ناجائز دولت اپنا کام کر رہی ہے اور روبی کا کیس بگڑ کر کچھ کا کچھ شکل اختیار کر رہا ہے۔ شیر خان کے پاس اتنا پیسہ نہیں تھا کہ کسی اعلیٰ وکیل کی خدمات حاصل کی جا سکتیں۔ ایماندار عدل پسند اور فرض شناس اہلکاروں کی کچھ پیش نہ چل رہی تھی۔ شیر خان بے بسی سے حالات کو خطرناک صورت اختیار کرتے دیکھ رہا تھا۔ اس نے روبی کی زبان سے یہ بات سنی تو یونہی اسے حوصلہ دینے کی کوشش کرتے ہوئے بولا۔

"فکر مند نہ ہو روبی' تمہیں پھانسی نہیں ہو سکتی۔ تم نے اپنی عزت اپنی جان بچانے کے لئے ان درندہ صفت غنڈوں کو قتل کیا تھا۔ بہت ہوا تو چھ سات سال کی سزا ہو جائے گی۔ مجھے اس کی بھی توقع نہیں قانون اندھا نہیں ہے۔" روبی نے بچی کا ماتھا چوم کر کہا۔

"قانون اندھا نہیں ہے شیر خان مگر کچھ لوگ اندھے ضرور ہو گئے ہیں۔ وہ سیدھی راہ سے بھٹک گئے ہیں۔ انہوں نے اپنا ضمیر دولت کے عوض فروخت کر دیا ہے۔"

شیر خان سانس بھر کر رہ گیا۔ اس نے روبی کی طرف نظریں اٹھا کر دیکھا۔ اسکے چہرے سے شیر خان کو کس قدر پیار تھا۔ کتنا اچھا لگتا تھا۔ اسے کھلتے ہوئے رنگ' سیاہ چمکیلی آنکھوں اور ستواں ناک والا یہ چہرہ اس چہرے نے شیر خان کو برما' سیلون کے جنگلوں میں موت کے روبرو بھی طاقت بخشی تھی۔ یہ چہرہ شیر خان کی محبت کا پہلا اور آخری چہرہ تھا۔ اسے اپنی بچی عائشہ سے اس لئے بھی زیادہ پیار تھا کہ وہ ہو بہو اپنی ماں کی تصویر تھی۔ شیر خان نے بڑی سے بڑی مصیبت میں بھی روبی کے چہرے کو ایک پل کے لئے پریشان نہ دیکھا تھا۔ یہ چہرہ اس وقت بھی پریشان نہیں تھا۔ بلکہ روبی کی آنکھوں میں شیر خان نے ایک ایسی چمک دیکھی جس سے وہ خوب شناسا تھا۔ یہ چمک عام طور پر روبی کے چہرے پر کوئی بڑا فیصلہ کر لینے کے بعد پیدا ہوا کرتی تھی۔

شیر خان اور روبی دونوں ابھی جوان تھے۔ پوری زندگی اور زندگی کے اٹھتے ہوئے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جذبات ان کی خوشیاں ان کے نشیب و فراز سب کچھ ان کے سامنے تھا۔ ابھی انہوں نے زندگی کی ہائی وے پر ایک تہائی میل ہی سفر طے کیا تھا۔ ابھی پورا سفر باقی تھا۔ ننھی سی عائشہ روبی کی گود میں اپنے ننھے ننھے ہاتھوں سے ماں کے بالوں کی ایک لٹ کو پکڑنے کی کوشش کر رہی تھی۔ روبی نے مامتا کی مسکراہٹ کے ساتھ اپنی بچی کا منہ چوم لیا اور شیر خان کی طرف دیکھے بغیر کہا۔

"میری بچی کو شیرنی بنانا ہے۔ بکری نہ بنانا جس کی ٹانگیں بھیڑیے کو اپنے سامنے دیکھ کر کانپنے لگتی ہیں ..... نہیں ..... نہیں اسے شیرنی بنانا جو بھیڑیے کو پھاڑ کر رکھ دیتی ہے۔"

شیر خان نے کہا "ہم اسے ایسی ہی بنائیں گے۔" روبی نے بچی کو شیر خان کی گود میں دیتے ہوئے کہا۔

"اب اسے گھر لے جاؤ ملاقات کا وقت پورا ہو گیا ہے۔ وہ دیکھو جمعدار ہماری طرف آرہا ہے۔" شیر خان نے روبی کے چہرے پر کچھ دیکھ لیا تھا۔ اس نے دبی زبان میں کہا۔

"تم کیا سوچ رہی ہو روبی؟" روبی مسکرا دی۔ اسی مسکراہٹ میں شیر خان کی زندگی کی ساری خوشیاں ساری مسرتیں ساری محبتیں پوشیدہ تھیں۔ ایک بار اس کا دل چاہا کہ قریب آتے جمعدار کی رائفل چھین ڈالے سب کو ہلاک کرتا روبی کو نکال کر لے جائے۔ دوسرے لمحے جمعدار نے اس کے بازو کو پیچھے کھینچتے ہوئے کہا کہ ملاقات کا وقت ختم ہو گیا ہے۔ اسی لمحے جیل کی دو اہلکار عورتیں وہاں آگئیں۔ انہوں نے روبی کو اپنے حصار میں لے لیا اور سلاخوں والے برآمدے میں ساتھ لے کر زنانہ بیرک کی طرف چل دیں۔ روبی کو اس زنانہ جوڈیشل جیل میں تیسرا مہینہ جا رہا تھا۔ اس کا مقدمہ عدالت میں چل رہا تھا اور اب جیسا کہ پہلے بیان کر چکا ہوں کسی بھی دن اسے یہاں سے بڑی جیل پھانسی کی کوٹھری میں منتقل کیا جانے والا تھا۔

زنانہ بیرک میں بہت سی عورتیں تھیں جن کے کیس عدالت میں تھے ان میں ملنگی نام کی ایک معمر عورت بھی تھی۔ جس پر منشیات کی اسمگلنگ کا مقدمہ چل رہا تھا۔ یہ عورت روبی کے ساتھ بڑی شفقت سے پیش آتی وہ اسے اکثر کہا کرتی۔

"تم بڑی بہادر لڑکی ہو۔ سب لڑکیوں کو ایسا ہی بہادر ہونا چاہئے تاکہ کسی کو جرات نہ

ہو کہ وہ کسی لڑکی کی عزت پر حملہ کر سکیں شاباش تمہاری جگہ میں ہوتی تو میں بھی ایسا ہی کرتی۔ تم نے چار غنڈوں کو قتل کیا ہے۔ میں ہوتی تو ان کی کھال کھینچ کر ان میں ریت بھرتی اور پھر انہیں کیماڑی پر الٹا لٹکا دیتی۔" اس کے بعد ملنگی زور سے قہقہہ مار کر ہنسنے لگتی۔

روبی کو بھی اس عورت سے لگاؤ ہو گیا تھا۔ اس عورت میں اسے بے ساختگی' سچائی اور دلیری کی جھلکیاں نظر آتی تھیں۔ روبی نے ملنگی کو اپنے ماضی کے بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا۔ وہ کسی کے آگے ماضی کا باب کھولنا بھی نہیں چاہتی تھی۔

ہفتے میں دو تین دن ملنگی کا بیٹا اس سے ملاقات کرنے آیا کرتا تھا۔ وہ بھی ملنگی کی طرح ہی شانے ہلا ہلا کر باتیں کرتا۔ وہ تیس بتیس برس کا خوش شکل جوان تھا جب بھی ملاقات کرنے آتا بالوں میں خوشبودار تیل لگا کر آتا تھا۔ اس کا نام دارا تھا۔ ظاہر ہے وہ بھی غنڈہ ٹائپ آدمی ہی تھا اور وہ بھی منشیات کا ناجائز کاروبار ہی کرتا تھا۔ ملنگی بتایا کرتی تھی۔

"میرا بیٹا دارا بڑا بہادر لڑکا ہے۔ چھ آدمیوں سے اکیلا کشتی لڑتا ہے۔" پھر آنکھ مار کر روبی کے کان میں یہ کہہ کر زور سے قہقہہ مارتی کہ میرا بیٹا دو قتل بھی کر چکا ہے۔ مگر دونوں ڈاکو تھے اور پولیس کو مطلوب تھے۔"

روبی نے دارا میں کبھی کوئی دلچسپی نہیں لی تھی۔ روبی ایک وفا شعار بیوی تھی اور اس کی زندگی کا ایک ہی مرکز تھا جس کا نام شیر خان تھا۔ وہی اس کی زندگی کا طلوع و غروب تھا۔ وہی اس کی زندگی کا شمال' جنوب' مشرق و مغرب تھا۔ اسی سچے جذبے نے روبی کو سوائے اللہ اور اس کے رسول کے ہر کسی کے آگے بے خوف بنا دیا تھا۔

جس روز شیر خان اس سے ملاقات کر کے گیا اور اس نے روبی کے چہرے پر ایک عجیب سی فیصلہ کن چمک دیکھی تھی اس روز شام سے ذرا پہلے روبی جیل کی بیرک میں ملنگی کے پاس آئی۔ وہ بیرک کے احاطے میں برآمدے کی ٹوٹی ہوئی سیڑھیوں پر بیٹھی کسی دوسری عورت سے باتیں کر رہی تھی۔ اس نے روبی کو دیکھا تو اس عورت کے کاندھے پر زور سے ہاتھ مار کر بولی۔

"چل ری اب جا کر اپنا کام کر میری بیٹی آگئی ہے۔ اب میں اس سے باتیں کروں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گی۔"

روبی نے سلام کیا اور ملنگی کے پاس ہی بیٹھ گئی۔ بیرک کے احاطے میں دھوپ سامنے والی دیوار کے اوپر تک چلی گئی تھی۔ یہ دیوار کم از کم چار مرد اونچی تھی اس کے اوپر خاردار نہیں لگی تھی۔ ملنگی نے کہا۔

"تمہاری آج ملاقات تھی۔ تمہارا آدمی آیا تھا؟ تم اپنی بچی کو یہاں ساتھ کیوں نہیں رکھتیں؟ تمہیں تو آسانی سے اس کی اجازت مل جائے گی بیٹی' تمہاری بچی تو ابھی تمہارا دودھ پیتی ہے۔"

روبی نے آنکھیں سکیڑ کر احاطے کی دیوار کی طرف دیکھا اور بولی "نہیں خالہ میں اسے اس ماحول میں نہیں لانا چاہتی۔ وہ اپنے باپ کے پاس ہی ٹھیک ہے۔ محلے کی عورت مریم اس کی دیکھ بھال کرتی ہے۔"

ملنگی نے روبی کے شانے کو دباتے ہوئے اپنے ٹوٹے ہوئے دانت کی نمائش کرتے ہوئے کہا۔ "ارے ابھی تو تم دونوں کے عیش کرنے کے دن تھے۔ چلو کوئی بات نہیں۔ تم بہت جلدی بری ہو جاؤ گی۔" پھر فکر مند سی ہو کر روبی کی طرف جھک کر بولی۔ "مگر بیٹی میں نے سنا ہے تمہارے وکیل نے کیس خراب کر دیا ہے اور تمہیں یہاں سے نکال کر پھانسی کی کوٹھری میں لے جایا جائے گا۔"

روبی نے آہستہ سے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا "ہاں خالہ! سنا تو میں نے بھی ہے۔"

ملنگی نے روبی کو تسلی دیتے ہوئے کہا "خدا پر بھروسہ رکھو بیٹی' اس کے ہاں دیر ضرور ہے اندھیر نہیں ہے۔"

مگر روبی کا ملنگی کی باتوں کی طرف کوئی دھیان نہیں تھا۔ وہ کچھ اور ہی سوچ رہی تھی۔ بلکہ جو کچھ سوچ چکی تھی اس کے بارے میں بات کرنے کے لئے جملہ تلاش کر رہی تھی۔ ملنگی نے صدری کی جیب سے مڑے تڑے دو سگریٹ نکالے ایک سگریٹ روبی کو دے کر کہا۔

"لو پیو' میرا بیٹا دے گیا تھا' یہ دو ہی بچے ہیں باقی۔"

وہ جانتی تھی کہ روبی کبھی کبھی سگریٹ پی لیا کرتی ہے۔ اس وقت روبی کو سگریٹ کی طلب بڑی شدت سے محسوس ہو رہی تھی۔ اس نے کڑوے سگریٹ کا ایک کش لگایا اور دو تین سیکنڈ خاموش رہنے کے بعد دائیں بائیں ایک نگاہ ڈالی عورتیں اس سے دور دور تھیں روبی نے ملنگی کی کلائی پر اپنا ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"خالہ! میں جیل سے فرار ہونا چاہتی ہوں۔"

ملنگی کی نگاہیں روبی کے چہرے پر ٹھٹک سی گئیں۔ "کیا تم سچ کہہ رہی ہو بیٹی؟" ملنگی نے دبی آواز میں پوچھا' روبی نے اپنے ہاتھ کی گرفت خالہ ملنگی کی کلائی پر مضبوط کرتے ہوئے کہا۔

"ہاں خالہ! میں نے یہاں سے فرار ہونے کا فیصلہ کر لیا ہے' تمہیں اس لئے بتا رہی ہوں کہ مجھے فرار ہونے کا کوئی راستہ بتاؤ۔" خالہ ملنگی کا چہرہ سنجیدہ ہو گیا تھا۔

چند مہینوں میں اس کو روبی کی طبیعت کا پتا چل گیا تھا۔ وہ خود بھی تجربہ کار عورت تھی۔ اس کا کئی جرائم پیشہ عورتوں اور مردوں سے واسطہ پڑ چکا تھا۔ روبی کے بارے میں اس نے جو نظریہ قائم کیا ہوا تھا وہ یہ تھا کہ یہ لڑکی دل کا بھید نہیں بتاتی۔ وہ عادی مجرمہ نہیں ہے لیکن اس نے عادی مجرموں کو لگتا ہے بڑے قریب سے دیکھا ہے ملنگی کو یہ بھی علم ہو گیا تھا کہ روبی کے کردار میں ذرا سی بھی لچک نہیں ہے۔ وہ فیصلہ کن انداز میں بات کرتی ہے وارڈ کی دوسری عورتوں کے ساتھ روبی نے کبھی زیادہ بات چیت نہیں کی تھی۔ یہی وہ خصوصیات تھیں جن کی وجہ سے خالہ ملنگی روبی کو پیار کرتی تھی۔ اب جب اس نے فرار ہونے کی خواہش ظاہر کی تو ملنگی کو یقین ہو گیا کہ یہ لڑکی اب جیل کی چار دیواری میں نہیں رہ سکے گی۔ اس نے روبی کی مدد کرنے کا فیصلہ کر لیا کیونکہ وہ یہ بھی جانتی تھی کہ روبی نے عمداً کسی کو قتل نہیں کیا۔ اس نے اپنی عزت اور جان بچانے کے لئے غنڈوں کو ہلاک کیا تھا۔ لیکن اس کا بچاؤ کرنے والا پیروی کرنے والا کوئی نہیں تھا۔ اس کے خاوند شیر خان کی اتنی استطاعت نہیں تھی اور دوسری طرف مقتول غنڈے سہراب کا بھائی ہاشم ایک بدنام غنڈہ اور اسمگلر تھا اور اس نے اپنی دولت سے چند بے ضمیر لوگوں کو خرید لیا تھا اور یوں روبی پھانسی کے تختے کی طرف بڑھ رہی تھی۔ خالہ ملنگی نے ارد گرد کا جائزہ لیا۔ ان کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

قریب دوسری کوئی عورت نہیں تھی۔ وہ روبی سے کہنے لگی۔

"یہ کام مشکل ہے۔ اگرچہ یہ بڑی جیل نہیں ہے۔ پھر بھی یہاں چوکی پہرے کا بڑا سخت انتظام ہے۔ اگر تم نے فیصلہ کر ہی لیا ہے تو میں اپنے بیٹے دارا سے بات کروں گی وہ باہر سے تمہاری مدد کر سکے۔" روبی نے آہستہ سے اثبات میں سر ہلا دیا۔

دو روز بعد ملنگی کا بیٹا دارا ملاقات کرنے کے لئے آیا جب وہ چلا گیا تو ملنگی روبی کو بیرک کے احاطے میں ایک طرف لے گئی۔ وہ اینٹوں کے چبوترے پر بیٹھ گئی۔

روبی نے پوچھا: "کوئی بات ہوئی خالہ؟"

ملنگی نے آہستہ سے کہا: "ہاں دارا تمہاری مدد کرنے کو تیار ہے۔ پہلے وہ راضی نہیں ہوتا تھا مگر میں نے ساری بات بیان کی اور کہا کہ روبی کو ناحق مارا جا رہا ہے۔ پھر وہ راضی ہو گیا۔ اس نے مجھے ترکیب بھی بتا دی ہے۔" اتنا کہہ کر ملنگی چپ ہو گئی۔

جیل کی حوالدارنی چھڑی ہاتھ میں لئے ادھر آ رہی تھی۔ ملنگی نے اسے سلام کر کے خیر خیریت پوچھی۔ حوالدارنی نے سلام کا کوئی جواب نہ دیا اور دونوں کو گھورتی ہوئی آگے نکل گئی۔ ملنگی کہنے لگی۔

"اس حوالدارنی سے سنبھل کر رہنا۔ یہ آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دل کا بھید معلوم کر لیتی ہے۔" روبی کو حوالدارنی سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ اس نے ملنگی سے پوچھا۔

"تمہارے بیٹے نے کیا ترکیب بتائی ہے؟" ملنگی نے روبی کو ساری ترکیب بتا دی اور کہا۔

"اگلی ملاقات پر دارا مجھے بتا دے گا کہ وہ رات کے کتنے بجے جیل کی جنوبی دیوار کے پیچھے موجود ہو گا۔" پھر اس نے پلٹ کر روبی سے سوال کیا۔

"تم رسی کی مدد سے دیوار پر چڑھ جاؤ گی؟" روبی کے ہاں میں جواب دینے پر ملنگی بولی۔

"بس اب تم اگلی ملاقات تک مجھ سے یہاں زیادہ بات چیت نہ کرنا بلکہ مجھ سے الگ الگ ہی رہنا۔"

اسی روز شیر خان کی ملاقات تھی۔ روبی نے اسے اپنے فرار کے منصوبے کے بارے میں کچھ نہ بتایا۔ اگر روبی کی معصوم بیٹی کی پرورش کا بوجھ شیر خان کے کاندھوں پر نہ ہوتا تو وہ شیر خان ہی کی مدد سے جیل سے فرار ہونے کی کوشش کرتی، لیکن اب معاملہ برعکس تھا

معصوم بچی کو ساتھ رکھ کر روبی اپنے آئندہ کے پروگرام پر عمل نہیں کر سکتی تھی۔ بچی کو اسی کے باپ کے پاس حالت امن میں ہی ہونا چاہئے تھا تاکہ وہ اس کی پرورش کر سکے۔ شیر خان روبی کو اپنے وکیل اور مقدمے کے بارے میں ضروری باتیں بتاتا رہا اور روبی ان باتوں سے بے نیاز اپنی بچی عائشہ کو گود میں لئے پیار کرتی رہی۔ ملاقات کا وقت ختم ہو گیا۔ شیر خان بچی کو لے کر اگلی ملاقات پر آنے کا وعدہ کر کے غمگین چہرہ لئے چلا گیا۔

پروگرام کے مطابق روبی خالہ ملنگی سے الگ الگ رہنے لگی۔ دو روز بعد روبی کو پتا چلا کہ ملنگی کی ملاقات آ گئی ہے اور وہ اپنے بیٹے سے ملاقات کر رہی ہے، روبی سمجھ گئی کہ فرار کا وقت قریب ہے۔ ملاقات کے بعد بھی ملنگی نے روبی سے کوئی بات نہ کی۔ وہ اس کے نزدیک بھی نہ آئی۔ روبی مطمئن رہی۔ شام کے وقت جب اندھیرا چھانے لگا تھا تو ملنگی نے روبی کے قریب سے گزرتے ہوئے اسے اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا۔ وہ چھوٹی بیرک کی دیوار کے عقب میں چلی گئی۔ روبی نے تھوڑا وقفہ دیا اور وہ بھی چھوٹی بیرک کی دیوار کے پیچھے آ گئی وہاں خالہ ملنگی شام کے اندھیرے میں دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑی تھی۔ روبی کو دیکھتے ہی کہنے لگی۔

"تمہیں جہاں کہا ہے وہاں آج رات پہنچ جانا۔ میرا بیٹا تمہیں لینے کے لئے آیا ہو گا۔ بس اب جاؤ۔ میرے پاس تمہارا زیادہ دیر رہنا اس وقت مناسب نہیں وقت یاد ہے ناں؟"

روبی نے آہستہ سے کہا: "ہاں خالہ یاد ہے۔" پھر خالہ ملنگی نے کوئی بات نہ کی اور تیز تیز قدموں سے دیوار کے ساتھ ساتھ چل دی۔

روبی بھی اپنی بیرک میں واپس آ گئی۔ اب وہ رات کے بارہ بجنے کا شدت سے انتظار کرنے لگی۔ روبی کو اندازہ ہو گیا تھا کہ چونکہ یہاں زیر سماعت مقدموں میں ملوث عورتیں رکھی گئی تھیں اس لئے جیل میں وہ سختی نہیں تھی جو باقاعدہ جیلوں میں ہوتی ہے۔ اس کے احاطے کی پکی دیوار کی بلندی بھی پندرہ فٹ سے زیادہ نہیں تھی۔ پھر یہ زنانہ جیل تھی۔ یہاں سے کبھی کسی عورت نے آج تک فرار کی کوشش نہیں کی تھی۔ فرار کی ضرورت بھی نہیں تھی۔ کیونکہ ان عورتوں کے مقدمات ابھی زیر سماعت تھے۔ بعض کی ضمانت بھی ہو جاتی تھی۔ بعض بری ہو جاتی تھیں۔ لیکن اگر یہاں سخت ترین حفاظتی انتظامات بھی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہوتے جب بھی روبی وہاں سے فرار ہونے کی بھرپور کوشش کرتی۔ کیونکہ ناحق پھانسی کے تختے پر چڑھنے یا عمر قید کی سزا بھگتنے سے زیادہ بہتر اور تعمیری پروگرام اس کے سامنے تھا۔ خالہ ملنگی کی بتائی ہوئی ترکیب کی ایک ایک تفصیل اس کے ذہن میں تھی۔ جیل کے گھنٹے نے رات کے بارہ بجائے تو روبی آہستہ سے اٹھی اور بیرک سے نکل کر برآمدے میں آگئی پچاس قدموں کے فاصلے پر احاطے کے کونے میں بیت الخلا میں روشنی ہو رہی تھی۔ کچھ عورتیں برآمدے میں لیٹی سو رہی تھیں۔ روبی جان بوجھ کر سست قدم اٹھاتی بیت الخلا کی طرف چلنے لگی۔ قریب پہنچ کر وہ اندر جانے کی بجائے عقب کی طرف گھوم گئی۔ یہاں آتے ہی وہ جیل کی دیوار کی طرف لپکی۔ یہاں جیل کی دیوار اور بیت الخلا کی دیوار کے درمیان چھوٹی سی راہ داری رکھی گئی تھی۔ روبی نے ہاتھوں سے دیوار کو ٹٹولا اس کے ہاتھ میں نائیلون کی رسی آگئی یہ رسی ملنگی کے بیٹے دارا نے دیوار پر پھینک رکھی تھی۔ روبی رسی کو پکڑ کر دیوار پر چڑھنے لگی۔ اس کام کا اسے کافی تجربہ تھا۔ دیوار کے اوپر آتے ہی وہ پیٹ کے بل لیٹ گئی۔ اس نے دوسری طرف نگاہ ڈالی۔ دوسری جانب ایک خندق سی تھی جس میں جھاڑ جھنکار اور کوڑا کرکٹ بھرا ہوا تھا روبی کو بتایا گیا تھا کہ اسے کیا کرنا ہے اس نے خندق میں چھلانگ لگا دی۔ وہ جھاڑیوں اور جھاڑ جھنکار پر گری۔ اس کی گردن اور بازوؤں پر خراشیں آگئیں مگر اسے اس کا زیادہ احساس نہ ہوا وہ گرتے ہی اٹھی اور جھاڑیوں کو پیچھے ہٹاتی خندق کے دوسرے کنارے پر نکل آئی۔ دوسری طرف ڈھلان تھی' ڈھلان اس نے دوڑ کر پار کر لی۔ آگے کچا میدان سا تھا اس نے دیکھ لیا کہ میدان کے کونے میں ایک ٹرک کھڑا ہے۔ وہ ٹرک کی طرف بھاگی ایک آدمی ٹرک کا بونٹ اٹھائے جیسے انجن ٹھیک کر رہا تھا۔ مگر اس آدمی نے روبی کو آتے دیکھ لیا تھا۔ جونہی روبی قریب پہنچی اس نے بونٹ گرایا۔ روبی سے کہا۔

"ترپال اٹھا کر پیچھے چھپ جاؤ۔" روبی نے اسے پہچان لیا تھا۔ یہ ملنگی کا بیٹا دارا تھا۔ وہ ٹرک کے پیچھے آئی' ترپال کا پردہ ہٹایا اور خود کو ٹرک کے اندر گرا دیا اس کے ساتھ ہی ٹرک ایک طرف روانہ ہو گیا۔

ٹرک کے اندر اندھیرا تھا۔ روبی پرانے ٹائروں کے اوپر گری تھی۔ ٹرک کے چلتے ہی وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔ یہ مرحلہ اتنی جلدی طے ہو جائے گا روبی کو اس کا یقین نہیں تھا۔ وہ جیل کی چاردیواری سے دور ہوتی جا رہی تھی۔ ٹرک بڑی تیزی سے ایک طرف جا رہا تھا۔ روبی صبح ہونے سے پہلے پہلے شیر خان اور اپنی بچی سے ملنا چاہتی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ اس کے فرار کا پتا چلتے ہی پولیس اس کے مکان کی نگرانی شروع کر دے گی اور ایسی حالت میں وہ شیر خان اور اپنی بچی عائشہ سے ملنے مکان پر گئی تو ضرور پکڑی جائے گی ٹرک خدا جانے کس منزل کی طرف جا رہا تھا۔ جب ٹرک نے کافی راستہ طے کر لیا اور وہ جیل سے کافی دور ہو گیا تو روبی نے آگے جا کر ٹرک کی دیوار کو زور سے بجانا شروع کر دیا۔ دارا نے ٹرک کو ایک طرف کر کے انجن بند کیا اور پیچھے ترپال کو اٹھا کر کرخت آواز میں کہا۔

"کیا بات ہے۔ اس طرح کرنا تھا تو میری ماں کو فرار ہونے کے لئے کیوں کہا تھا؟"

روبی ٹرک سے نیچے اتر آئی اس نے جلدی جلدی ساری بات دارا کو سمجھائی اور کہا۔

"اگر میں اس وقت اپنے خاوند اور بچی سے نہ ملی تو پھر شاید ہی ان سے مل سکوں۔ میں شیر خان سے بچی کے بارے میں کچھ باتیں کرنا چاہتی ہوں۔" دارا اپنے ہاتھ کی مٹھی آہستہ سے اپنے ماتھے پر مارنے لگا۔

"تم کہیں مجھے بھی اندر نہ کروا دینا۔ میں نے ماں سے کہا تھا عورت ذات کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا۔ اب تم نے مجھ پر مصیبت ڈال ہی دی ہے تو بتاؤ تمہارا گھر کہاں ہے؟" روبی نے اسے پتا بتایا۔ دارا نے روبی کو ٹرک کے اندر جانے کا اشارہ کیا اور ڈرائیونگ سیٹ کی طرف جاتے ہوئے بولا۔ "وہاں زیادہ دیر نہ لگانا۔ ہو سکتا ہے پیچھے انہیں تمہارے فرار کا پتا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

چل جائے۔ پولیس سیدھی تمہارے مکان پر ہی آئے گی۔" روبی نے ٹرک میں گھستے ہوئے کہا۔

"صرف دو باتیں کروں گی۔" دارا جھنجھلاہٹ کے ساتھ سر کو جھٹکتا ہوا ٹرک میں بیٹھا اور ٹرک وہاں سے گھوم کر دوسری سڑک پر آگیا۔

یہ کراچی کا غیر آباد علاقہ تھا۔ دارا خاصی رفتار سے ٹرک چلا رہا تھا۔ آخر وہ اس علاقے میں آگیا جہاں روبی کا گھر تھا۔ اس نے ٹرک روک کر روبی کو اپنے ساتھ والی سیٹ پر بٹھالیا اور کہا کہ راستہ بتاتی جاؤ۔ روبی نے اپنی گلی سے کچھ فاصلے پر ٹرک رکوا لیا اور دارا سے کہا۔

"میں زیادہ دیر نہیں لگاؤں گی۔" دارا نے کھڑکی میں سے سر باہر نکال کر آگے پیچھے دیکھا اور کہا۔

"کہیں یہاں پولیس تو نہیں پہنچ گئی؟" روبی نے بھی گلی کے کونے پر جلتے بلب کی کمزور روشنی میں ادھر ادھر نظر دوڑائی۔

"نہیں دارا بھائی! پولیس کو میرے فرار کی خبر نہیں ہوئی۔" دارا نے سٹ پٹا کر کہا

"نہیں ہوئی تو کچھ دیر میں ہو جائے گی۔ خدا کے واسطے اپنے آدمی سے جلدی مل کر واپس آؤ۔ میں پانچ منٹ سے زیادہ یہاں نہیں ٹھہر سکتا۔"

روبی ٹرک سے اتر کر تقریباً دوڑتی ہوئی اپنے مکان پر آگئی۔ دروازہ بند تھا۔ اس نے آہستہ سے دستک دی۔ کوئی جواب نہ آیا۔ دارا ٹرک میں بیٹھا بے چینی کے عالم میں روبی کو دیکھ رہا تھا۔ تیسری بار ذرا زور سے دروازہ کھٹکھٹانے پر اندر سے شیر خان کی نیند بھری آواز آئی۔

"کون ہے؟" روبی نے دروازے کے ساتھ منہ لگا کر کہا۔

"میں ہوں شیرے۔" دروازہ کھل گیا۔ روبی دھڑاک سے اندر داخل ہو گئی۔ شیر خان دروازہ بند کرتے ہوئے بولا۔

"تم ....." وہ ششدر سا ہو کر رہ گیا تھا۔" تم کیسے آگئیں روبی؟" روبی نے اس کے ہونٹوں پر ہاتھ رکھ دیا اور بولی۔

"خاموش رہ کر میری بات سنو۔ میں جیل سے فرار ہو کر آئی ہوں میں تمہارے ساتھ

نہیں رہ سکتی۔ تم بچی کو لے کر میرے ساتھ بھی دربدری نہیں کر سکتے۔ میں کہاں جا رہی ہوں؟ یہ تمہیں بعد میں مل کر بتاؤں گی۔"

شیر خان نے کہا۔

"لیکن روبی تم اکیلی کہاں ماری ماری پھرو گی؟ میں تمہارے ساتھ چلوں گا۔" روبی نے سختی سے کہا۔

"کہہ دیا ہے ناں کہ تم میرے ساتھ نہیں جاؤ گے۔ تم میری بچی کے ساتھ یہیں رہو گے۔ میری بچی کی اسی طرح پرورش کرو گے۔ جس طرح میں نے تمہیں کہا تھا۔ میں بڑی محفوظ جگہ پر ہوں گی۔ تمہیں کبھی کبھار ملنے اور اپنی بچی کو دیکھنے آجایا کروں گی۔" روبی نے سوئی ہوئی عائشہ کو اٹھا کر اپنے سینے سے لگا لیا اور اسے پیار کرنے لگی۔ شاید زندگی میں پہلی بار روبی کو اپنی آنکھوں میں آنسوؤں کی نمی محسوس ہوئی مگر اس نے آنسوؤں کو باہر نہ گرنے دیا اسے اندر ہی اندر پی گئی۔ شیر خان جھنجلایا ہوا تھا کہنے لگا

"تم کب تک روپوش رہو گی؟" ایک نہ ایک دن پولیس تمہیں پکڑ لے گی۔ ایسا کرتے ہیں اس ملک سے ہی فرار ہو جاتے ہیں یہاں سے راتوں رات کسی لاری میں بیٹھ کر میرپور کی طرف نکل جاتے ہیں۔ وہاں اس ہندو سے ملتے ہیں جس کے پاس بھوپت ڈاکو نے ہمیں بھیجا تھا۔ وہ ہمیں بارڈر کراس کروا کر انڈیا پہنچا دے گا۔" روبی نے شیرنی کی طرح غضبناک ہو کر کہا۔

"میں پاکستان سے فرار ہونے کے لئے پاکستان میں داخل نہیں ہوئی تھی۔ میں نے عہد کیا تھا۔ یہ اب میرا وطن ہے اور میں یہیں جیوں گی اور یہیں مروں گی۔ پھر کبھی انڈیا کا میرے آگے نام نہ لینا۔" شیر خان نے بھی جھنجلاہٹ کے ساتھ کہا۔

"آخر تم کیا چاہتی ہو؟" روبی نے اپنی بچی کا منہ چوم لیا اور شیر خان کی طرف دیکھ کر کہا۔

"میں اپنی بچی کو پاکستان کی ہر بچی کو اس ملک کے جرائم پیشہ مجرموں کی درندگی سے ہمیشہ کے لئے محفوظ کرنا چاہتی ہوں۔ میں چاہتی ہوں پاکستان میں عورتوں کی عصمتوں سے کھیلنے والا ایک بھی مجرم باقی نہ رہے۔ اس کے بعد میں جو کچھ چاہتی ہوں تمہیں اس کا اپنے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آپ پتا چلتا رہے گا۔ اس وقت میرے پاس زیادہ ٹائم نہیں ہے میرا ایک بھائی ٹرک میں بیٹھا میرا انتظار کر رہا ہے۔ صبح پولیس تمہارے پاس آئے گی اور اس سے کہہ دینا کہ تمہیں کچھ پتا نہیں میں کہاں ہوں۔ پولیس مجھے تم سے برآمد نہیں کر سکے گی۔ میری بچی کا خیال رکھنا۔" شیر خان نے تڑپ کر کہا۔"روبی تم مجھ سے اس طرح سے جدا ہو کر نہ جاؤ یہاں کے قانون بڑے سخت ہیں تم کو کوئی گزند پہنچی تو میں تمہارے بغیر زندہ نہ رہ سکوں گا۔"

روبی نے شیر خان کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے ہلکا سا دھکا دیا اور بولی۔

"مرد بنو۔ شیر ہو تمہیں میری بچی کو بھی شیرنی بنانا ہے جو میں کرنا چاہتی ہوں مجھے کرنے دو۔ جیل میں رہ کر میں وہ کام نہیں کر سکتی جس کام کو تکمیل تک پہنچانے کا جذبہ ایک شعلہ بن کر میرے سینے میں بھڑک رہا ہے۔ اگر قانون کے کچھ تقاضے ہوتے ہیں تو وطن کی سلامتی کے بھی کچھ تقاضے ہوتے ہیں۔ تم قانون کے تقاضے پورے کرنا میں وطن کی سلامتی کے تقاضے پورے کروں گی۔ اگرچہ ہمارے راستے الگ الگ ہوں گے مگر ہماری منزل ایک ہی ہو گی۔ ہم ایک ہی منزل پر آکر دونوں مل جائیں گے اور یہ منزل ہو گی قانون کی فتح کی منزل وطن کی سلامتی کی منزل! اب میں جاتی ہوں۔" اس نے آخری بار اپنی سوئی ہوئی بچی عائشہ کو اپنے سینے سے لگا کر بھینچا۔ اس کا ماتھا چوما اور اسے شیر خان کے حوالے کرتے ہوئے آنکھوں میں آنسو لائے بغیر بولی۔

"یہ میری شیرنی ہے۔ شیر خان اس کا خیال رکھنا۔" یہ کہا اور روبی تیزی کے ساتھ کوٹھری سے باہر نکل گئی شیر خان بھی گلی میں آگیا اس کی بچی عائشہ اس کی گود میں تھی۔ اسے دور کھلی جگہ پر ایک ٹرک کھڑا نظر آیا۔

روبی تقریباً دوڑتی ہوئی اس ٹرک کی طرف جا رہی تھی۔ شیر خان اس کے پیچھے چلنے لگا۔ ایسی صورت حال اس کی زندگی میں پہلے کبھی پیدا نہیں ہوئی تھی۔ وہ روبی کو روک لینا چاہتا تھا۔ مگر وہ ٹرک میں بیٹھ چکی تھی اور ٹرک جو اسے آتے دیکھ کر ہی اسٹارٹ ہو گیا تھا اب بڑی تیزی سے کھلی جگہ میں سے نکل سڑک پر جا پہنچا تھا۔ بچی اچانک رونے لگی۔ شیر خان بچی کو گود میں لئے بہلانے لگا پھر اس نے آنکھ اٹھا کر سڑک کی طرف دیکھا ٹرک روبی کو لے کر نظروں سے غائب ہو چکا تھا۔ شیر خان بچی کو گود میں لئے پاگلوں کی طرح گلی میں کھڑا

ویران ویران نظروں سے خالی سڑک کے اندھیروں کو تکتا رہا پھر اسے نازک صورت حال کا احساس ہوا کہ کوئی ہمسایہ اسے دیکھ نہ لے وہ بچی کو سینے سے لگائے اسے بہلاتا کوٹھری میں آیا اور بے دم سا ہو کر چارپائی پر بیٹھ گیا۔

دارا ٹرک کی رفتار بڑھاتا جا رہا تھا۔ روبی ابھی تک اس کے ساتھ والی سیٹ پر ہی بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ جھنجھلایا ہوا تھا۔

"تم نے اتنی دیر کر دی میں تو واپس جانے لگا تھا۔"

روبی نے کوئی جواب نہ دیا۔ جب ٹرک روشنیوں والی سڑک پر چڑھنے لگا تو دارا نے اسے روک دیا اور روبی سے کہا

"اب پیچھے چلی جاؤ اور وہیں بیٹھی رہنا۔ کس مصیبت میں پھنسا دیا ہے میری ماں نے مجھے میرا بھی دماغ خراب ہو گیا تھا۔"

روبی اس کے بڑبڑانے کے دوران ٹرک کے اندر پرانے ٹائروں میں بیٹھ چکی تھی۔ ٹرک بڑی سڑک پر شہر کی مشرقی سمت کو چل پڑا۔ ظاہر ہے دارا اسے اپنے کسی خفیہ ٹھکانے پر لے جا رہا تھا۔ دارا ایک بدنام پیشہ شخص ہونے کے ناتے کیسا آدمی تھا۔ یہ روبی ابھی نہیں جانتی تھی اس نے اگر۔۔۔ جیل سے فرار کرانے میں روبی کی مدد کی تھی تو اس میں اس کا کوئی ذاتی لالچ بھی ہو سکتا تھا۔ صرف ماں کے حکم کی تعمیل میں اتنا بڑا خطرہ مول نہیں لیا جا سکتا تھا بلکہ وہ ماں کو سمجھا سکتا تھا کہ تم مجھے ایسا کام کرنے کے لئے کیوں کہہ رہی ہو۔ یہ تو پولیس کا جنجال خواہ مخواہ اپنے اوپر ڈالنے والی بات تھی۔ یہ بھی ممکن تھا کہ دارا نے محض ایڈونچر کے لئے یا ماں کا دل رکھنے کے لئے ایسا کیا ہو۔ بہرحال ابھی تک تو وہ صرف یہ سوچ رہی تھی کہ دارا کا خفیہ ٹھکانہ کب آئے گا اس نے ذرا سی ترپال اٹھا کر پیچھے دیکھا کراچی شہر کی روشنیاں غائب ہو چکی تھیں۔ سڑک عقب میں دور تک اندھیرے میں ڈوبی ہوئی تھی۔ دائیں بائیں چھوٹے بڑے ٹیلے رات کے اندھیرے میں یوں نظر آرہے تھے جیسے ریگستان میں بہت سے اونٹ بیٹھے ہوئے ہوں۔ پھر ٹرک ایک طرف گھوما یہ ایک کچی سڑک تھی جس کے دونوں جانب کہیں کہیں درخت تھے۔

روبی کو خیال آیا کہ کہیں دارا کی نیت تو خراب نہیں ہو گئی اس نے دو تین بار اسے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دارا بھائی کہہ کر مخاطب کیا تھا مگر دارا نے اسے ایک بار بھی بہن نہیں کہا تھا۔ روبی نے سوچا اگر اس کی نیت خراب ہو گئی ہے تو میں بھی موت کے پنجے میں پنجہ ڈال کر زندگی کے انوکھے سفر پر نکل پڑی ہوں میرا خیال ہے بہت جلد دارا کو معلوم ہو جائے گا کہ میں کون ہوں۔؟

ٹرک رات کی تاریکی میں غیر ہموار راستوں پر سے گزرتا چلا جا رہا تھا روبی نے ترپال اٹھا کر دو ایک بار دیکھا اسے سوائے اونچے نیچے سیاہ ٹیلوں اور نیلے آسمان کے اور کچھ نظر نہ آیا آخر ایک جگہ ٹرک نے چھوٹا سا چکر لگایا اور رک گیا۔

یہاں چھدرے چھدرے درختوں کے نیچے ستاروں کی دھیمی روشنی میں ایک کچا سا کوٹھا نظر آیا جس کی ایک جانب دو تین بکریاں بندھی ہوئی تھیں۔ ایک عورت کوٹھے کے دروازے کے آگے چارپائی ڈالے سو رہی تھی جو ٹرک کی آواز سن کر جاگ پڑی تھی۔ اس نے دارا کو دیکھ کر جلدی سے دروازہ کھول دیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اسے پہلے سے خبر تھی کہ دارا ایک عورت کو ساتھ لا رہا ہے۔ کوٹھری میں پیاز کی بو پھیلی ہوئی تھی۔ شاید کونے میں پیاز کی کچھ بوریاں پڑی تھیں۔ عورت نے لالٹین روشن کر دی اس کی روشنی میں روبی نے دیکھا کہ وہ ایک بوسیدہ سی کوٹھری تھی وہاں ایک چارپائی تھی کونے میں کچھ بوریاں تھیں چارپائی پر چادر بچھی تھی۔ ایک سرہانہ بھی رکھا ہوا تھا۔

روبی نے عورت کی طرف دیکھا بلکہ دونوں نے ایک دوسرے کی طرف نظریں اٹھا کر دیکھا عورت بوڑھی تھی۔ سر میں کافی سفید بال تھے۔ وہ دارا کی ماں خالہ ملنگی سے بڑی تھی۔ دارا اندر آگیا اس نے عورت سے کہا۔

"ماسی! بی بی کے لئے دودھ گرم کر کے لاؤ۔" عورت باہر نکل گئی۔ دارا نے روبی کو چارپائی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ خود سامنے پیاز کی ایک بوری پر بیٹھ گیا۔ اس کی انگلیوں میں پہلے ہی سگریٹ سلگ رہا تھا۔

روبی پر ابھی تک واضح نہیں ہو سکا تھا کہ دارا اس کے ساتھ کسی قسم کا سلوک کرنے والا ہے۔ عورت مرد کی سب سے بڑی کمزوری ہے اور خاص طور پر جب عورت جوان ہو۔ مرد بھی جوان ہو۔ دونوں کسی ویران مقام پر رات کے وقت اکیلے ہوں تو بڑے کردار والا

انسان ہی اپنے جذبات پر قابو رکھ سکتا ہے۔

دارا نے سگریٹ پاؤں تلے مسلتے ہوئے روبی کی طرف دیکھا اور کہنے لگا۔

"بی بی! میں شرابی کبابی بدمعاش ٹائپ آدمی ہوں میں کوئی نیک آدمی نہیں ہوں مگر دو باتوں کا میں نے ہمیشہ خیال رکھا ہے میرے باپ نے مرنے سے کچھ دیر پہلے مجھ سے دو باتوں کا وعدہ لیا تھا۔ اس نے کہا تھا دارا مجھ سے وعدہ کرو کہ اپنی ماں کا ہمیشہ حکم مانو گے اور کبھی کسی کی ماں بہن بیٹی کو بری نظر سے نہیں دیکھو گے۔ میرے باپ کو مرے کتنے ہی سال ہو گئے ہیں میں نے دنیا کا ہر گناہ کیا ہے مگر تب سے لے کر آج تک کبھی کسی کی ماں بہن بیٹی کو بری نگاہ سے نہیں دیکھا ناچنے گانے والی پیشہ ور طوائفوں سے میں ضرور دوستی رکھتا ہوں مگر کسی شریف عورت کو کبھی ایسی ویسی نگاہ سے نہیں دیکھا۔ بلکہ اگر کبھی وقت آگیا تو اس کی عزت کی حفاظت ہی کی ہے۔ اس کے علاوہ میں نے اپنی ماں کی بھی کبھی حکم عدولی نہیں کی۔ تم خود دیکھ چکی ہو کہ میرا تمہارا کوئی رشتہ ناتا نہیں ہے مگر صرف اپنی ماں کے حکم پر میں تمہیں جیل سے نکال لایا ہوں۔ میں تمہیں یہ کہنا چاہتا تھا کہ میں نے اپنی ماں کا حکم مان کر اپنا فرض پورا کر دیا ہے۔ یہاں پر میرا کام ختم ہو گیا ہے اب تمہاری مجھ پر کوئی ذمہ داری نہیں ہے اس لئے تم مجھے بتا دو کہ تم کہاں جانا چاہتی ہو۔ میں تمہیں وہیں پہنچا دوں گا۔ بہتر یہی ہے کہ تم اپنے خاوند اور اپنی بچی کے پاس چلی جاؤ ٹھیک ہے وہاں پولیس تمہیں پکڑ لے گی لیکن تمہارے بعد بھی پولیس تمہارے خاوند کو بڑا پریشان کرے گی۔ وہ ٹھیک طرح سے تمہاری بچی کی دیکھ بھال بھی نہ کر سکے گا۔"

بوڑھی عورت پیالے میں دودھ لے کر آگئی۔ دارا نے دودھ کا پیالا روبی کی طرف بڑھاتے ہوئے عورت کو باہر جانے کا اشارہ کیا۔ روبی بڑے غور سے دارا کی باتیں سنتی رہی تھی۔ اسے دارا کی باتوں سے سچائی اور خلوص کی جھلک مل رہی تھی۔ وہ دودھ پینے لگی۔ گرم گرم میٹھے دودھ نے روبی کے تھکے ہوئے اعصاب کو بڑا سکون دیا۔ دارا نے دوسرا سگریٹ سلگا کر اپنی کلائی پر بندھی گھڑی پر وقت دیکھا اور اٹھتے ہوئے بولا۔

"رات کے دو بجنے والے ہیں۔ ابھی تم آرام کرو۔ یہاں بے فکر ہو کر سونا ماسی باہر ہو گی۔ غسل خانہ کوٹھے کے پیچھے ہے۔ وہاں پانی کا مٹکا بھی رکھا ہوا ہے۔ میں کل کسی وقت

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آؤں گا۔ تم جس جیل سے فرار ہوئی ہو اسی جیل میں میری ماں بھی قید ہے اس لئے ہو سکتا ہے پولیس میرے شہر والے ٹھکانے پر بھی مجھ سے پوچھ گچھ کرنے آئے۔ مجھے وہاں موجود ہونا چاہیے۔" یہ کہہ کر دارا وہاں سے چل دیا۔

روبی نے اندر سے کنڈی لگا لی اور چارپائی پر لیٹ گئی۔ دارا کے ٹرک کی آواز دور ہوتے ہوتے رات کے سناٹے میں تحلیل ہو گئی۔ دارا کی گفتگو نے روبی کو ایک لمحے کے لئے بھی پریشان نہیں کیا تھا جو اس نے کہا تھا۔

روبی دارا کے کردار سے بڑی متاثر ہوئی تھی۔ وہ ایک سیدھا سادا آدمی تھا۔ روبی کو اکیلا چھوڑ کر اس نے ثابت کر دیا تھا کہ وہ جو کچھ کہہ رہا تھا وہ سچ تھا۔ روبی کو اپنے مشن کے لئے ایک انتہائی شریف النفس بدمعاش آدمی کی ضرورت تھی۔ یعنی ایک ایسا آدمی جو شریف النفس ہونے کے ساتھ ساتھ جرائم پیشہ عادی مجرموں' بدمعاشوں اور عورتوں کی عزتوں سے کھیلنے والے درندہ صفت انسانوں کا ڈٹ کر مقابلہ کرنا اور وقت پڑنے پر ان کے پیٹ پھاڑنا اور انہیں گولیوں سے بے دریغ بھون ڈالنا بھی جانتا ہو۔ دارا میں یہ صفت کچھ کچھ موجود تھی۔ باقی وہ منشیات کا ناجائز دھندا کر کے ایک بہت بڑے سوشل گناہ کا ارتکاب کر رہا تھا۔ لیکن روبی اسے اس کام سے روک سکتی تھی۔ روبی نے محسوس کیا تھا کہ دارا میں وہ بنیادی خوبی موجود ہے جس پر روبی اپنے مشن کی عمارت تعمیر کر سکتی تھی۔ روبی کی مشکل اور سب سے بڑی پرابلم یہ تھی کہ اسے شریف النفس لوگ تو بہت مل سکتے تھے مگر جو بھرے بازار میں کوئی درندہ صفت آدمی کسی عورت کے کپڑے پھاڑ ڈالتا اور اسے سڑک پر گھسیٹتا ہے تو یہ شریف النفس لوگ اکثر وہاں سے بھاگ جاتے ہیں اگر اس مظلوم عورت کی مدد کو کوئی آتا ہے تو وہی آدمی آتا ہے جس کو عرف عام میں برے کردار کا آدمی یا بدمعاش کہا جاتا ہے۔ اس لئے روبی کو ایک ایسے شخص کی تلاش تھی جو اس قسم کا بدمعاش ہوتے ہوئے شریف النفس بھی ہو۔ اگر روبی کے ہاں بچی پیدا نہ ہوتی تو شیر خان اس کے لئے ایک مثالی شخص تھا مگر وہ شیر خان کو اپنی بچی کی وجہ سے اپنے مشن میں ساتھ نہیں رکھ سکتی تھی۔ وہ چاہتی تھی کہ شیر خان ایک روایتی نیک اور رزق حلال کمانے والے آدمی کی طرح اس کی بچی کی پرورش کرے۔ وہ جانتی تھی کہ اس کے فرار ہونے کے بعد پولیس

اسے تھوڑا بہت تنگ کرے گی۔ اس کی نگرانی بھی ہو گی لیکن جب روبی اس کے پاس جائے گی ہی نہیں تو پولیس کی توجہ ہٹ جائے گی۔ اور شیر خان کو سکون کے ساتھ بچی کو پروان چڑھانے کا موقع میسر آجائے گا۔

دارا کے بارے میں روبی کی سوچ یک طرفہ تھی۔ ابھی اسے معلوم نہیں تھا کہ روبی کے مشن کا سن کر دارا پر اس کا کیا رد عمل ہوتا ہے۔ ایسی ہی باتیں سوچتے سوچتے روبی سو گئی۔

دوپہر کو اس کی آنکھ کھلی تو دارا وہاں پر آچکا تھا۔ بوڑھی عورت نے کھانا بھی پکایا ہوا تھا۔ دارا اور روبی نے کوٹھری کے باہر صف پر بیٹھ کر کھانا کھایا۔ دارا نے اسے بتایا کہ پولیس اس کے ڈیرے پر ابھی تک نہیں آئی مگر اس کے فرار کے سلسلے میں اس کے گھر شیر خان کے پاس ضرور گئی ہو گی۔ روبی اپنے محبوب خاوند شیر خان اور نازک پھول ایسی بچی عائشہ کا خیال کر کے اداس سی ہو گئی۔ مگر جلدی ہی اس نے اداسی کو جھٹک دیا۔ اور کھانا کھانے لگی۔ دارا موٹر سائیکل پر وہاں آیا تھا۔ موٹر سائیکل ایک طرف کھڑی تھی۔

کھانے کے بعد عورت برتن اٹھا کر لے گئی تو دارا نے سگریٹ جلا دیا۔ روبی نے کہا۔ "ایک سگریٹ مجھے بھی دے دو۔" دارا نے قدرے تعجب سے اس کی طرف دیکھا پھر سگریٹ دے کر سلگایا۔ دارا کو روبی کے بارے میں صرف اتنا ہی معلوم تھا کہ سراب نامی غنڈہ اغوا کر کے لے گیا تھا۔ جہاں اس نے اسے بے آبرو کرنا چاہا اور اس لڑکی نے بہادری سے کام لیتے ہوئے ان چاروں بدمعاشوں کو ہلاک کر ڈالا اس قسم کی جرات کوئی بھی ایسی عورت کر سکتی تھی جو نیک پاک ہونے کے ساتھ ساتھ دلیر بھی ہو۔ وہ روبی کے ماضی سے بالکل ناواقف تھا۔

روبی کے سگریٹ پینے کے بارے میں دارا نے یہی سوچا کہ ہو سکتا ہے کہ اسے گھر میں اپنی ماں یا باپ سے سگریٹ' حقہ پینے کی عادت پڑ گئی ہو۔ دارا میں ایک صفت یہ بھی بڑے کمال کی تھی کہ وہ کسی پر بہت ہی کم اعتماد کرتا تھا۔ تب دارا نے روبی سے پوچھا۔

"اب اس کا کیا ارادہ ہے؟" اگر تم پنجاب میں اپنے کسی رشتے دار کے ہاں جانا چاہتی ہو تو میں وہاں تمہیں اپنی نگرانی میں پہنچا دوں گا۔ مگر میں اب بھی تمہیں یہی کہوں گا کہ تم

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اپنے خاوند اور بچی کو ساتھ لے کر جاؤ۔" روبی کے چہرے پر گہری متانت چھائی ہوئی تھی۔
اس نے نفی میں سرہلاتے ہوئے کہا۔

"پنجاب میں ہمارا کوئی رشتے دار نہیں ہے۔" دارا بولا۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے تمہارے ماں باپ ضرور ہوں گے۔ بہن بھائی ہوں گے۔ آخر وہ لوگ کہاں ہیں؟" روبی نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔

"میرا اور میرے خاوند شیر خان کا پاکستان میں کوئی رشتے دار نہیں ہے کوئی بہن بھائی نہیں ہے۔ ہمارے ماں باپ بھی مرچکے ہیں۔" دارا حیرانی سے روبی کا منہ تکنے لگا۔

"کمال ہے۔ تو پھر تم کیا سوچ کر جیل سے بھاگی ہو؟"

اس سے تو بہتر تھا کہ تم جیل ہی میں رہتیں۔ ضروری نہیں کہ تمہیں موت کی سزا سنائی جاتی۔ تمہیں عمر قید بھی ہو سکتی تھی اور اچھے چال چلن کی وجہ سے تم دس بارہ سال میں رہا بھی ہو جاتیں۔" روبی نے سامنے درختوں کی طرف دیکھ کر کہا۔

"میرے ایسی عورت جیل میں دس بارہ سال نہیں گزار سکتی۔ میری زندگی کا ایک مقصد ہے۔ میرے سامنے ایک مشن ہے۔"

"دارا نے سگریٹ کا کش لگایا روبی کی باتیں اس کی سمجھ میں نہیں آرہی تھیں۔ وہ کچھ سوچ کر بولا۔

"اگر تم چاہو تو شیر خان اور اپنی بچی کو لے کر پاکستان سے فرار بھی ہو سکتی ہو۔ تم دوبئی چلی جاؤ میں اس کا بھی انتظام کر سکتا ہوں۔ کراچی کے ساحل سے اسمگلروں کی لانچیں چلتی رہتی ہیں۔" روبی نے بڑے سکون کے ساتھ جواب دیا۔

"میں پاکستان سے بھاگ کر جانے کے لئے پاکستان نہیں آئی ہوں۔" دارا نے فوراً کہا۔

"تو پھر تم کیا کرو گی بی بی؟ تم ایک گھریلو قسم کی عورت ہو۔ ٹھیک ہے تم نے اپنی عزت بچانے کے واسطے وقتی طور پر بہادری سے کام لے کر چار بدمعاشوں کا خون کیا ہے اور اب جیل سے فرار بھی ہو گئی ہو مگر اصل میں تم ایک کمزور اور شریف بی بی ہو۔ دنیا بڑی خراب ہے۔ یہاں تمہیں میرے ایسے آدمی بہت کم ملیں گے جو دوسروں کی ماں بہن کی عزت اپنی ماں بہن کی عزت کی طرح سمجھتے ہوں میں بھی تمہیں اپنے پاس زیادہ دیر نہیں

ٹھہرا سکتا۔ میرا جیسا بھی کاروبار ہے بہر حال مجھے اس کاروبار کو چلانا ہے۔ تم میرے پاس چھپی رہیں تو میرے لئے دشواریاں پیدا ہو سکتی ہیں۔ پولیس کو سراغ مل سکتا ہے اور پھر میں بھی اندر ہو سکتا ہوں نا بی بی ناں۔ یہ سودا میں نہیں کر سکتا۔ میری ماں نے مجھے حکم دیا تھا کہ تمہیں جیل سے بھگا دوں۔ میں تمہیں جیل سے نکال لایا ہوں اب تم سوچ کر آج کل میں فیصلہ کر لو تمہیں کہاں جانا ہے۔ میں وہاں تمہیں پہنچا دوں گا۔ اب میں جاتا ہوں۔ رات کو تھوڑی دیر کے لئے آؤں گا۔ بہتر ہے کہ تم مجھے آج رات کو ہی بتا دو کہ تم نے کہاں جانے کا فیصلہ کیا ہے۔"

دارا موٹر سائیکل پر بیٹھ کر چلا گیا۔

یہاں آتے ہوئے دارا بڑی احتیاط سے کام لیتا تھا۔ آدھے راستے میں اس نے اپنی موٹر سائیکل ایک دوست کے گیراج میں تیل وغیرہ چیک کروانے کے بہانے چھوڑ دی اور وہاں سے بس میں بیٹھ کر اپنے ڈیرے پر آگیا۔ پولیس ابھی تک اس کے ڈیرے پر نہیں آئی تھی۔ اس نے سوچا ہو سکتا ہے پولیس کو اس طرف کا خیال ہی نہ آیا ہو اسی روز تیسرے پہر اس کی جیل میں اپنی ماں سے ملاقات تھی۔ وہ ماں کے لئے بازار سے پراٹھے کباب بندھوا کر ساتھ لیتا گیا اس کی ماں کو پراٹھے کباب بڑے پسند تھے۔ وہاں اور لوگ بھی ملاقات کو آئے ہوئے تھے۔ دارا کی ماں نے اس سے روبی کے بارے میں پوچھا کہ اسے کہاں رکھا ہوا ہے دارا نے بتا دیا کہ شہر کے باہر والے خفیہ ٹھکانے پر رکھا ہوا ہے۔ ماں نے پراٹھے کا نوالہ توڑتے ہوئے ذرا سخت لہجے میں کہا۔

"اسے ابھی تک اپنے پاس کیوں رکھا ہوا ہے تم نے تمہاری وہ کیا لگتی ہے؟ اسے اس کے آدمی کے پاس کیوں نہیں بھیجتے؟" دارا نے کھجاتے ہوئے دائیں بائیں دیکھا اور بولا۔

"ماں میں کیا کروں وہ اپنے آدمی کے پاس جانا نہیں چاہتی۔" ملنگی کو غصہ آگیا۔

"تو پھر جہنم میں جائے تم نے اس مصیبت کو اپنے پاس کیوں رکھ چھوڑا ہے۔ میں نے اس پر ترس کھا کر اسے یہاں سے بھگایا تھا کہ بے گناہ عورت ہے۔ بچے والی ہے یہاں سے بھاگنا چاہتی ہے۔ بھاگ جانے دو۔ مگر وہ تیرے سر پر کیوں سوار ہو گئی ہے۔ جا کر اس کے خاوند سے ملو اور اس کے حوالے کر دو۔" پھر کچھ سوچنے کے بعد ملنگی نے کہا "نہیں نہیں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تم اس کے خاوند کے گھر مت جانا پولیس نگرانی کر رہی ہو گی۔" دارا آہستہ سے بولا۔

"ماں یہاں پولیس نے تم سے کوئی پوچھ گچھ تو نہیں کی؟ میرا خیال تھا کہ شاید پولیس تم سے بھی کچھ پوچھے اور ہو سکتا ہے کہ میرے ڈیرے پر بھی اسی حوالے سے چھاپے مارے مگر میرے ڈیرے پر تو پولیس ابھی تک نہیں آئی۔" ملنگی بڑے مزے لے لے کر پراٹھا کباب کھا رہی تھی۔ دارا اس کے لئے سامنے والے نلکے سے گلاس میں پانی بھر لایا۔ ملنگی نے پانی پیا۔ اور کہنے لگی۔

"دارا اس مصیبت کو اپنے ڈیرے سے بھگا دو۔ پنجاب کی ہے وہاں اس کا کوئی نہ کوئی رشتہ دار تو ہو گا۔"

جب دارا نے بتایا کہ وہ کہتی ہے ہمارا کوئی رشتہ دار نہیں۔ ماں باپ بہن بھائی بھی نہیں تو ملنگی نے بیٹے کے منہ پر ہلکا سا طمانچہ مارا اور ڈانٹ کر بولی۔

"تم الو ہو۔ بالکل بدھو ہو۔" پھر غور سے دارا کو دیکھا اور بولی۔

"کہیں تمہاری نیت تو خراب نہیں ہو گئی اس پر؟ دارا نے گردن اوپر اٹھا کر کہا۔"ماں تم مجھے ایسا سمجھتی ہو؟ یاد نہیں میں نے اپنے باپ سے کیا وعدہ کیا تھا ماں؟"

تمہارا بیٹا ایسا گھٹیا آدمی نہیں ہے ٹھیک ہے میں غلط کام ضرور کرتا ہوں مگر دوسروں کی ماں بہن کی عزت کو اپنی ماں بہن کی عزت سمجھتا ہوں۔" ملنگی نے دارا کے سر پر ہاتھ پھیر کر کہا۔

"ٹھیک ہے جیتے رہو بیٹا۔ مجھے تم سے یہی امید تھی مگر اس عورت کا زیادہ دن تمہارے پاس رہنا ٹھیک نہیں۔ تم ناحق مارے جاؤ گے۔ یہاں چار حوالدارنیوں کو لائن حاضر کر دیا گیا ہے ان کی پیٹیاں بھی اتار دی گئی ہیں۔ مجھ سے ابھی تک کسی نے کوئی پوچھ گچھ نہیں کی مگر مجھے شک ہے کہ پولیس تمہاری ضرور نگرانی کر رہی ہے۔ تم کب اپنے خفیہ ڈیرے پر جاتے ہو؟" دارا نے کہا۔"رات میں ایک بار جاتا ہوں مگر بڑی احتیاط کے ساتھ۔" ملنگی کو ایک بار پھر غصہ آگیا۔ اس نے دارا کو ڈانٹتے ہوئے کہا۔

"تمہارا باپ بھی بالکل ایسا ہی بیوقوف تھا۔ الو کے پٹھے! اس عورت کو کسی طرح اس کے آدمی کے پاس پہنچا دو۔ یہ بلا جس کی ہے اس کے حوالے کرو۔" دارا نے بڑے ادب

سے کہا۔ٹھیک ہے ماں جو تمہارا حکم۔" جب ملاقات کا وقت ختم ہوا اور دارا جانے لگا تو ملنگی نے اسے قریب بلا کر کہا۔

"ایک بات یاد رکھنا جب تک یہ مظلوم عورت تمہارے ڈیرے پر ہے اس کی حفاظت کرنا اسے پولیس کے ہتھے نہ چڑھنے دینا۔ یہ میرا حکم اور تمہارا فرض ہے۔"

"اچھا ماں۔" دارا چلا گیا۔

دارا نے بھی اپنے شہر والے ڈیرے کی نگرانی کے لئے اپنے خاص آدمی چھوڑ رکھے تھی۔ جو سفید کپڑوں والے پولیس کے آدمیوں کو پہچان لیتے تھے۔ ویسے بھی دارا نے پولیس کے فرض ناشناس رشوت خور آدمیوں کے وظیفے لگا رکھے تھے جو دارا کے مفادات کی حفاظت کرتے تھے۔ اس کے باوجود روبی کے فرار اور اسے اپنے خفیہ اڈے پر چھپانے کے بعد دارا زیادہ محتاط ہو گیا تھا۔ ماں سے ملاقات کرنے کے بعد وہ سیدھا اپنے شہر والے ڈیرے پر آیا۔ یہاں اس نے لوگوں کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کے لئے اسکریپ کا معمولی سطح پر کاروبار شروع کر رکھا تھا۔ اصل میں وہ کویت اور دوبئی سے ناجائز طور پر اسمگل کیا ہوا مال اونے پونے خرید کر آگے سپلائی کرتا تھا۔ اور کبھی کبھی کوکین بھی ملک سے باہر اسمگل کرا دیتا تھا۔ ڈیرے پر آتے ہی اس نے اپنے ایک خاص آدمی بخشو کو بلوایا اسے دکان کے اندر لے گیا۔ اس کے ڈیرے میں صرف بخشو کو معلوم تھا کہ دارا نے ایک مظلوم عورت کو جیل سے فرار کروایا ہے۔ بخشو دارا کا خاص رازدار ساتھی تھا۔ پچاس سال کی عمر ہو گی مگر بدن مضبوط تھا۔ دارا نے اسے یہ کہہ کر روبی کے خاوند شیر خان کے محلے میں بھیجا کہ وہ جا کر معلوم کرے وہاں کی صورتحال کیا ہے۔

"مگر خیال رکھنا تمہیں خفیہ پولیس کے آدمی نہ دیکھ لیں۔" بخشو مسکرانے لگا۔

"دارا! اگر پولیس نے دیکھ لیا تو پھر زندگی کس کام کی؟" تھوڑی دیر بعد بخشو ایک فقیر کے بھیس میں کشکول گلے میں ڈالے ڈیرے کے عقبی دروازے سے نکلا اور شیر خان کے محلے کی طرف چل پڑا۔ کوئی پون گھنٹے بعد بخشو واپس آگیا اس نے دارا کو بتایا۔

"دارا شیر خان کو پولیس لے گئی ہے اس کی بچی محلے کی ایک مریم نامی عورت کے پاس ہے۔ خفیہ پولیس کے چار آدمی وہاں برابر ناکہ بندی کیے ہوئے ہیں۔" دارا کے لئے یہ بڑی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تشویش ناک خبر تھی۔ ظاہر ہے پولیس شیر خان سے پوچھ گچھ کر رہی ہو گی۔ اس پر تشدد بھی کیا جا رہا ہو گا۔ ان حالات میں اگر وہ روبی کو اس کے گھر بھیجے گا تو پولیس فوراً اسے گرفتار کرے گی۔ دارا شش و پنج میں پڑ گیا۔ پولیس کا کچھ پتا نہیں تھا۔ وہ شیر خان کو کب واپس بھیجتی ہے۔ شیر خان کا آگے پیچھے کوئی والی وارث بھی نہیں۔ پولیس تو مار مار کر اس کا برا حال کر دے گی۔ کہ بتاؤ تمہاری عورت کہاں ہے؟ اسے کہاں چھپا رکھا ہے؟ کس نے باہر سے رسہ پھینک کر اسے جیل سے فرار کروایا تھا؟

جب رات ہو گئی تو دارا اندھیرے میں ڈیرے سے نکل کر ریلوے اسٹیشن کی طرف چل پڑا۔ وہ چکر کاٹ کر روبی کے پاس پہنچنا چاہتا تھا۔ تاکہ اگر خفیہ پولیس کا کوئی آدمی اس کے پیچھے لگا ہو تو اسے یہی معلوم ہو کہ دارا دوسرے شہر جا رہا ہے اس کے باوجود دارا بے حد محتاط تھا۔ اسٹیشن پر جا کر وہ ایک ہوٹل میں دیر تک بیٹھا رہا یہیں اس نے کھانا کھایا پھر چائے کا ایک کپ منگوا کر پیتا رہا۔ جب اسے کچھ یقین سا ہو گیا۔ کہ خفیہ پولیس کا کوئی آدمی اس کا پیچھا نہیں کر رہا ہے تو اگلے اسٹیشن پر اترنے کے بعد اس نے ایک بس پکڑی۔ اور اپنے دوست کے گیراج میں پہنچ گیا۔ وہاں سے اپنی موٹر سائیکل نکال کر اس پر سوار ہوا اور اپنے خفیہ ٹھکانے کی طرف چل دیا۔ یہ ایک ایسا ٹھکانہ تھا جہاں دارا سال میں کبھی ایک مرتبہ ہی آتا تھا۔ اور وہ بھی آدھی رات کے وقت جب کسی خاص اسمگلنگ پارٹی سے ملاقات کرنی ہوتی تھی۔ ایک بوڑھی عورت کو اس نے وہاں دیکھ بھال کرنے کے لئے رکھ چھوڑا تھا جو وہاں رہتی تھی۔ اس بار دارا نے اپنے خفیہ ٹھکانے سے کافی پیچھے ہی کیکر کے درختوں کے نیچے اپنی موٹر سائیکل کھڑی کر دی۔ اور پیدل چل پڑا روبی جاگ رہی تھی۔ وہ کافی بے چین نظر آ رہی تھی۔ وہ دارا کا آخری فیصلہ سننا چاہتی تھی۔ اس نے طے کر لیا تھا کہ وہ دارا کو اپنا سارا منصوبہ بتا کر اسے اپنے ساتھ شامل ہونے کو کہے گی۔ لالٹین کچی کوٹھری کے اندر جل رہی تھی بوڑھی عورت بکریوں کے پاس چارپائی ڈال کر سو رہی تھی۔

روبی نے روٹی وغیرہ کھالی تھی۔ وہ کوٹھری کے باہر ہی اندھیرے میں ٹہل رہی تھی۔ اسے بار بار اپنی بچی عائشہ کا خیال آ رہا تھا۔ اسے کسی نے دودھ پلایا ہو گا یا نہیں۔ پھر وہ

سوچتی کہ شیر خان تو اس کا بڑا خیال رکھ رہا ہو گا۔ ساتھ والی مریم بھی تو ہے۔ اس نے بچی کو سنبھال لیا ہو گا۔ اتنے میں اسے زور سے موٹر سائیکل کی آواز سنائی دی اس نے درختوں کی طرف دیکھا تھوڑی دیر بعد ایک انسانی سایہ درختوں کی طرف سے کوٹھری کی طرف آتا دکھائی دیا روبی سمجھ گئی کہ یہ دارا کے سوا دوسرا کوئی نہیں ہو سکتا۔ وہ کوٹھری کی دیوار کے ساتھ ہو گئی جہاں اندھیرا تھا دارا قریب آ گیا۔ اس نے بھی روبی کو دیکھ لیا تھا۔ کہنے لگا۔

"تم نے روٹی کھائی ہے بی بی؟"

روبی نے آہستہ سے "ہاں" کہا اور کوٹھری میں دارا کے پیچھے پیچھے چلی آئی۔ چارپائی پر بیٹھتے ہی دارا نے کہا۔

"پولیس تمہارے آدمی شیر خان کو کل سے لے گئی ہے۔" روبی نے جلدی سے پوچھا۔

"میری بچی کہاں ہے؟" دارا نے کہا۔

"وہ محلے کی مریم نامی عورت کے پاس ہے۔" روبی نے اطمینان کا سانس لیا۔ مریم پر روبی کو بڑا بھروسہ تھا۔ اسے معلوم تھا کہ مریم اس کی بچی کی اچھی طرح سے دیکھ بھال کر رہی ہو گی۔

جہاں تک شیر خان کا تعلق تھا یہ اسے بھی معلوم تھا کہ پولیس پوچھ گچھ کے لئے اسے ضرور لے جائے گی۔ اگر اسے کوئی تشویش تھی تو صرف یہ کہ پولیس شیر خان پر زیادہ تشدد نہ کرے اس نے فوراً دارا کی طرف نگاہیں اٹھا کر دیکھا اور خشک سی آواز میں بولی۔

"پولیس اس پر زیادہ تشدد تو نہیں کرے گی؟" دارا نے کہا۔

"کیوں نہیں کرے گی؟ شیر خان پولیس کا رشتے دار تو نہیں ہے۔ ایک مفرور عورت کا خاوند ہے اس پر تو خوب تشدد ہو گا۔ تاکہ وہ بتائے کہ مفرور ملزم کہاں ہے۔" روبی نے کہا۔

"مگر شیر خان کو تو میرے بارے میں کچھ بھی نہیں معلوم کہ میں کہاں ہوں۔" دارا جھنجلا سا گیا کہنے لگا۔ "بی بی ان باتوں کو چھوڑو مجھے یہ بتاؤ کہ تم نے یہاں سے کب جانے کا فیصلہ کیا ہے اب میں اس سے زیادہ دن تمہیں اپنے پاس نہیں رکھ سکتا۔ تم نے جو کچھ سوچ رکھا ہے اسے اپنے پاس ہی رکھو مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں ہے میں نے تمہارے لئے جو کرنا تھا کر دیا۔ اب یہاں سے بوریا بستر گول کرو۔ میں تمہارے ساتھ اندھے کنوئیں میں نہیں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گر سکتا میری ماں کا بھی یہی حکم ہے۔" روبی نے جلدی سے پوچھا۔"خالہ سے ملے تھے تم؟ میرا پوچھا تھا خالہ نے؟" دارا نے بے نیازی سے جواب دیا۔"ہاں پوچھا تھا بلکہ اس نے میرے ہاتھ بھی یہی پیغام بھجوایا ہے کہ اب تمہیں اپنے خاوند کے پاس یا کسی رشتے دار کے پاس چلے جانا چاہئے۔" روبی کہنے لگی۔"لیکن دارا بھائی! میرا کوئی رشتہ دار نہیں جس کے پاس جاؤں۔ شیر خان اگر تھانے سے گھر آبھی گیا تو میں اس کے پاس نہیں جانا چاہتی۔" دارا کو غصہ آگیا۔"کمال کرتی ہو؟ تم کوئی عورت ہو یا کوئی ڈکیت ہو۔؟ جیل سے فرار بھی ہو گئی ہو اور اپنے خاوند کے پاس بھی جانا نہیں چاہتی ہو۔" پھر اس نے دو ٹوک انداز میں کہا۔"بی بی! میری بات سن لو آخری بار کہہ رہا ہوں کل تمہیں یہاں سے چلے جانا ہو گا۔ مجھے نہیں معلوم کہاں جاؤں گی۔ بس یہاں سے چلی جانا میں جتنی تمہاری خدمت کر سکتا تھا کر چکا یہ میرا آخری فیصلہ ہے۔ تمہارے پاس آج کی رات اور کل کا دن ہے اس دوران سوچ لو کہ تمہیں کہاں جانا ہے کل رات میں آؤں گا اور تم جہاں جانا چاہتی ہوگی تمہیں اس طرف روانہ کر دوں گا۔ کچھ پیسے بھی تمہیں دے دوں گا۔ اس کے بعد تم جانو اور تمہارا کام۔ بس صرف ایک گزارش کروں گا کہ اگر پکڑی جاؤ تو پولیس کو میرا نام نہ بتانا آخر ہم برے لوگوں کی بھی کچھ عزت ہوتی ہے۔ کچھ رکھ رکھاؤ ہوتا ہے۔ اچھا اب میں جاتا ہوں بس یہی کہنے آیا تھا۔"

دارا کے چلے جانے کے بعد روبی سوچ میں پڑ گئی۔ اس نے دارا کو اپنے ساتھ ملانے کا خیال دل سے نکال دیا۔ روبی کو جیسے کردار کے آدمی کی ضرورت تھی۔ اس کے ننانوے فی صد خوبیاں اس شخص میں موجود تھیں۔ مگر مشکل یہ تھی کہ دارا کی شخصیت پر اپنی ماں کا بہت زیادہ اثر تھا۔ اگرچہ روبی کی جیل سے رہائی اس اثر کا نتیجہ تھی لیکن اب یہی اثر اس کے آئندہ کے مشن کی راہ میں رکاوٹ بن رہا تھا۔ روبی کے اب واپس اپنے گھر جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ وہ جیل توڑ کر بھاگی تھی۔ اس پر ایک دوسرا کیس بھی چل پڑا تھا۔ شیر خان پولیس کی تحویل میں تھا۔ اگر وہ گھر پر بھی ہوتا تو جیسے کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے روبی اپنی بچی عائشہ کو ساتھ لے کر ایک مفرور قاتلہ کی حیثیت سے دربدر پھرتے ہوئے اس کی زندگی برباد نہیں کرنا چاہتی تھی۔ وہ اپنی بچی کو ایک بہادر شیرنی بنانا چاہتی تھی۔ مگر

شریف اور باحیا لڑکی بن کر اپنی طرح کی قانون شکن بہادری ورثے میں نہیں دینا چاہتی تھی۔ اس کی اپنی زندگی تو جیسے بنتی تھی بن گئی۔ اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ اسے ماں باپ کی صحیح پرورش نصیب نہ ہو سکی تھی بچپن ہی میں اس کے ماں باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا تھا اور وہ غلط ماحول میں پڑ گئی تھی لیکن وہ اس تمثیل کو اس کھیل کو دہرانا نہیں چاہتی تھی۔

شیر خان پر اسے پورا اعتماد تھا کہ وہ نہ صرف اپنی بچی سے پیار کرتا ہے بلکہ وہ اس کی پرورش انہی خطوط پر کرے گا جس کی روبی نے اسے تاکید کی تھی۔ پولیس کب تک اسے اپنے پاس رکھے گی۔ وہ بہت جلد گھر آجائے گا اور پھر بڑے سکون کے اور اطمینان کے ساتھ بچی کو دین و دنیا کی بہترین تعلیم دلا سکے گا۔ شیر خان میں ایسی تمام خوبیاں موجود تھیں اس کے سامنے دوسرا راستہ یہ تھا کہ اپنے آپ کو پولیس کے حوالے کر دے مگر سہراب کے بھائی ہاشم کی کوکین کی کمائی ہوئی بے پناہ دولت نے روبی کا کیس خراب کر دیا تھا اور اسے پھانسی کا پھندا صاف نظر آنے لگا تھا۔ اگر اسے پھانسی نہیں بھی ہوتی تو عمر قید کی صورت میں بھی اب جیل سے بھاگنے کے جرم کی سزا کا بھی اس میں اضافہ ہو جائے گا اور روبی کی ساری عمر جیل کی چاردیواری میں ایک ایسے جرم کی سزا کاٹتے گل سڑ جائے گی جو جرم نہیں تھا بلکہ اپنی جان اور عزت کا تحفظ تھا۔ جس کی اجازت اسے دنیا کا ہر قانون دیتا ہے مگر یہاں معاملہ اس کے برخلاف ہو گیا تھا۔

روبی سوچنے لگی کہ اسے کس سمت نکلنا چاہئے دارا نے بھی اسے مزید پناہ دینے سے انکار کر دیا تھا۔ ایک لمحے کے لئے روبی نے سوچا کہ اگر وہ اپنی بچی کے مستقبل کی خاطر اگر دارا کی اس تجویز پر عمل کر لیتی ہے اور شیر خان کو ساتھ لے کر ملک سے باہر کویت یا دوبئی میں اسمگل ہو جاتی ہے تو ایک مفرور قاتلہ کی حیثیت سے وہ زیادہ دن تک وہاں آزادی سے نہ رہ سکے گی اور بہت جلد گرفتار ہو جائے گی۔ اور یا اسے وہاں سے بھی کسی دوسرے ملک میں بھاگنا پڑے گا۔ نہیں نہیں۔

روبی اپنے سر کو جھٹک کر اٹھ کھڑی ہوئی اس کی مٹھیاں اپنے آپ بھنچ گئیں۔ اس نے دونوں بند مٹھیاں زور سے دیوار پر دے ماریں اور اپنے آپ سے کہا۔ تیری زندگی اب ان مظلوم بے بس بے زبان عورتوں کی عزتیں بچانے کے لئے وقف ہو گئی ہے جو اپنی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

عزت آپ نہیں بچا سکتیں۔ تجھے اس ملک کو جو اسلام کے نام پر بنا ہے اپنی زندگی کی قربانی دے کر جنت کی مثال بنانا ہے ان بے ضمیر لوگوں کے ہاتھ توڑ دینے ہیں جو رشوت لے کر قانون کا چہرہ مسخ کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور پاکباز عورتوں کی عزتوں کو سربازار اچھالنے میں انسان دشمن غنڈہ عناصر کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں۔ روبی تجھے اس وطن پاک کو اللہ کی اس بہت بڑی عبادت گاہ کو ان مشرکوں اور تخریب کاروں سے پاک کرنا ہے۔ جو مومنوں کی صفوں میں گھس آئے ہیں اور انہیں درہم برہم کرتے ہوئے سلامتی کی سرزمین کے امن و امان کو تہہ و بالا کر رہے ہیں۔ روبی باہر کھلی فضا میں آگئی۔ آسمان پر ستارے زرو جواہر کی طرح چمک رہے تھے۔ ٹھنڈی شفاف اور پاکیزہ ہوا چل رہی تھی۔ روبی کے اوپر ایک عجیب سی کیفیت طاری ہو گئی۔ اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے اور سجدے میں گر پڑی۔ یہ خدائے ذوالجلال کی عظمت کے اعتراف کا سجدہ تھا۔ یہ اس عزم کے بے ساختہ اظہار اور اقرار کا سجدہ تھا کہ اللہ نے انسان کو جو طاقت عطا کی ہے اسے اللہ ہی کی راہ میں استعمال کرنا چاہئے روبی نے بدی کے خلاف تن تنہا جہاد کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ رات گزر گئی' دارا اپنی جگہ پر مطمئن ہو گیا تھا کہ روبی آج رات جدھر سینگ سمائیں گے چلی جائے گی اس نے سوچ رکھا تھا کہ اس نے اگر پنجاب کی طرف نکل جانے کی خواہش کی تو وہ اسے کم از کم بہاولپور تک چھوڑنے اس کے ساتھ ضرور جائے گا۔ دارا کو یقین تھا کہ روبی پنجاب ہی کا رخ کرے گی۔ آخر کوئی نہ کوئی تو وہاں پر اس کا رشتہ دار ہو گا اور اگر اس نے دوبئی کویت جانے کے لئے کہا تو وہ اسے اسمگلر دوست کی لانچ میں بٹھا دے گا۔ آگے وہ جانے اور اس کا کام.....

دوسرے دن دارا کو اپنے آپ ہلکا پھلکا محسوس ہو رہا تھا۔ جیسے اس کے سر سے کوئی بوجھ اتر گیا تھا۔ دارا دوپہر کو کراچی سے پندرہ بیس میل دور سمندر کے کنارے مچھیروں کی بستی میں چلا گیا۔ یہاں وہ سہ پہر تک رہا۔ اگلی رات اسے منشیات کے پندرہ پیکٹ اسمگلروں کے حوالے کرنے تھے۔ جو وہیں رقم ادا کر کے انہیں جنوبی امریکہ کے ایک ملک میں لے جانے والے تھے۔ اس نے پیکٹوں کا معائنہ کیا۔ اس کے چار مسلح آدمی وہاں پر موجود تھے پیکٹ پلاسٹک کے تھیلے میں رکھے ہوئے تھے۔ شام تک وہ وہیں رہا۔ اس نے رات کا کھانا بھی وہیں کھایا۔ پھر اپنے ڈیرے کی طرف چل پڑا وہ اپنی جیپ میں سوار تھا۔ وہ اکیلا ہی تھا ورنہ عام طور پر دو ایک باڈی گارڈ ساتھ ضرور ہوتے تھے۔ اس کا پروگرام یہ تھا کہ وہ گیارہ بجے رات تک اپنے ڈیرے میں ہی رہے گا اور اس کے بعد جب رات گہری ہو جائے گی تو روبی کی طرف روانہ ہو جائے گا۔ اس نے بخشو کو کہہ رکھا تھا کہ اگر روبی نے لاہور جانے کے لئے کہا تو وہ اسے بہاولپور تک چھوڑ آئے گا اپنی جیپ میں ہی جائے گا اور دن کے وقت واپس آئے گا۔ اور اگر اس نے دوبئی جانے کے لئے کہا تو وہ اسے رات خفیہ اڈے پر ہی رکھے گا اور دوسری رات جب وہ منشیات کے پیکٹ اسمگلروں کے حوالے کرے گا تو روبی کو بھی ان کے ساتھ ہی لانچ میں بٹھا دے گا۔ دارا بڑی تیز رفتاری سے جیپ لے جا رہا تھا۔ وہ ہمیشہ گاڑی تیز چلاتا تھا۔ لائسنس یافتہ بھرا ہوا پستول اس کی صدری کی جیب میں تھا۔ وہ جب بھی باہر نکلتا تھا۔ اپنے پاس لائسنس یافتہ پستول ہی رکھتا تھا۔ حالانکہ اس کے پاس ناجائز اسلحہ بھی کافی تعداد میں تھا جسے اس نے اپنے آدمیوں میں تقسیم کر رکھا تھا۔ اسے کسی جگہ ذخیرہ کر کے نہیں رکھا تھا۔ کیونکہ اس طرح چھاپہ پڑنے پر وہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پولیس کے قبضے میں آسکتا تھا۔

کراچی کی رات کی بڑی خوشگوار مرطوب ہوا چل رہی تھی۔ یہ پاکستان کے شروع شروع کے دن تھے۔ ابھی کراچی کی سڑکوں پر اتنا رش نہیں ہوا تھا جو آج دیکھنے میں آرہا ہے۔ لوگوں کے پاس گاڑیاں بھی محدود تعداد میں تھیں مگر یہ اس وقت بھی ایک بڑا شہر تھا۔ اور راتوں کو اس کی روشنیاں جگ مگ جگ مگ کرتی تھیں۔ ساحل سمندر پر پکنک منانے والوں کی ٹولیاں جمع رہتی تھیں۔ اور شہر کی دکانیں ہر قسم کی چیزوں سے بھری رہتی تھیں۔ دارا کی جیپ اب کراچی شہر کی بارونق سڑک پر سے گزر رہی تھی۔ اس نے رفتار ہلکی کر رکھی تھی جیب سے سگریٹ کا پیکٹ نکال کر کھولا تو وہ خالی تھا۔ اس نے ایک بارونق روشن چوک کے کونے میں سگریٹوں کی ایک دکان دیکھ کر فٹ پاتھ کے ساتھ گاڑی کھڑی کی اور اتر کر سگریٹ کا پیکٹ لیا۔ دکاندار کو پیسے دیئے اور واپس جیپ میں سوار ہونے ہی لگا تھا کہ اس کی نگاہ سامنے جنرل اسٹور کی ایک کشادہ اور جگمگاتی ہوئی دکان پر پڑی۔ اسے خیال آیا کہ یہاں سے روبی کے واسطے کوئی تحفہ خریدنا چاہئے۔ ظاہر ہے آج رات کو اسے کسی نہ کسی طرف نکل جانا ہے وہ اسے کوئی چیز تحفے کے طور پر بھی دینا چاہتا تھا۔ یہ حاجی صاحب کا اسٹور تھا جو اسے جانتے تھے۔ اس اسٹور میں دنیا جہان کی چیزیں ملتی تھیں۔

دارا نے اپنی جیپ وہیں سڑک کے کنارے کھڑی رہنے دی اور اسٹور میں داخل ہو گیا۔ اسٹور میں کافی رش تھا۔ عورتیں مرد سبھی شاپنگ کر رہے تھے۔ فضا بجلی کی روشنی سے جگمگا رہی تھی۔ اسٹور کے مالک حاجی صاحب نے دارا کو دیکھا تو اس کی خیریت معلوم کی۔ دارا نے کاؤنٹر پر جا کر کہا کہ میں اپنی ایک عزیزہ کے لئے سوٹ کا کپڑا خریدنا چاہتا ہوں۔ میری مدد کیجئے۔ حاجی صاحب اس وقت ایک نوجوان خاتون کو بچوں کے کھلونے دکھا رہے تھے۔ حاجی صاحب اس کو لے کر ریشمی کپڑوں والے اسٹال کی طرف جانے لگے تو دارا بولا۔

"نہیں نہیں حاجی صاحب پہلے آپ اس بی بی کو فارغ کر دیجئے میں بعد میں کپڑا دیکھ لوں گا۔"

حاجی صاحب اس خاتون کی طرف متوجہ ہو گئے۔ اس خاتون نے پلاسٹک کا ایک ہوائی

جہاز پسند کیا اور اپنے پرس میں سے پیسے نکال رہی تھی کہ اسٹور میں تین مشتبہ قسم کے آدمی داخل ہوئے انہوں نے اسٹور میں آتے ہی گاہکوں پر یوں نگاہ ڈالی جیسے یہ سارے لوگ ان کے نوکر چاکر ہوں۔ پھر ان میں سے ایک کی نگاہ کاسمیٹکس کے اسٹال پر سامان خریدتی ایک جوان عورت پر رک گئی۔ وہ اس عورت کی طرف بڑھے۔ دارا حاجی صاحب والے اسٹال سے ٹیک لگائے خاموش نظروں سے ان مشتبہ قسم کے آدمیوں کو دیکھنے لگا۔ ان کے چہروں پر ایک اوباش قسم کی مسکراہٹ تھی۔ تینوں اسٹال پر سامان خریدتی جوان اور خوش پوش عورت کے دائیں بائیں آکر کاؤنٹر پر جھک کر اس کی طرف دیکھ کر مسکرانے لگے۔ ایک نے عورت کے کٹے ہوئے بالوں کی لٹ کو اپنی انگلی سے چھیڑتے ہوئے کہا۔

"میری جان! تم کتنی خوبصورت ہو!"

عورت گھبرا کر پیچھے ہٹ گئی اور اس نے وہی جملہ کہا جو ایسے موقعوں پر شریف عورت کہا کرتی ہیں۔ یعنی "تمہیں شرم نہیں آتی۔ تمہارے گھر میں ماں بہن نہیں ہے۔" اس پر وہ تینوں غنڈے قہقہہ لگا کر ہنس دیئے۔ دارا کی بھویں سکڑ کر رہ گئیں۔ وہ سب کچھ برداشت کر سکتا تھا مگر کسی شریف عورت کو یوں سرعام بے عزت ہوتے نہیں دیکھ سکتا تھا۔ اچانک ایک غنڈے نے عورت کا دوپٹہ کھینچ کر پرے پھینک دیا۔ دوسرے نے عورت کی قمیص کا گریبان پکڑ کر ایک جھٹکے سے پھاڑ ڈالا۔ عورت نے چیخ مار کر اپنے دونوں بازو سینے پر کر لئے دہشت سے اس کا حلق خشک ہو رہا تھا۔ ایک غنڈے نے پستول نکال کر ہوائی فائر کر دیا۔ دوسرے نے نوجوان شریف عورت کو بازو سے پکڑا اور کھینچ کر اسٹور کے دروازے کی طرف لے جانے لگا۔ دوسرے غنڈے نے بھی پستول نکال لیا اور اوپر تلے تین بار ہوائی فائر کر دیئے تھے۔ عورت مدد کے لئے چیخ چیخ کر پکار رہی تھی۔ اسٹور میں بھگدڑ مچ گئی۔ سارے کے سارے آدمی اسٹور سے بھاگ گئے۔ دوسری طرف ایک یہ بدمعاش آدمی دارا ہی باقی رہ گیا جو کاؤنٹر سے ٹیک لگائے ابھی تک اس طرح کھڑا تھا۔

حاجی صاحب کاؤنٹر کے پاس بیٹھ گئے تھے۔ کھلونے خریدنے والی عورت بھی خوفزدہ ہو کر بھاگ گئی تھی۔ جب غنڈے مظلوم عورت کو گھسیٹتے ہوئے دارا کے قریب سے گزرے تو دارا نے بڑی پرسکون مگر گہری آواز میں کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"اسے چھوڑ دو۔" ایک غنڈے نے تحقیر کے انداز میں قہقہہ لگا کر پوچھا "تمہاری مامی لگتی ہے یہ؟" دارا نے کہا "یہ میری چھوٹی بہن ہے۔" اس پر وہ غنڈہ جو مظلوم عورت کو گھسیٹ رہا تھا چلایا۔

"اسے یہیں ختم کر دو اوئے۔"

فوراً ایک نے دارا پر پستول کا فائر کر دیا۔ یہ دارا کی خوش قسمتی تھی کہ گولی اسے نہیں لگی اور اس کے کان کے قریب سے ہو کر پیچھے شیشے کے شوکیس کو جا لگی۔ شوکیس کا شیشہ چھناکے سے چکنا چور ہو گیا۔ اس دوران دارا اپنی صدری کی جیب سے بھرا ہوا پستول نکال چکا تھا۔ دوسرے غنڈے نے فائر کیا تو دارا اس سے ایک سیکنڈ پہلے اچھل کر پرے ہٹ چکا تھا۔ تیسرا غنڈہ دارا پر گولی چلانے ہی والا تھا کہ دارا کے پستول نے شعلہ اگلا اور گولی تیسرے غنڈے کے دل کو چیرتی ہوئی نکل گئی۔ اس کے گرتے ہی مظلوم عورت اپنا پھٹا ہوا لباس نیم عریاں جسم سنبھالتی ہوئی اٹھی اور اسٹور کے دروازے کی طرف بھاگی۔

اب اسٹور میں گولیاں چل رہی تھیں۔ دارا نے پستول کی ساری گولیاں دونوں غنڈوں پر ختم کر دیں۔ ان کے جسم چھلنی ہو گئے اور وہ خون میں لت پت اسٹور کے فرش پر تڑپ رہے تھے۔ دارا نے ماحول کا جائزہ لیا سارا اسٹور خالی تھا۔ حاجی صاحب کاؤنٹر کے پیچھے کانوں پر ہاتھ رکھے دہشت زدہ بیٹھے تھے اسٹور کے باہر بازار فائرنگ کی آوازوں کی وجہ سے خالی ہو گیا تھا۔

دارا نے دوسری جیب میں سے گولیاں نکال کر جلدی جلدی پستول میں بھریں اور پستول ہاتھ میں لئے تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا اسٹور سے نکل کر بازار میں آگیا لوگ دور دور کھڑے تھے یہ سب شریف لوگ تھے۔ یہ سب تماشا دیکھنے والے لوگ تھے۔ ان میں سے کسی کو نہ تو یہ جرات ہوئی تھی کہ ایک شریف عورت کو غنڈوں کے ہاتھوں بے عزت ہونے سے بچاتے اور نہ اب اتنا حوصلہ تھا کہ بڑھ کر دارا کو پکڑ لیں۔ دارا ان لوگوں کی نفسیات سے خوب واقف تھا۔ اسے صرف پولیس کی طرف سے خطرہ تھا۔ مگر وہاں پولیس کا ایک بھی سپاہی نہیں تھا۔ وہ بڑے اطمینان سے اپنی جیپ کی طرف بڑھا اور دروازہ کھول کر پستول کو ڈیش بورڈ کے اوپر رکھا ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ کر گاڑی اسٹارٹ کی اور تیزی سے

اسے گھما کر خالی سڑک پر ڈال دیا تھوڑی دیر میں وہ جائے واردات سے کافی دور نکل آیا تھا۔

دارا کراچی کی روشن روشن سڑکوں پر طوفانی رفتار سے گاڑی چلاتا اپنے ڈیرے کی طرف آگیا اس نے جیپ ایک طرف کھڑی کی۔ اس کے آدمی اسکریپ کو سمیٹ رہے تھے۔ کیونکہ یہ دکان بند کرنے کا وقت تھا۔ دارا کا خاص ساتھی بخشو جیپ کو دیکھ کر بڑھا۔ دارا نے جیپ کا دروازہ زور سے بند کیا اور بخشو کو ہاتھ کے اشارے سے اپنے پیچھے آنے کو کہا۔ وہ دکان کے پیچھے بنے ہوئے چھوٹے سے کمرے میں آگیا۔ دارا کے چہرے سے بخشو نے اندازہ لگا لیا تھا کہ کوئی غیر معمولی بات ہو گئی ہے کمرے میں آکر اس نے دارا کی طرف دیکھا اور پوچھا۔

"خیر ہے ناں۔" دارا نے جیب سے سگریٹوں کا پیکٹ نکالتے ہوئے ایک طرف اس طرح تھوکا جیسے اس کا حلق کڑوا ہو گیا ہے بخشو نے دوبارہ پوچھا "کیا بات ہے بیٹا تم بتاتے کیوں نہیں۔ کیا لانچ راستے میں پکڑی گئی ہے۔" دارا نے جواب دینے کی بجائے بخشو کے کاندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا

"میرے ساتھ آؤ۔" وہ بخشو کو جیپ میں بٹھا کر ڈیرے سے نکل گیا۔ رات کی روشنی اور تاریکی میں جیپ شہر سے دور نکل گئی تھی اور اب سمندر کا ویران سنسان کنارا شروع ہو گیا تھا۔ دارا نے جیپ کو ریت کے ایک ٹیلے کے پیچھے کھڑا کیا۔ انجن کو بند کر دیا اور جیپ سے سگریٹ کی ڈبیا نکال کر سگریٹ سلگایا اور پھر سارا واقعہ بخشو کو سنا دیا۔ بخشو کہنے لگا

"پھر کیا ہوا ہم سنبھال لیں گے۔" دارا بولا۔

"ایک حاجی صاحب عینی شاہد نہیں ہیں وہاں ہر آدمی نے مجھے دیکھا ہے پولیس تو اب تک ڈیرے پر پہنچ چکی ہو گی۔" بخشو بولا۔

"پولیس کیا کرے گی۔؟ ہم پیسہ چڑھا دیں گے۔ ایسی بھی کیا بات ہے۔ پہلے تم نے جو خون کیے تھے وہاں پولیس نے کیا کر لیا تھا؟" دارا نے سگریٹ کا کش لگایا اور بولا۔

"بخشو دادا' یہ پہلے والی بات نہیں ہے۔ اکٹھے تین خون ہو گئے ہیں اور ایک نہیں کئی لوگوں نے مجھے خون کرتے دیکھا ہے خواہ میں نے غنڈوں کو ہی قتل کیا ہے مگر لگتا ہے کہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس بار میں سزا سے نہیں بچ سکوں گا۔" بخشو کہنے لگا

"تو پھر تم یہاں سے نکل جاؤ دوبئی کویت کی طرف چلے جاؤ کل رات اپنی لانچ مال لے کر تو آ ہی رہی ہے۔ وہ تمہیں آسانی سے کویت لے جائے گی۔" دارا نے کہا۔"بخشو! جب تک میری ماں زندہ ہے میں یہاں سے باہر نہیں جا سکتا۔ ماں خواہ جیل میں ہی ہے مگر وہ ابھی زندہ ہے۔ میں اسے دنیا والوں کے رحم و کرم پر اکیلی چھوڑ کر یہاں سے کسی دوسرے ملک نہیں جاؤں گا۔ کیونکہ ایک بار یہاں سے نکل گیا تو پھر واپسی مشکل ہو جائے گی۔ یہاں رہوں گا تو کبھی کبھی ماں کو دیکھ لیا کروں گا۔ اس کی خیریت کی اطلاع ہی ملتی رہے گی۔ اس کی خدمت کر سکوں گا۔" بخشو نے صافے سے اپنے چہرے کا پسینہ پونچھتے ہوئے کہا۔

"تو پھر تم نے کیا فیصلہ کیا ہے؟"

دارا نے سگریٹ ایک طرف ریت پر پھینکا اور بولا۔"تم یہاں سے واپس ڈیرے پر جاؤ' میں روبی کی طرف جا رہا ہوں۔ پولیس آئے تو کہہ دینا کہ دارا یہاں نہیں آیا۔" دونوں جیپ میں سوار ہو کر واپس چل پڑے سڑک پر آ کر دارا نے بخشو کو جیپ سے اتارتے ہوئے کہا۔

"یہاں سے ٹیکسی لے لینا۔ کل دوبئی سے لانچ مال لے کر آ رہی ہے مال لے کر انہیں پاؤڈر (کوکین) بھی دینا ہے میں کل رات کے دو بجے وہاں پہنچ جاؤں گا۔ تم میرے بارے میں کسی کو کچھ نہ بتانا اور چاروں طرف سے چوکس رہنا۔ میرے وہاں آنے کی پولیس کو کانوں کان خبر نہیں ہونی چاہئے۔" دارا نے جیب سے کچھ نوٹ نکال کر بخشو کو دیئے۔ اور جیپ کو سڑک پر آگے بڑھا دیا۔

ابھی شروع رات ہی کا وقت تھا۔ روبی جاگ رہی تھی۔ ویسے بھی آج رات اسے نیند نہیں آ رہی تھی۔ آج اسے اس پناہ گاہ سے نکل جانا تھا۔ ایک بہت بڑے چیلنج کی طرح۔ ملک کی وسیع و عریض زمین اس کے سامنے تھی۔ وہ اس چیلنج سے خوف زدہ نہیں تھی لیکن فکر مند ضرور تھی۔ اسے نئے سرے سے ایک ایسی زندگی شروع کرنی تھی جس میں قدم قدم پر خطرہ منہ پھاڑے موجود تھا۔ یہ موت کا خطرہ نہیں تھا۔ موت سے روبی کبھی نہیں ڈری تھی۔ یہ خطرہ تھا پولیس کے ہاتھوں پکڑے جانے کا اور پھر باقی کی عمر جیل کی چار

دیواری میں سڑتے رہنے کا یہ روبی کو گوارا نہیں تھا۔ وہ مرنے سے پہلے پہلے زندہ رہنا چاہتی تھی۔ وہ ان لوگوں میں سے نہیں تھی جو مرنے سے پہلے ہی مر جاتے ہیں کم از کم سو میں سے ننانوے فی صد ضرور مر جاتے ہیں۔ موت کو بھی انہیں مارتے ہوئے افسوس ہوتا ہے۔ کیونکہ موت کو تو اپنا فرض پورا کرنے کے لئے زندگی چاہئے۔ روبی بھرپور اور توانا زندگی بسر کرنا چاہتی تھی۔ وہ ایک پل بھی اپنے فرض سے غافل رہ کر گزارنا نہیں چاہتی تھی۔ اس کی جنگ بدی کی طاقتوں کے خلاف جنگ تھی۔ اس جنگ میں معرکہ آرائی کے لئے روبی کو اپنے جیسے ایک ساتھی کی ضرورت تھی۔ اور ساتھی اس کے قریب آ کر اس سے جدا ہو رہا تھا۔ یہ دارا تھا۔ روبی نے سوچا دارا بھی سچا ہے۔ آخر وہ کیوں اپنی ایک خاص ڈھرے پر چلتی ہوئی زندگی چھوڑ کر اس کے ساتھ ایک مفرور مجرم کی زندگی اختیار کرے؟

روبی کو جیپ کی آواز سنائی دی۔ دارا نے آدھی رات کو آنے کا کہا تھا۔ وہ جلدی آ گیا تھا۔ روبی کوٹھری سے نکل کر باہر آ گئی بوڑھی ملازمہ عورت دیوار کے ساتھ بنے ہوئے چولہے پر کیتلی میں روبی کے لئے چائے تیار کر رہی تھی۔ جیپ احاطے کے درختوں میں آ کر رک گئی۔ دارا باہر نکلا وہ ہاتھ سے سر کے بالوں کو جھاڑتا ہوا روبی کی طرف بڑھا۔

"میں جلدی آ گیا ہوں۔" اس نے قریب آتے ہوئے کہا۔

روبی نے کوئی جواب نہ دیا۔ دارا نے بوڑھی عورت سے کہا۔

"ماسی چائے میں بھی پیئوں گا۔" روبی نے پوچھا۔"تم نے کھانا کھا لیا بھائی؟" دارا کی کوئی بہن نہیں تھی۔ جب بھی روبی اسے بھائی کہہ کر مخاطب کرتی دارا کو بڑا اچھا لگتا تھا۔ حالانکہ اس نے روبی کو کبھی بہن کہہ کر نہیں بلایا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ دارا ان آدمیوں میں سے تھا جو کسی عورت کو بہن نہ کہہ کر بھی اپنی بہن سمجھ سکتے تھے۔ دارا نے کوٹھری میں بچھی ہوئی چارپائی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"میں کھانا کھا کر آیا ہوں۔" دارا کے چہرے مہرے اور باتوں سے بالکل ظاہر نہیں ہوتا تھا کہ تھوڑی دیر پہلے وہ تین آدمیوں کا خون کر چکا ہے۔ اس کا ضمیر مطمئن تھا اس نے بھی روبی کی طرح اپنی جان اور ایک شریف بی بی کو سربازار بے آبرو ہونے سے بچاتے ہوئے تین درندوں کا خون کیا تھا۔ کسی کو شوقیہ یا بے گناہ قتل نہیں کیا تھا۔ اس سے پہلے بھی دارا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کچھ خون کر چکا تھا۔ مگر وہ قتل کچھ اور طرح کے تھے۔ ان میں اسے سزا ملنی چاہئے تھی لیکن وہ بچ گیا تھا۔ اس لیئے کہ کوئی عینی شاہد نہیں تھا۔ اب تو ایک دنیا نے دارا کو خون کرتے دیکھا تھا اور ان میں سے کئی لوگ اسے پہچانتے تھے۔ پولیس نے ان کے بیانات لے لیے ہوں گے اور اب تک اس کے ڈیرے پر پولیس چھاپہ مار چکی ہو گی۔ دارا نے جیب سے سگریٹوں کا پیکٹ نکال کر روبی کی طرف بڑھا دیا۔ روبی نے نفی میں سر ہلا دیا۔ دارا نے خود ہی ایک سگریٹ سلگا لیا اور اس کا کش لگا کر بولا۔"پھر تم نے کس طرف جانے کا فیصلہ کیا ہے بی بی؟" روبی نے طویل سانس بھر کر کہا۔

"میں ابھی پنجاب کی طرف ہی جاؤں گی۔ وہاں جا کر فیصلہ کروں گی کہ مجھے آگے کیا کرنا ہے۔"

دارا نے آہستہ سے کہا۔"مگر تم تو کہتی تھیں کہ تم نے ایک منصوبہ بنایا ہوا ہے تم ایک مشن شروع کرنے والی ہو۔ پاکستان میں عزتوں کی حفاظت اور پیشہ ور مجرموں کو ختم کر دینے کا مشن۔ تمہیں کوئی دوسرا فیصلہ کرنے کی کیا ضرورت ہے۔" روبی کھلے دروازے میں سے باہر دیوار کے ساتھ بنے ہوئے چولہے کو دیکھنے لگی جس میں آگ جل رہی تھی اور جہاں بوڑھی ملازمہ گلاسوں میں چائے انڈیل رہی تھی۔ کہنے لگی۔"بہرحال اب تمہیں اس سے کوئی دلچسپی نہیں ہونی چاہئے کہ میں آئندہ کہاں جاؤں گی اور کیا کروں گی۔" دارا نے ہلکا سا کش لگایا اور بولا۔"مجھے اس بات سے پوری دلچسپی ہے کہ تم کہاں جاؤ گی اور آگے کیا کرو گی۔" روبی نے دارا کی طرف نگاہیں اٹھا کر دیکھا۔

"وہ کیوں؟" روبی کے ہونٹوں سے جیسے اپنے آپ یہ الفاظ نکل گئے تھے دارا نے کہا۔

"اس لئے کہ میں بھی تمہارے ساتھ ہوں۔" روبی ایک دم چونک پڑی۔ بوڑھی نوکرانی چائے کے گلاس لے کر آ گئی۔ جب وہ چلی گئی تو روبی نے اپنا سوال ایک بار پھر دہرایا

"تم میرے ساتھ ہو' کیا مطلب ہے تمہارا؟"

دارا نے گرم گرم چائے کا گھونٹ بھرا اور گلاس زمین پر رکھ دیا روبی کی طرف دیکھا اور بولا۔

"تم نے کتنے خون کیے تھے؟"

روبی کی کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ دارا یہ کس قسم کے سوال پوچھ رہا ہے۔ اس نے کہا۔

"چار مگر تم کس لئے پوچھ رہے ہو؟"

دارا نے سگریٹ کی راکھ انگلی سے جھاڑتے ہوئے کہا

"اس لئے کہ میں تم سے ایک خون پیچھے ہوں۔ میں صرف تین غنڈوں کو ہی قتل کر سکا ہوں۔ وہ تھے ہی تین زیادہ ہوتے تو میرے پستول سے نکلی ہوئی گولیاں انہیں بھی بھون کر رکھ دیتیں۔" روبی تو جیسے ساکت سی ہو کر رہ گئی۔ دارا کہہ رہا تھا۔

"تم نے اپنی عزت بچانے کی خاطر چار غنڈوں کو جہنم میں پہنچایا تھا میں نے کچھ اپنی جان اور زیادہ ایک شریف بی بی کو بیچ بازار میں بے عزت ہونے سے بچاتے ہوئے تین آدمیوں کو بھون ڈالا۔" پھر دارا نے شروع سے لے کر آخر تک سارا واقعہ بیان کر دیا۔ روبی حیرت زدہ خاموشی سے سب کچھ سنتی رہی۔ دارا نے جب سارا واقعہ سنا دیا تو سگریٹ کو پاؤں تلے مسلتے اور گلاس میں سے چائے کا گھونٹ بھرنے کے بعد بولا۔

"میں حیران ہوں کہ لوگوں کو کیا ہو گیا ہے۔ ایسے موقعوں پر سب بھاگ جاتے ہیں کوئی کسی عورت کی عزت بچانے کے واسطے جرات کر کے آگے نہیں بڑھتا حالانکہ انہیں معلوم ہونا چاہئے جو لوگ عورتوں کی عزتوں پر ہاتھ ڈالتے ہیں وہ بڑے گھٹیا اور بزدل ہوتے ہیں۔ اگر کوئی شریف آدمی ان کے سامنے ڈٹ جائے تو یقین کرو وہ اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے مگر جانے کیوں سارے لوگ بھاگ جاتے ہیں اور مظلوم کو ظالم کے حوالے کر دیتے ہیں۔" تب روبی نے کہا۔

"اسی لئے مجھے میدان میں آنا پڑ رہا ہے جو کام شریف لوگ نہیں کر سکتے وہ مجھے کرنا ہو گا۔ کیونکہ اگر نہ شریف لوگوں نے جرات کی اور نہ میں آگے بڑھی تو پھر تو بدی کی طاقتوں کو اس ملک میں کھل کر کھیلنے کی کھلی چھٹی مل جائے گی اور جو ملک شہیدوں کی قربانیوں کے خون سے تعمیر ہوا ہے اس کی سلامتی خطرے میں پڑ جائے گی۔ ایسا ہرگز نہیں ہو گا ایسا ہرگز نہیں ہونا چاہئے۔"

دارا نے روبی کو ٹوک کر کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"میں نہ کہو ..... ہم ..... کہو ..... کیونکہ اس جنگ میں میں بھی تمہارے ساتھ ہوں۔ اب میری زندگی کا بھی یہی مقصد ہو گا۔ میں نے اگر کوئی گناہ کیا ہے تو صرف منشیات کی اسمگلنگ کی ہے۔ اور صرف ایک آدمی کو ناحق مارا ہے وہ بھی لڑائی میں میرے سامنے آگیا تھا۔ بدمعاشی میں رہ کر میں نے دوسرا کوئی بڑا گناہ نہیں کیا۔ میں نے آج تک کبھی کسی کی ماں بہن یا بیٹی کو بری نگاہ سے نہیں دیکھا۔ باقی جو گناہ مجھ سے ہوئے ہیں میں ان کے لئے خدا سے معافی مانگتا ہوں اور اس ملک سے جرائم کو ختم کرنے کی جنگ شروع کر کے ان گناہوں کا کفارہ ادا کرنے کی کوشش کروں گا۔" روبی نے فوراً کہا۔

"اس کے لئے تمہیں منشات کی اسمگلنگ سے بھی ہمیشہ کے لئے توبہ کرنی ہو گی۔"

دارا سوچ میں پڑ گیا۔ پھر فوراً ہی سر کو جھٹک کر بولا۔

"ٹھیک ہے آج سے اس برائی کے خلاف بھی جنگ ہو گی۔" دارا نے روبی کو ساتھ لیا اور وہ رات کے دھندلے اندھیرے میں کیکر کے درختوں کے نیچے ٹہلنے لگے۔ دارا کہنے لگا۔

"میری بہن! تمہیں بہن سمجھا ہے اب بہن کہا بھی ہے مرتے دم تک تم میری بہن ہی رہو گی۔ ایک بھائی کی طرح میں تیری حفاظت کروں گا اور اگر وقت آیا تو محبت کرنے والے بھائی کی طرح تم پر اپنی جان نثار کر دوں گا۔" روبی بڑی متاثر ہوئی۔ اس نے بھی کہا۔" وہ اس کی محبت کرنے والی حقیقی بہن بن کر دکھائے گی۔ اسے کبھی یہ کمی محسوس نہیں ہونے دے گی کہ اس کی کوئی بہن نہیں ہے۔" وہ جیپ کے پاس آگئے۔ دارا نے چاروں طرف دیکھا اور کہنے لگا۔

"اب ہمیں یہاں نہیں رہنا ہو گا۔ کل رات کے وقت یہاں سے ایک اور ٹھکانے پر چلے چلیں گے۔ کیونکہ اب پولیس کو دو مفرور قاتلوں کی تلاش ہو گی۔"

"تم نے کوئی دوسرا ٹھکانہ سوچا ہے؟" روبی نے پوچھا۔

دارا نے اثبات میں سر ہلایا اور بولا۔

"اس قسم کے حالات کے لیے میں نے ایک ٹھکانہ پہلے سے بنایا ہوا ہے۔"

کل رات کو کسی وقت وہاں چلے جائیں گے۔ پھر اس نے کلائی اوپر کر کے گھڑی کی

چمکیلی سوئیوں کو غور سے دیکھا اور کہنے لگا۔

"میرے وہاں جانے تک وقت ہو جائے گا۔"

"کہاں جاؤ گے اس وقت؟"

روبی نے پوچھا۔ دارا نے صرف اتنا کہا۔

"یہ میں تمہیں وہاں سے واپس آکر بتا دوں گا۔ تم اسی جگہ رہنا۔ میں صبح ہونے سے پہلے پہلے یہاں پہنچ جاؤں گا۔" یہ کہہ کر دارا جیپ میں بیٹھ گیا روبی نے کہا۔

"اپنا خیال رکھنا بھائی ...."

دارا نے کھڑکی سے ہاتھ باہر نکالا روبی کے سر پر آہستہ سے پیار کیا مسکرایا۔ سیلف دبا کر انجن اسٹارٹ کیا اور تھوڑی دیر بعد جیپ تاریکی میں روبی کی نظروں سے غائب ہو گئی۔ کوٹھری میں آکر روبی سجدے میں گر گئی اور آنکھوں میں آنسو بھر کر اللہ تعالیٰ کے حضور فریاد کرنے لگی۔

"میرے مالک! میں اپنے آپ کو اپنی زندگی کو اپنی زندگی کے ہر عمل کو ایک ایک پل کو تمہارے سپرد کرتی ہوں۔ اب جو عمل ہو گا تیری راہ میں ہو گا۔ جو قدم اٹھے گا تیری طرف ہی اٹھے گا مجھے طاقت دینا میرے محبوب خاوند اور میری پیاری بچی عائشہ کی حفاظت کرنا انہیں اپنی امان میں اپنی پناہ میں رکھنا۔ میں تیرا شکر ادا کرتی ہوں کہ تو نے مجھے ایک ایسا بھائی دیا جو صرف شریف ہی نہیں بلکہ بہادر بھی ہے۔ جو پیارے وطن پاکستان کی سلامتی کے واسطے شروع کی گئی بدی کے خلاف اس جنگ میں میرے ساتھ ہو گا مجھے ایک ایسے ہی بھائی کی ضرورت تھی۔ میں گناہ گار ہوں۔ میں تو اس لائق بھی نہیں کہ تیرے حضور جھولی ہی پھیلا سکوں میری زندگی کو اپنے لئے استعمال کرنا۔ مجھے اپنی راہ میں موت دینا اس سے بڑی میرے لئے اور کوئی خوش نصیبی نہیں ہو گی۔"

شہر سے دور ساحل سمندر کے مچھیروں کی بستی سے بھی ایک کوس کے فاصلے پر رات کی تاریکی میں ایک جھونپڑی میں لالٹین روشن تھی۔ بخشو اور دارا کے چار مسلح باڈی گارڈ وہاں پہلے سے موجود تھے۔ وہ چھوٹا سا کریٹ بھی ان کے قریب ہی رکھا ہوا تھا جس میں منشیات کے پندرہ پلاسٹک کے تھیلے تھے اور جنہیں دبئی سے آنے والی لانچ میں سوار

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اسمگلروں کے حوالے کر کے ان سے ایک کروڑ کے قریب رقم وصول کرنی تھی۔ بخشو بار بار شہر کی جانب نگاہ دوڑاتا۔

"دارا بیٹا! ابھی تک نہیں آیا۔ خدا خیر کرے کہیں پولیس کے قابو میں نہ آگیا ہو۔" ایک باڈی گارڈ نے کہا۔

"بخشو! تم اپنے دارا کو اناڑی سمجھتے ہو کیا؟ پولیس ہمارے ڈیرے پر ہی چھاپہ مار سکتی تھی۔ دارا کا سراغ کبھی نہیں لگا سکتی۔ وہ آنے ہی والا ہو گا۔"

مغرب کی جانب دور تک سمندر کی تاریک چادر پھیلی ہوئی تھی۔ ستاروں کی روشنی میں سمندر کی ہلکی ہلکی لہریں چاندی کی طرح چمک رہی تھیں۔ مرطوب ہوا چل رہی تھی۔ بخشو نے کہا۔

"آج سمندر بھی چپ چاپ ہے۔ لانچ میرا خیال ہے ایک گھنٹے تک یہاں پہنچ جائے گی۔"

وہ پانچوں جھونپڑے کے باہر ریت پر بیٹھ گئے اور سگریٹ پینے لگے۔ ان میں سے ایک نے اپنی گھڑی دیکھ کر کہا۔

"استاد کو اب آجانا چاہئے۔ لانچ کے آنے کا وقت بھی ہو گیا ہے۔" اس کے بعد وہ سب ان غیر ہموار ٹیلوں کی طرف دیکھنے لگے جدھر سے شہر کو سڑک جاتی تھی۔ کوئی پانچ منٹ بعد ٹیلوں میں جیپ کی ہیڈ لائٹس دو بار روشن ہو کر بجھ گئیں۔ بخشو نے جلدی سے اٹھتے ہوئے کہا۔

"دارا آگیا ہے۔ لالٹین اندر سے لاؤ۔" اسی وقت ایک باڈی گارڈ نے جلتی ہوئی لالٹین ہاتھ میں پکڑ کر چار بار لہرائی۔ پھر جیپ کی آواز قریب آنے لگی۔ دارا نے آتے ہی جیپ جھونپڑی کے پیچھے کھڑی کردی۔ بخشو نے آگے بڑھ کر پوچھا۔

"سب ٹھیک ہے نا؟ مجھے تو فکر ہونے لگی تھی۔" دارا جیپ سے اتر کر جھونپڑی میں آگیا۔ آتے ہی اس نے پوچھا۔

"پولیس کیا کر رہی ہے؟" بخشو نے بتایا۔

"پوری گارڈ نے چھاپا مارا تھا مگر انہیں مایوسی ہوئی۔ ڈیرے کے باہر خفیہ والے نگرانی

پر لگا دیئے گئے ہیں۔ ہم نے کہا کہ دارا ادھر آتا تو یہیں پر ہوتا۔ وہ تو آیا ہی نہیں۔ خدا جانے کدھر نکل گیا ہے۔ غوث بخش اور کرم داد کو پولیس پوچھ گچھ کے لئے لے گئی ہے۔ کل شام تک ہم انہیں واپس لے آئیں گے۔" دارا نے لالٹین کی روشنی میں لکڑی کے کریٹ کو ٹھوکر ماری اور پوچھا۔

"مال اس میں ہے کیا؟" بخشو بولا۔

"ہاں دارا اسی میں ہے اور کہاں جائے گا مال۔ بس اب لانچ کا انتظار ہے۔ وہ بھی آنے ہی والی ہو گی۔ ٹائم ہو گیا ہے۔" دارے نے اسٹول پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"کریٹ کو کھولو ذرا۔" اسی وقت کریٹ کا اوپر والا تختہ ہٹا دیا گیا۔ اندر گھاس پھونس بھرا تھا۔ دارا نے ہاتھ ڈال کر باری باری پندرہ منشیات کی تھیلیاں اس میں سے نکال کر اپنے قریب ہی زمین پر رکھ دیں۔ پھر ایک تھیلی کو کھولنے لگا۔ بخشو نے کہا۔

"کیا دیکھنے لگے ہو۔ اصلی مال ہے۔ وہی ہے جو تمہارے سامنے بھرا گیا تھا۔ کیا تمہیں ہم پر بھروسا نہیں ہے دارا؟"

دارا نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس نے کھلی ہوئی تھیلی اپنے پاس ہی رکھی۔ باقی تھیلیاں اپنے ایک باڈی گارڈ سے اٹھوائیں اور ستاروں کی روشنی میں سمندر کے کنارے جا کر اس جگہ کھڑا ہو گیا جہاں سمندری لہریں اس کے پاؤں کو چھوتی ہوئی گزر جاتی تھیں۔ بخشو اور دارا کے چاروں باڈی گارڈ حیران تھے کہ وہ یہاں انہیں کس لئے لایا ہے۔ اتنے میں دارا نے اپنے ہاتھ میں پکڑی ہوئی تھیلی الٹ دی۔ تھیلی میں موجود پاؤڈر سمندر کے پانی میں گر گیا۔ بخشو نے چلا کر کہا۔

"یہ کیا کر رہے ہو بیٹا۔" دارا نے ترش رو ہو کر کہا۔

"چپ رہو بخشو۔ میں جو کچھ کر رہا ہوں ٹھیک کر رہا ہوں۔"

دارا نے باری باری ساری کی ساری تھیلیوں کو سمندر میں خالی کر دیں پھر پانی میں سے نکل آیا اور اپنے آدمیوں کی طرف دیکھا اور پرعزم لہجے میں بولا۔

"آج کے بعد سے اس زہر کا کاروبار نہیں ہو گا۔ دارا کے ڈیرے پر نہ جوا ہو گا۔ نہ کوکین، چرس اور گانجا فروخت ہو گا۔ اگر کسی نے ایسا کیا تو بخشو تم گواہ رہنا۔ میں جہاں بھی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہوں گا اپنے ڈیرے پر آکر اس آدمی کو اپنے ہاتھوں سے گولی سے اڑادوں گا۔"

سب کو جیسے سانپ سونگھ گیا۔ وہ سب دارا کی طبیعت سے واقف تھے۔ انہیں معلوم تھا کہ وہ دل کا سچا اور بات کا کھرا آدمی ہے۔ جب کوئی فیصلہ کر لیتا ہے تو دنیا کی بڑی سے بڑی طاقت بھی اسے اپنے فیصلے سے پیچھے نہیں ہٹا سکتی۔ دارا جھونپڑی کے باہر چارپائی نکلوا کر بیٹھ گیا۔ بخشو اس کے سامنے ریت پر بیٹھا تھا۔ چاروں باڈی گارڈ رائفلیں لئے اس کے دائیں بائیں کھڑے تھے۔ دارا نے بخشو سے مخاطب ہو کر کہا

"سنو بخشو چاچا! کل سے میرے ڈیرے پر صرف اسکریپ کا کام ہو گا۔ تم اس کام کے اس دکان کے مالک ہوگے تم ایمانداری سے کام کرو گے۔ جتنی آمدنی ہو اس کے مطابق اپنے پاس ملازم رکھو گے۔ میری ماں کے مقدمے کی پیروی کرو گے۔ اس کے لئے میں تمہیں الگ رقم دے دوں گا۔ ہر روز تم جیل میں میری ماں کو کھانا پہنچاؤ گے اور اس کی خیر خیریت معلوم کرو گے۔ اسے میری طرف سے کہنا کہ اس کے بیٹے نے اپنے باپ سے کیے ہوئے عہد کو نبھایا ہے اور بھرے بازار میں ایک مظلوم عورت کو بے آبرو ہوتے دیکھ کر بھاگا نہیں بلکہ اسے بے آبرو ہونے سے بچا لیا ہے اور اسے بے عزت کرنے کی کوشش کرنے والوں کو خون میں نہلا کر ٹھنڈا کر دیا ہے۔ میری ماں سے کہنا کہ میں نے اس کے دودھ کی لاج رکھ لی ہے۔ اسے کہنا کہ میں مفرور ضرور ہوا ہوں مگر اس ملک سے بھاگا نہیں ہوں۔ میرا جینا مرنا اسی ملک میں ہو گا۔ اسے کہنا اماں جی تمہارے بیٹے نے گناہوں کی زندگی سے توبہ کر لی ہے۔ منشیات کے تھیلوں کو ہمیشہ کے لئے سمندر کی لہروں میں غرق کر دیا ہے۔ وہ تین شیطانوں کا خون کرنے کے بعد سرخ رو ہو گیا ہے اور اب وہ اپنے پاک وطن کو جرائم پیشہ مجرموں' اجرتی قاتلوں اور مجبور و بے کس عورتوں کی عزتوں کو بھرے بازار میں گھسیٹنے والوں کے وجود سے پاک کرنے کے واسطے میدان جنگ میں کود چکا ہے۔ کہنا اماں جی! تمہارا بیٹا کہتا تھا اگر میں بدی کے خلاف لڑتا ہوا مارا دیا گیا تو میری قبر پر آکر فاتحہ ضرور پڑھ جانا پھر میری روح کو سکون مل جائے گا۔"

بخشو اور چاروں باڈی گارڈوں پر عجیب کیفیت طاری تھی۔ دارا خاموش ہو گیا پھر اس نے اپنے اردگرد کھڑے باڈی گارڈوں سے مخاطب ہو کر کہا۔

"تم آج سے میری طرف سے آزاد ہو۔ یہ اسلحہ میرے سامنے زمین پر رکھ دو۔"

باڈی گارڈ نے فوراً اپنی اپنی رائفلیں دارا کے سامنے رکھ دیں۔ دارا نے بخشو سے کہا۔

"بخشو چاچا! ان رائفلوں کو میری جیپ میں لے جاکر رکھ دو۔ کل تک یہ قانون کے خلاف فائر کرتی رہی ہیں۔ آج سے یہ قانون کی حفاظت وطن کی سلامتی اور مظلوموں کی عزتوں کو بچانے کے لئے شعلے اگلیں گی۔"

بخشو نے چاروں رائفلیں اٹھائیں اور کچھ فاصلے پر کھڑی دارا کی جیپ میں لے جا کر رکھ دیں۔ جب وہ واپس آیا تو دارا سمندر کے کنارے خاموش بالکل سیدھا کھڑا دور سمندر کی لہروں کو دیکھ رہا تھا جہاں ایک سیکنڈ پہلے اسے روشنی جلتی بجھتی نظر آئی تھی۔ اس نے بخشو سے کہا۔

"لانچ آرہی ہے۔ اسے لائن کلیئر کا سگنل دو۔" بخشو بھاگ کر جھونپڑی سے لالٹین اٹھا لایا۔ اور لالٹین کو ہاتھ میں لے کر سمندر کی طرف منہ کر کے اسے جھلانے لگا۔ دور سمندر میں وہی روشنی ایک بار پھر جل کر بجھ گئی۔ دارا نے بخشو سے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ اسے جھونپڑے میں رکھ آؤ۔" تھوڑی دیر میں ایک کشتی سمندر کی لہروں پر اندھیرے میں ہچکولے کھاتی کنارے پر آکر گھٹنے گھٹنے پانی میں رک گئی۔ ان میں تین آدمی سوار تھے۔ دو آدمی کشتی میں ہی بیٹھے رہے۔ ایک آدمی کاندھے سے رائفل لٹکائے پانی میں سے گزر کر دارا کے پاس آگیا۔ اس نے آتے ہی دارا کو پہچاننے کے بعد ہاتھ اٹھا کر سلام کیا اور بولا۔

"دارا مال آرہا ہے۔ ہمارا مال تیار ہے کیا؟"

اسمگل کر کے لائے گئے مال سے بھری ہوئی لانچ پیچھے کھلے سمندر میں کھڑی تھی۔ یہ لوگ آگے لائن کلیئر لینے اور دارا سے مال کی وصولی کے بارے میں بات کرنے آئے تھے۔ دارا اس اسمگلر کو ایک طرف لے گیا۔ دونوں میں پانچ چھ منٹ تک کچھ بات چیت ہوتی رہی۔ اس دوران دونوں کے برہم ہو کر اونچی آواز میں باتیں کرنے کی آواز بھی آئی۔ پھر خاموشی چھا گئی۔ بخشو اور دارا کے چاروں نہتے باڈی گارڈ جھونپڑی کے قریب ایک طرف کھڑے یہ سارا ماجرا دیکھ رہے تھے۔ پھر دارا واپس مڑا۔ اسمگلر بھی اپنی کشتی کی طرف چلنے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

رکا۔ بخشو نے دو چار قدم آگے جا کر دارا سے پوچھا۔

"کیا فیصلہ ہوا؟" دارا نے کہا۔

"میں نے انہیں کہہ دیا ہے کہ پیکٹ یہاں تک لانے میں بڑی دشواریاں ہیں پولیس نے راستوں کی ناکہ بندی کر رکھی ہے۔ اگلے پھیرے میں بات کروں گا۔ مال واپس لے جاؤ نہیں تو تمہاری لانچ بھی پکڑی جائے گی۔"

دارا نے چاروں باڈی گارڈ جوانوں کو جو اس کے جانثار اور قابل اعتبار بدمعاش ٹائپ تھے وہیں جھونپڑی میں بیٹھنے کے لئے کہا اور خود بخشو چاچا کو لے کر جیپ کی طرف قدم قدم چلنے لگا۔ بخشو کہنے لگا۔

"بیٹا! تم نے کام تو بڑا نیکی کا کیا ہے۔ مگر ان تمام اسمگلر لوگوں کو تم نے اپنا دشمن بنا لیا ہے۔" دارا نے آسمان کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"بخشو چاچا زندگی موت اللہ ہی کے اختیار میں ہے۔ تم مجھے بچپن سے جانتے ہو۔ میں سوائے اللہ رسول ﷺ کے اور کسی سے نہیں ڈرتا۔ میں تمہیں اس لئے ساتھ لایا ہوں کہ میری بات غور سے سنو۔ میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔ اور ہو سکتا ہے اس کے بعد ملاقات دیر بعد ہو۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ جو کچھ میں نے تمہیں کہا ہے وہ سب کچھ میری ماں سے ملاقات کر کے اسے بتا دینا۔ اس پر جو مقدمہ بنا ہوا ہے اس کا فیصلہ جلد ہو جائے گا۔ اگر میری ماں بری ہو گئی تو تم اسے دکان والے مکان میں ہی رکھنا۔ ایک ملازمہ اس کے لئے رکھوا دینا۔ خبردار دکان میں کوئی ناجائز کاروبار نہ ہو۔" بخشو بولا "بیٹے تم نے کہہ دیا تو سمجھ لو کہ معاملہ ختم ہو گیا۔ اب دکان پر اسکریپ کا ہی کاروبار ہو گا خواہ چھوٹے پیمانے پر ہی ہو۔" دارا نے کہا۔

"کیماڑی میں اپنا جو پرانا گیراج ہے اس کی پچھلی کوٹھری کے کونے کو جا کر کھودنا۔ وہاں میں نے چمڑے کا ایک تھیلا دبا رکھا ہے۔ اس میں پانچ لاکھ کے قریب نوٹ پڑے ہیں۔ یہ میں نے اپنا جینا مرنا رکھ چھوڑا تھا۔ اس میں سے بیس بیس ہزار روپے میرے ان چاروں محافظوں کو دے دینا اور کہنا کہ یہ جا کر کوئی شریفانہ دھندا شروع کریں۔ ایک لاکھ روپیہ تم میرے خفیہ ڈیرے پر لا کر مجھے دے دینا۔ باقی رقم میں سے تم میری ماں کے

مقدمے کی پیروی کرنا اور جب وہ بری ہو کر گھر آئے تو جو رقم بچے اس کے حوالے کر دینا۔ میری دکان کے اب تم مالک ہو میں اب جاتا ہوں۔ کل رات کو تم رقم لے کر میرے خفیہ ڈیرے پر پہنچ جانا۔ اب تم جاؤ۔"

دارا جیپ میں سوار ہو گیا۔ بخشو واپس جھونپڑی کی طرف چل پڑا۔ جیپ کو ٹیلوں کی تاریکی میں سے نکال کر دارا اسے ایک سڑک پر لے آیا جہاں کہیں کہیں بجلی کے کھمبوں پر بتیاں روشن تھیں۔ ابھی رات ڈھلنا شروع نہیں ہوئی تھی کہ دارا خفیہ ٹھکانے پر پہنچ گیا۔ روبی کوٹھری کا دروازہ اندر سے بند کر کے سو رہی تھی۔ دارا نے اسے جگانا مناسب نہ سمجھا۔ بوڑھی نوکرانی بھی بکریوں کے پاس چارپائی پر سو رہی تھی۔ دارا جیپ میں سو گیا۔ صبح جب اس کی آنکھ کھلی تو کافی دن نکل آیا تھا اور روبی اسے جگا رہی تھی۔ دارا منہ پر ہاتھ پھیرتا ہوا جیپ سے باہر آ گیا۔ انہوں نے اکٹھے ناشتہ کیا۔ دارا نے روبی کو بتایا کہ اس نے ساری منشیات سمندر میں پھینک دی اور اپنے ڈیرے پر تمام ناجائز کاروبار بند کروا دیا ہے روبی کو اس خوشگوار انقلاب پر خوشی ہوئی۔ دارا جیپ میں سے چاروں رائفلیں اٹھا کر کوٹھری میں لے آیا تھا اس نے روبی کو یہ بھی بتایا۔

"بخشو رات کو ایک لاکھ روپیہ لے کر آ رہا ہے۔ ہمیں روپوں کی ضرورت ہو گی۔ اس کے بعد جو ہو گا دیکھا جائے گا۔ ابھی ہمیں کچھ معلوم نہیں کہ آگے کیا ہونے والا ہے۔"

کچھ لمحے خاموشی سے چائے پینے کے بعد دارا بولا۔ "میرا خیال ہے ہمیں ابھی اس علاقے سے نکل جانا چاہئے کیونکہ یہاں ہمارے لئے خطرہ زیادہ ہے۔ وہ جو میں نے تمہیں اسی صوبے میں اپنے ایک بہت ہی الگ تھلگ خفیہ ٹھکانے کے بارے میں کہا تھا ابھی وہاں جانے کا ارادہ بھی ملتوی کرتے ہیں۔"

روبی خاموشی سے چائے پیتی رہی۔ اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ دارا خود ہی کہنے لگا۔

"میرا ارادہ ہے کہ ہم پنجاب کی طرف نکل جاتے ہیں۔ وہاں راوی پار میرے ایک پرانے دوست کی کچھ زمین ہے جہاں اس نے چھوٹا سا فارم بنایا ہوا ہے۔ کبھی ہم دونوں مل کر اسمگلنگ کیا کرتے تھے پھر اس نے اس کام سے توبہ کر لی اور راوی پار اپنے گاؤں کے پاس ہی دو مربع اراضی خرید کر فارم بنا لیا۔ میں اس پر بھروسہ کر سکتا ہوں اس کا نام میاں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

خان ہے کچھ عرصے وہاں چل کر رہتے ہیں۔ اس کے بعد سوچیں گے کہ آگے کیا کرنا ہے اور کہاں جانا ہے۔" روبی نے کہا۔

"لیکن جانے سے پہلے میں شیر خان کی خیریت دریافت کرنا چاہتی ہوں اور اپنی بچی کو ایک نظر دیکھنا چاہتی ہوں۔" دارا کہنے لگا۔

"شیر خان ابھی تک پولیس کی تحویل میں ہی ہے۔ میں نے بخشو سے پتا کروایا تھا۔ باقی تمہاری بچی تمہاری ہمسائی مریم کے پاس ہی ہوگی۔ دیکھ لو تمہارے گھر کی پولیس برابر نگرانی کر رہی ہے۔ اس میں تمہارے پکڑے جانے کا سو فیصد خطرہ ہے۔ باقی تم جیسے کہو گی میں ویسے ہی کروں گا۔"

روبی کے دل میں ممتا کے جذبات امڈ رہے تھے مگر اسے یہ بھی خیال تھا کہ اگر وہ گرفتار ہوگئی تو پھر ساری زندگی جیل کی سلاخوں کے پیچھے ہی گزر جائے گی۔ اور یہ زندگی موت سے بدتر ہوگی۔ اس نے ممتا کے امڈتے ہوئے جذبوں پر پتھر کی سل رکھ دی اور کہا۔

"ٹھیک ہے۔ میں ابھی اپنی بچی کو ملنے نہیں جاؤں گی۔"

دوپہر کے کھانے کے بعد دارا نے روبی سے کہا کہ تم کوٹھری میں جا کر آرام کرو اور خود رائفل لے کر کچھ فاصلے پر ایک درخت کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ دن گزر گیا۔ شام بھی غروب ہوگئی۔ رات کا اندھیرا چاروں طرف چھا گیا۔ رات کے دس بجے کا عمل ہوگا روبی اور دارا نے ابھی ابھی کھانا کھایا تھا کہ بخشو آگیا۔ وہ شہر کی طرف سے نہیں بلکہ سمندری کھاڑی والے راستے کی جانب سے آرہا تھا۔ اس نے دارا کو بتایا کہ سڑک کی طرف سے آنے میں خطرہ تھا کہ پولیس اس کی نگرانی کرتی یہاں تک پہنچ جائے گی۔ چنانچہ وہ پہلے مچھیروں کی بستی گیا۔ وہاں سے کشتی میں بیٹھ کر آگے کھاڑی میں جا اترا وہ چمڑے کے تھیلے میں ایک لاکھ روپیہ بھی لایا تھا۔ یہ سو سو روپے کے نوٹوں کی شکل میں تھے۔ کچھ پچاس پچاس کے نوٹ بھی تھے۔ — — — — — — — — — بخشو ایک ایسا آدمی تھا جس کو دارا اپنا تقریباً ہر راز بتا دیا کرتا تھا۔ اس نے بخشو کو بتا دیا کہ وہ پنجاب جا رہا ہے جہاں کچھ دن اپنے پرانے دوست میاں خان کے پاس روپوش رہے گا۔ دارا نے بخشو سے مل کر سارے نوٹوں کو کپڑے کے ایک چوڑے کمربند کے اندر چھوٹی گڈیوں کی شکل میں ڈال کر اسے اپنی کمر کے گرد قمیص بنیان کے نیچے باندھ لیا۔ سو سو کے پانچ نوٹ روبی کو ضرورت کے وقت کام آنے کے لئے دے دیئے اور سو سو کے پچاس نوٹ اپنی جیبوں میں رکھ لئے۔ اس نے بخشو سے کہا۔

"اب پیچھے تم ہی نے سارا خیال رکھنا ہے۔ میری ماں کے پاس ملاقات کو ضرور جایا کرنا۔ اسے کہنا مجھے معاف کر دے۔ میں خون کرنے پر مجبور ہوگیا تھا اور اب میں پولیس کے تشدد سے اذیت کی موت نہیں مرنا چاہتا۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بخشو خاموشی سے سر جھکائے بیٹھا چائے پیتا اور اپنا سر اثبات میں آہستہ آہستہ ہلاتا رہا۔ دارا اس وقت اپنے ریوالور کو صاف کر رہا تھا۔ اس نے بخشو سے یہ بھی کہا کہ ڈیرے سے چاروں رائفلیں بھی کسی روز ضائع کر دے۔

"ہمیں ان کی ضرورت نہیں ہے۔ میرے اور روبی کے پاس ایک ایک ریوالور اور ایک ایک چاقو موجود ہے۔ اگر ضرورت پڑی تو جہاں ہوں گے وہاں اسلحہ پیدا کر لیں گے۔"

بخشو کچھ فکر مند تھا کہنے لگا۔

"تم میاں خان کے پاس پنجاب جا رہے ہو۔ کیا تمہیں اس پر بھروسہ ہے؟" دارا مسکرایا اور ریوالور کی نال کی آنکھ سے جھانکتے ہوئے بولا۔

"چاچا وہ ایک ہی تو میرا بھروسے کا یار ہے۔ تم میاں خان کو نہیں جانتے۔ اگر اس نے بدمعاشی نہ چھوڑ دی ہوتی تو آج اس کے مقابلے کا یہاں کوئی آدمی نہ ہوتا۔" بخشو خاموش رہا۔ وہاں روبی نہیں تھی۔ اس لئے بخشو نے کھل کر بات کی۔ کہنے لگا۔

"دارا! یہ عورت کہیں تمہارے واسطے کوئی مصیبت کھڑی نہ کر دے۔ میری مانو اسے اب بھی میرے ساتھ بھیج دو۔ میں اسے اس کے گھر پہنچا دوں گا۔ یا پھر میں اسے یہیں چھپائے رکھوں گا اس کا خاوند شیر خان واپس آئے گا تو میں اس کی امانت اس کے حوالے کر دوں گا۔" دارا ریوالور میں گولیاں بھر رہا تھا۔ کہنے لگا

"نہیں چاچا! یہ بی بی ابھی میرے ساتھ ہی روپوش رہے گی۔" دارا نے جیب سے سگریٹ نکال کر سلگایا اور کچھ فاصلے پر کھڑی جیپ کی طرف دیکھ کر کہنے لگا "ہمیں اسٹیشن پر چھوڑ کر تم جیپ واپس لے جانا۔ ہم کراچی کینٹ سے چار اسٹیشن چھوڑ کر کسی اسٹیشن سے ٹرین میں سوار ہوں گے۔ ٹکٹ تم جا کر کینٹ اسٹیشن سے لاؤ گے۔" اور اسی پروگرام پر عمل کیا گیا۔ دارا نے رات کی ٹرین سے لاہور جانے کا پروگرام بنایا تھا۔ شام کو بخشو جیپ لے کر چلا گیا اور لاہور تک کے لئے ایئر کنڈیشنڈ ڈبے کے دو ٹکٹ لے آیا۔ ایئر کنڈیشنڈ ڈبے میں دارا اس لئے سفر کرنا چاہتا تھا کہ وہاں رات کو چیکنگ کے لئے کوئی نہیں آتا۔ روبی بھی تیار ہو گئی تھی۔ اس نے اپنے بدن کو سرمئی رنگ کی چادر سے ڈھانپ لیا تھا۔ دارا نے بھی شلوار کی بجائے پتلون اور جیکٹ پہن لی تھی۔ دونوں نے بھرے ہوئے ریوالور اپنے

لباس کے اندر چھپا رکھے تھے۔ وہ جیپ میں بیٹھ کر کچھ وقت پہلے ہی اس خفیہ ڈیرے سے نکل گئے۔ کراچی شہر سے کوئی پچاس ساٹھ میل دور وہ ایک مضافاتی ریلوے اسٹیشن کے باہر جیپ سے اترے۔ بخشو نے دارا کو گلے لگا کر دعا دی اور جیپ لے کر واپس چل دیا۔ دارا اور روبی اسٹیشن کے پلیٹ فارم پر آ گئے۔ پندرہ بیس منٹ کے بعد ٹرین آ گئی۔ وہ اس کے ایئر کنڈیشنڈ ڈبے میں خاموشی سے جا کر بیٹھ گئے۔ اس ڈبے میں پہلے سے ایک عمر رسیدہ جوڑا موجود تھا۔ دارا نے روبی کو اشارہ کیا۔ وہ اپنی برتھ پر لیٹ گئی۔ دارا بھی نیچے والی برتھ پر لیٹ گیا اور یوں ظاہر کیا جیسے اسے نیند آ رہی ہے اور سو جانا چاہتا ہے۔ وہ دوسرے مسافر سے بات چیت نہیں کرنا چاہتا تھا۔ ٹرین تھوڑی دیر رکھنے کے بعد لاہور کی طرف روانہ ہو گئی۔

روبی اور دارا کو الگ الگ قسم کے خیالات نے گھیر رکھا تھا۔ پھر بھی ٹرین کے ہچکولوں کی وجہ سے انہیں نیند نے آلیا۔ صبح آنکھ کھلی تو ٹرین پنجاب میں داخل ہو چکی تھی۔ دونوں نے ڈبے میں ہی ناشتا کیا دن کے گیارہ بجے کے قریب ٹرین لاہور پہنچ گئی۔ ٹرین سے نکل کر پلیٹ فارم کے گیٹ کی طرف جاتے ہوئے دارا نے آہستہ سے روبی کو کہا۔

"یہاں پولیس موجود ہے۔ مگر گھبرانا بالکل نہیں۔ مجھے ریوالور نکالتے دیر نہیں لگے گی۔" روبی نے جواب میں کہا۔

"تم بھول رہے ہو کہ ہمیں کسی بے گناہ کے خون سے اپنے ہاتھ نہیں رنگنے۔ اگر پولیس نے ہمیں پکڑنا چاہا تو یاد رکھنا۔ ہم ہوائی فائرنگ کر کے بھاگنے کی کوشش کریں گے۔" دارا نے سر ہلا دیا۔

وہ گیٹ سے نکل گئے۔ باہر کچھ ٹیکسیاں کھڑی تھیں۔ دارا نے نظر سے ماحول کا جائزہ لیا اور ایک ٹیکسی لے لی ٹیکسی کو شیخوپورہ کی طرف چلنے کو کہا۔ شیخوپورہ سے انہوں نے ایک تانگہ لے لیا۔ تانگے میں بیٹھ کر نوکوس مغرب کی طرف نہر کے پل تک سفر کیا۔ یہاں تانگہ بھی چھوڑ دیا۔ اب نہر کے پار ایک چھوٹی کچی سڑک پر چلنے لگا۔ روبی نے پوچھا۔

"ابھی کتنی دور اور چلنا ہو گا۔" دارا نے کچھ دور درختوں کے ایک جھنڈ کی طرف اشارہ کر کے کہا "بس وہاں میاں خان کا فارم ہے۔ زیادہ دور نہیں ہے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سامان ان کے پاس سوائے ایک چمڑے کے تھیلے کے اور کچھ بھی نہیں تھا۔ تھیلا دارا نے اٹھا رکھا تھا۔ وہ کیکر اور ٹاہلی کی چھاؤں میں سفر کرتے میاں خان کے فارم پر پہنچ گئے۔ دارا نے روبی کو فارم کے ایک جانب درخت کے نیچے ٹھہرنے کو کہا اور خود دوسری طرف سے فارم میں داخل ہو گیا۔ املتاس آم اور شیشم کے بڑے گھنے درختوں نے اس مختصر سے دیہاتی فارم کو چاروں طرف سے گھیر رکھا تھا۔ کونے میں مالٹے کے پیڑوں کے درمیان ایک پکی اینٹوں کا چھوٹا سا کمرہ بنا ہوا تھا۔ جس کے باہر کافی جھاڑ جھنکاڑ پڑا تھا۔ دارا چاہتا تھا کہ وہ سیدھا اپنے دوست میاں خان ہی سے ملے ابھی وہ کمرے تک نہیں پہنچا تھا کہ ایک طرف سے ایک آدمی نکل کر اس کے سامنے آگیا۔

"کس سے ملنا ہے بابو صاحب؟" دارا نے پتلون اور ٹھنڈی جیکٹ پہن رکھی تھی اس وجہ سے اس کسان نے اسے کوئی بابو سمجھا تھا۔

دارا نے میاں خان کا پوچھا۔ کسان نے کہا۔

"آپ خان صاحب کے دوست ہیں کیا؟" دارا نے کہا۔

"ہاں میں اس کا دوست ہوں۔ دوسرے شہر سے آیا ہوں۔ وہ کہاں ہے؟" کسان بولا۔

"وہ ذرا گاؤں گئے ہیں۔ آپ اندر چل کر بیٹھیں۔ میں آپ کے لئے لسی لاتا ہوں۔"

دارا سوچنے لگا کہ روبی کو وہاں لے آئے کہ میاں خان وہاں پہنچ گیا۔ اس نے دارا کو دیکھا تو وہیں سے بانہیں کھول دیں۔

"او میرا یار آیا ہے۔ میرا یار آیا ہے۔"

دونوں دوست ایک دوسرے سے لپٹ گئے۔ کسان مسکرانے لگا۔ میاں خان نے اسے لسی لانے کو کہا اور دارا کو کمرے کی طرف لے کر چلا۔ دارا کے کاندھے پر ہاتھ مار کر بولا۔

"تم ادھر کا کیسے راستہ بھول گئے؟ یار بڑے عرصے بعد تم سے ملاقات ہوئی ہے۔ روح خوش ہو گئی ہے۔" پھر آنکھ مار کر کہنے لگا "اکیلے ہی ہو ناں۔ کوئی طمنچہ جان تو ساتھ نہیں ہے؟ اگر ہے تو بتا دو۔ فکر نہ کرو۔ یہاں میاں خان کا راج ہے۔" طمنچہ جان سے میاں خان کی مراد کراچی کی وہ طوائف تھی جس کے ہاں اسی زمانے میں اکثر مجرا سننے جایا کرتا تھا۔ دارا نے کہا۔

"نہیں میاں خان! وہ کام میں نے چھوڑ دیا ہے۔" میاں خان نے ایک قہقہہ لگایا۔ اس قہقہے کی آواز روبی نے بھی سنی جو فارم کی باڑھ کے پیچھے بیٹھی تھی۔

"دارا! خدا کی قسم یقین نہیں آتا۔" پھر خود ہی بولا۔ "ویسے یار آدمی کی کایا پلٹ ہوتے دیر نہیں لگتی۔ اب مجھے ہی دیکھو کبھی کیا کچھ نہیں کیا کرتا تھا۔ دنیا کا کونسا قانون ہے جو میں نے نہیں توڑا۔ مگر اب تمہاری دعا سے حق حلال کی روزی کما رہا ہوں۔"

میاں خان نے دروازہ کھول دیا اور اندر سے دو مونڈھے نکال کر باہر ڈال دیئے۔

"بیٹھو یار۔ باتیں کرتے ہیں۔ سناؤ اور کیا حال چال ہے۔" صاف ظاہر تھا کہ میاں خان کو ابھی تک یہ خبر نہیں ہوئی تھی کہ دارا نے کراچی میں تین خون کیے ہیں۔ اس نے میاں خان سے کہا۔

"میرے ساتھ ایک عورت بھی ہے۔" میاں خان معنی خیز انداز میں مسکرایا اور اپنی چھوٹی چھوٹی مونچھوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولا۔

"یہ بات ہوئی ناں۔ میں یہی سوچ رہا تھا کہ میرا یار کسی عورت کے بغیر یہاں اکیلا کیسے آگیا۔ فکر نہیں۔ وہ کہاں ہے؟" دارا نے کہا۔

"وہ ایسی ویسی عورت نہیں ہے میاں خان! یوں سمجھ لو کہ وہ میری چھوٹی بہن کی جگہ ہے۔ میں اسے اپنی بہن ہی سمجھتا ہوں۔" میاں خان نے کچھ تعجب کیا۔ پھر دونوں ہاتھ تھوڑے سے اوپر اٹھائے اور بولا۔

"اگر وہ تمہاری بہن ہے تو میری بھی بہن ہے دارا! اسے کہاں چھوڑ آئے ہو؟ ساتھ کیوں نہیں لائے؟"

دارا مونڈھے پر سے اٹھ کر باڑھ کی طرف گیا اور روبی کو ساتھ لے کر آگیا میاں خان تعظیماً اٹھ کھڑا ہوا صرف ایک نظر روبی کو دیکھا پھر نگاہیں نیچی کر لیں اور بولا۔

"بہن یہ تمہارے بھائی کا ڈیرا ہے بس اور کیا کہہ سکتا ہوں۔" دارا نے روبی کو کمرے کے اندر جانے کے لئے کہا۔ وہ کمرے میں چلی گئی۔

میاں خان مونڈھے پر بیٹھ گیا وہ کچھ الجھن سی محسوس کرنے لگا تھا۔ ایک زمانہ اس نے جرائم پیشہ لوگوں میں گزارا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ ایسے لوگ یونہی کسی عورت کو بہن نہیں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کہا کرتے اور جب کسی کو اپنی زبان سے بہن کہہ دیتے ہیں تو اس کی عزت پر اپنی جان بھی قربان کر دیتے ہیں میاں خان کا ملازم لسی لے کر آگیا۔ میاں خان اپنا گلاس روبی کو اندر بھجوانے لگا تو دارا نے اسے آنکھ کا اشارہ کیا۔ میاں خان ملازم کو کچھ کہتے کہتے وہیں رک گیا۔ وہ سمجھ گیا کہ کوئی بات ضرور ہے اس نے ملازم کو واپس بھجوا دیا دارا لسی کا گلاس خود کمرے میں لے گیا۔ روبی کو لسی پلائی تسلی دی کہ سب ٹھیک ہے باہر آگیا۔ میاں خان نے ڈول میں سے دارا کے خالی گلاس میں لسی ڈالی۔ دونوں دوست بیٹھ کر لسی پینے لگے۔ میاں خان نے ذرا جھک کر آہستہ سے پوچھا۔

"کیا بات ہے دارا؟ تم مجھ سے کچھ چھپا رہے ہو کیوں؟"

دارا جانتا تھا کہ میاں خان اس کا جگری یار ہے وہ سوچ کر آیا تھا کہ اسے سب کچھ بتا دے گا۔ چنانچہ لسی کا گلاس خالی کر کے دارا نے زمین پر رکھا اور سگریٹ سلگانے کے بعد ایک کش کھینچا اور میاں خان کے چہرے پر نظریں گاڑتے ہوئے بولا۔

"میں کراچی میں تین خون کر کے آرہا ہوں۔"

میاں خان مسکرایا۔

"بس! میں سمجھا پتا نہیں کیا ہو گیا ہے۔ فکر نہیں' چاہے چھ خون کر کے آجاؤ یہاں تمہاری ہوا کی طرف بھی کوئی نہیں دیکھ سکتا۔ میرا فارم معمولی سا ہے مکان یہاں سے کچھ دور گاؤں میں ہے۔ بیوی بچے وہیں پر ہوتے ہیں۔ یہاں پر جو ملازم ہیں وہ میرے خاص بھروسے کے آدمی ہیں تم چاہے ساری عمر یہاں رہو۔ پولیس کو خبر نہیں ہو گی۔" دارا نے کہا۔

"نہیں میاں خان میں زیادہ دیر نہیں رہ سکتا۔ کچھ روز رہ کر آگے نکل جاؤں گا۔"

میاں خان بولا۔

"یہ تمہاری مرضی ہے ویسے میرے دروازے تم پر ہمیشہ کھلے ہیں۔" یہاں کھانا وغیرہ ہر شے تمہیں پہنچ جایا کرے گی۔ میں خود بھی یہیں رہوں گا میں کہیں نہیں جاتا۔ تم لوگ بے شک یہاں آزادی سے چلو پھرو' ہاں ایک بات ہے۔" دارا کا سگریٹ والا ہاتھ ہونٹوں تک پہنچ کر رک گیا۔

"وہ کیا؟" اس نے پوچھا میاں خان نے بے نیازی کے انداز میں بازو جھٹک کر کہا۔

"کوئی ایسی ویسی بات نہیں ہے۔ یہاں سے مشرق کی طرف ڈھاڑی والے کھوہ پر نادر کا ڈیرہ ہے تم اسے نہیں جانتے۔ نئی نئی بدمعاشی شروع کی ہے اس نے شراب کی دو بھٹیاں لگائی ہوئی ہیں اس میں نہ جانے کیا کیا زہر ملا کر شیخوپورہ لاہور سپلائی کرتا ہے۔ چرس کو کین بھی بیچتا ہے۔ سب کے مہینے لگا رکھے ہیں کوئی ایماندار ایس ایچ او آکر چھاپہ مارتا ہے تو سب مال وہ ادھر ادھر کر دیتا ہے۔ گاؤں کے لوگ اس سے ڈرتے ہیں۔ جس کی عزت پر چاہے ہاتھ ڈال دیتا ہے دو خون بھی کر چکا ہے مگر صاف بچ کر آگیا۔ اس نے مجھے ساتھ ملانے کی کوشش کی تھی۔ مگر میں نے صاف انکار کر دیا۔" میاں خان نے سگریٹ کا کش لگایا اور دارا کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"یارا ہم نے تو کبھی ایسا نہیں کیا تھا۔ ہمیشہ دوسرے کی ماں بہن کی عزت کو اپنی عزت سمجھا۔ جان ہتھیلی پر رکھ کر مال اسمگل کیا جیل بھی کاٹی مگر اس نئے بدمعاش نادر نے تو بدمعاشی کو بھی بدنام کر کے رکھ دیا ہے ایک سال سے اس نے ایک نیا دھندا شروع کر رکھا ہے۔ شہر سے مال دار لوگوں کی اولاد اغوا کر کے لے آتا ہے اور پھر ان سے بھاری رقم وصول کر کے چھوڑ دیتا ہے۔" دارا نے کہا۔

"پولیس کیا کرتی ہے؟" میاں خان ہنس پڑا۔

"تم پوچھتے ہو کہ پولیس کیا کرتی ہے؟ جہاں آوے کا آوا ہی بگڑا ہوا ہو وہاں کوئی فرض شناس پولیس افسر بھی آجائے تو کیا کرے گا۔ کتنی دیر تک چلے گا؟ رشوت خوروں کو بھاری رقم گھر پر پہنچ جاتی ہے اور نادر من مانی کر رہا ہے۔" دارا نے کہا۔

"ٹھیک ہے میں اس طرف نہیں جاؤں گا۔" میاں خان بولا۔" میں یہ تمہیں نادر سے ڈر کر نہیں کہہ رہا ہوں۔ بلکہ اس لئے خبردار کر رہا ہوں کہ اس کے ڈیرے پر رشوت خور خفیہ پولیس والوں کا آنا جانا لگا رہتا ہے۔ تمہاری خبر پنجاب پولیس کو مل گئی ہو گی۔ کسی نے تمہیں پہچان لیا تو خوامخواہ پکڑے جاؤ گے۔ نادر کے اپنے آدمی ادھر ادھر بو سونگھتے پھرتے ہیں اور آج کل تو اس کے کچھ آدمی مستقل ڈیرے کے آس پاس چوکی پہرے پر ہوتے ہیں۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"کیوں آج کل ایسی کون سی خاص بات ہے؟" دارا نے نیا سگریٹ سلگاتے ہوئے پوچھا۔

"آج کل اس خبیث نے لاہور شہر کے ایک کروڑ پتی کی اکلوتی بیٹی کو اغوا کر کے ڈیرے میں بند کر رکھا ہے۔ سنا ہے اس کے باپ سے ایک کروڑ روپے کا مطالبہ کیا ہے۔ یہ آج صبح ہی مجھے پتا چلا ہے۔ یارا بھلا یہ بھی کوئی بات ہوئی۔ ماں بہن تو سب کی سانجھی ہوتی ہے خواہ وہ کروڑ پتی ہو چاہے غریب ہو۔ مگر یہ نادر پورا شیطان ہے کسی کی عزت کو عزت نہیں سمجھتا سچ کبھی کبھی تو میرا دل چاہتا ہے کہ جا کر اسے گولی سے اڑا دوں۔ مگر یار اب میں اس بک بک میں نہیں پڑنا چاہتا۔"

"اچھا تم اب یہاں آرام کرو۔ میں تمہارے لئے کھانا لے کر آتا ہوں۔" دارا نے کہا۔

"گھر میں جو پکا ہے لے آنا کوئی خاص تکلف نہ کرنا۔" میاں خان نے گردن ٹیڑھی کر کے مسکراتے ہوئے دارا کو دیکھا۔

"میرا جو آدمی لسی لایا تھا۔ وہ تین مرغیاں فارم سے لے کر اسی وقت چلا گیا تھا اور شام کو شیخوپورے سے راوی کے گھگے بھی آجائیں گے۔" دارا نے مونڈھے سے اٹھ کر ہاتھ ہلاتے ہوئے کہا۔

"نہیں نہیں یار، تم یہ تکلف نہ کرو۔" میاں خان نے کہا۔

"فکر نہیں کرو۔" وہ یہ کہہ کر وہاں سے چل دیا۔ دوپہر ہو گئی تھی۔ آسمان صاف تھا۔ بڑی خوشگوار ہوا چل رہی تھی۔ سردیوں کی آمد آمد تھی۔ سامنے چھوٹے سے کمرے کا دروازہ کھلا تھا۔ دارا اندر چلا آیا۔

روبی چارپائی پر آرام کر رہی تھی۔ دارا کو دیکھ کر اٹھ کر بیٹھ گئی۔ دارا اس کے سامنے مونڈھے پر بیٹھ گیا۔ روبی کہنے لگی۔

"تمہارے دوست نے نادر کے بارے میں جو باتیں بتائی ہیں وہ ساری میں نے سن لی ہیں۔ جس مقصد کو لے کر ہم کراچی سے نکلے ہیں اس کے پہلے معرکے کا وقت آگیا ہے۔ ہمیں اس مظلوم لڑکی کو اس خبیث شیطان کے پنجے سے آزاد کرانا ہو گا۔ جسے اس نے لاہور سے اغوا کر کے اپنے ڈیرے میں بند کر رکھا ہے۔" دارا کی آنکھیں سکڑ گئیں۔ وہ

کھلے دروازے میں سے باہر درختوں کو دیکھ رہا تھا' بولا۔

"یہ فیصلہ میں تم سے پہلے کر چکا ہوں۔" روبی نے کہا۔

مگر اس کی خبر میاں خان کو بالکل نہیں ہونی چاہئے۔" دارا نے روبی سے مشورہ لینے کے انداز میں پوچھا۔

"تو کیا ہم لڑکی کو نکال کر پہلے یہاں نہیں لائیں گے؟ میرا تو خیال ہے کہ ہم پہلے یہاں لے آئیں اور پھر یہاں سے اس کے ماں باپ کے پاس لاہور پہنچا دیں' کیا خیال ہے تمہارا؟" روبی نے تھوڑا سا غور کیا پھر کہنے لگی۔

"کچھ پتا نہیں نادر کے ڈیرے پر لڑکی نکالتے وقت کس قسم کے حالات بن جائیں کیونکہ ہم تو جان کی بازی لگا کر وہاں جائیں گے۔ میں سوچتی ہوں کہیں تمہارے مخلص دوست کے لئے کوئی نئی مشکل نہ کھڑی ہو جائے۔" دارا نے روبی کی طرف دیکھا۔

"تو پھر لڑکی کو وہاں سے لے کر کدھر کا رخ کریں گے۔ کیونکہ یہ بات تو پتھر کی لکیر ہے کہ اگر لڑکی نادر کے ڈیرے پر ہے تو پھر ہم اسے وہاں سے نکال لائیں گے چاہے ڈیرے کے سارے شیطانوں کا خون کیوں نہ کرنا پڑے۔ سوال یہ ہے کہ اس کے بعد لڑکی کو کہاں لے جائیں گے؟ ظاہر ہے لڑکی گھبرائی ہوئی ہو گی۔ ہم میں سے کوئی اکیلا اسے ساتھ لے کر لاہور گیا تو خود ہمارے پکڑے جانے کا اندیشہ ہے۔"

روبی چپ رہی۔ وہ سوچ رہی تھی۔ دارا کہنے لگا۔

"تم فکر نہ کرو' میاں خان بڑا دلیر آدمی ہے۔ وہ لڑکی اس کے ماں باپ تک پہنچانے میں ہماری مدد کرے گا لیکن یہ ٹھیک ہے کہ ہم ابھی اسے کچھ نہیں بتائیں گے۔ میں آج میاں خان سے خبیث نادر کے ڈیرے کے بارے میں کچھ ضروری معلومات حاصل کرنے کی کوشش کروں گا تاکہ ہمارا تیر ٹھیک نشانے پر لگے۔"

میاں خان کا ملازم کھانا لے کر آگیا میاں خان بھی ساتھ تھا۔ اس نے بڑا تکلف کیا ہوا تھا۔ بھنی ہوئی مرغی تھی۔ دو مرغیوں کا سالن تھا۔ ساتھ زردہ اور فرنی بھی بنوائی ہوئی تھی۔ دہی مکھن اور لسی تو بہرحال ساتھ ہوتی ہی تھی۔ بڑا مرغن کھانا تھا۔ روبی' دارا اور میاں خان نے تخت پوش پر بیٹھ کر کھانا کھایا۔ کھانے کے بعد روبی کمرے میں جا کر آرام کرنے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لگی۔ ملازم برتن اٹھا کر لے گیا۔ دونوں دوست باہر تخت پوش پر بیٹھ کر سگریٹ پینے اور باتیں کرنے لگے۔ دارا نے دو چار ادھر ادھر کی باتیں کیں اور پھر نادر کا ذکر چھیڑ دیا۔ کچھ دیر اس کے شیطانی کردار پر نفرین کرتا رہا۔ پھر کہنے لگا۔

"یار میاں خان! یہ نادر ایسا کہاں کا بہرام ڈاکو ہے کہ بندہ اس کے ڈیرے سے فرار ہی نہ ہو سکے۔ آخر وہ انہیں اغوا کرنے کے بعد کون سے غار میں لے جا کر بند کر دیتا ہے؟" میاں خان نے کہا۔

"رکھتا تو وہ انہیں اپنے ڈیرے کے اندر خفیہ جگہ پر ہے مگر وہاں اس کے آدمی چاروں طرف رائفلیں لئے بیٹھے ہوتے ہیں۔ ایک لڑکے نے وہاں سے فرار ہونے کی کوشش کی تھی اسے نادر کے آدمیوں نے وہیں بھون کر رکھ دیا تھا۔" دارا نے سر کھجاتے ہوئے بے نیازی سے کہا۔

"ٹھیک کہتے ہو تم۔ سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ جب نادر کو پوچھنے والا ہی کوئی نہ ہو تو پھر بات ہی ختم ہو جاتی ہے۔"

دارا نے بھی وہیں پر بات ختم کر دی۔

وہ میاں خان کے فارم کی باتیں کرنے لگا۔ اس نے میاں خان سے یہ بھی بڑے طریقے سے معلوم کر لیا تھا کہ نادر بدمعاش کا ڈیرہ وہاں سے کس طرف ہے اور کتنی دور ہے۔ اس سے زیادہ معلومات کی دارا کو ضرورت نہیں تھی۔ شام کو دارا نے روبی سے ساری معلومات بیان کر دیں۔ روبی بولی۔

"ہمیں یہ کام آج رات ہی کر دینا ہو گا۔" دارا نے ماچس کی تیلی چباتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے۔" اور باہر نکل گیا۔

میاں خان نے فارم کے کمرے کے باہر بھی ایک لالٹین جلوا دی تھی۔ دارا کا بستر ساتھ والی کوٹھری میں الگ لگوا دیا تھا۔ باہر ہی بیٹھ کر انہوں نے کھانا کھایا پھر اس وقت تک باتیں کرتے رہے جب تک کہ دارا نے جان بوجھ کر جمائیاں نہ لینی شروع کر دیں۔ میاں خان بولا۔

"اچھا یار تم اب آرام کرو، میں صبح آؤں گا۔" میاں خان چلا گیا۔

دارا کچھ دیر تک اپنی چھوٹی کوٹھری میں جا کر بستر پر لیٹا سگریٹ پیتا رہا پھر اس نے گھڑی میں وقت دیکھا۔ رات کے سوا گیارہ بجنے والے تھے۔ وہ آہستہ سے بستر سے الگ ہوا اور روبی کی کوٹھری میں آ گیا۔ روبی بھی جاگ رہی تھی۔ اس کی کوٹھری کی لالٹین بجھی ہوئی تھی۔ دارا نے آہستہ سے کہا۔

"روبی بہن! ہم ابھی چلیں گے تو بارہ بجے تک نادر کے ڈیرے پر پہنچ سکیں گے۔"

روبی تو پہلے سے تیار تھی۔ وہ باہر نکل آئی کوٹھری کا دروازہ بند کر دیا باہر دیوار کے ساتھ جلتی لالٹین کی روشنی میں انہوں نے اپنے اپنے ریوالور نکال کر میگزین چیک کیا کمانی دار چاقو کھول کر دیکھے اور کوٹھری کے پیچھے سے چار فٹ اونچی دیوار پار کی اور ستاروں کی روشنی میں نادر کے ڈیرے کی طرف چل پڑے۔

وہاں تک کوئی باقاعدہ کچا پکا راستہ نہیں جاتا تھا۔ وہ کھیتوں میں سے ہو کر چلے جا رہے تھے۔ دارا نے نادر بدمعاش کے ڈیرے کی ساری نشانیاں میاں خان سے معلوم کر لی تھیں۔ اس کے علاوہ یہ دیہاتی علاقہ دارا کے لئے نیا اور اجنبی نہیں تھا۔ وہ جب کبھی میاں خان سے ملنے آتا تو گھوڑوں پر سوار ہو کر اس علاقے کی سیر کرتا تھا۔

وہ آگے آگے چل رہا تھا۔ روبی اس کے پیچھے پیچھے تھی۔ کبھی کوئی کھڑی فصل آ جاتی کبھی کٹے ہوئے کھیت شروع ہو جاتے۔ دارا نے مشرق کی طرف ایک خاص ستارے کو سامنے رکھ لیا تھا اور اس کی رہنمائی میں چل رہا تھا۔ کوئی آدھ پون گھنٹہ چلنے کے بعد کچھ فاصلے پر دور درختوں کے سیاہ خاکوں میں روشنی سی ٹمٹماتی دکھائی دی۔ دارا نے روبی کو وہ روشنی دکھا کر کہا۔

"یہ ڈھاڑی گاؤں کے باہر ٹیوب ویل کی روشنی ہے۔ اس کی دائیں جانب نادر کا ڈیرہ ہے۔"

یہاں سے دارا ذرا دائیں جانب ہٹ کر چلنے لگا۔ رات کے اندھیرے میں ان کی آنکھیں عادی ہو گئی تھیں۔ اور اب وہ تیز تیز قدموں سے کھیتوں کی منڈیر سے ہو کر گزر رہے تھے۔ تھوڑی دور تک چلتے رہنے کے بعد ایک کچا راستہ آ گیا۔ انہیں گھوڑے کے ٹاپوں کی آواز سنائی دی دونوں جلدی سے ایک طرف درختوں کے پیچھے ہو گئے۔ سامنے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے ایک گھڑ سوار کا سایہ نظر آیا۔ وہ تیزی سے گھوڑا دوڑاتا ہوا ان کے قریب سے گزر گیا۔ دارا نے روبی سے سرگوشی کی۔

"یہ گھڑ سوار نادر کے ڈیرے سے ہی آیا ہو گا۔"

وہ اٹھے اور درختوں کے نیچے سے ہو کر آگے چل پڑے اب ٹیوب ویل کی روشنی ان کے بائیں جانب رہ گئی تھی۔ دائیں جانب درختوں کا ایک کالا جھنڈ ستاروں بھرے آسمان کے پس منظر میں غبار کی طرح نظر آرہا تھا۔ دارا نے کہا۔

"یہی نادر کا ڈیرہ ہو گا۔ اب محتاط رہنا۔ اس کے آدمی آس پاس پہرے چوکی پر ہوں گے۔ تم اس طرف سے آؤ میں ادھر جاتا ہوں ہم درختوں کے پاس آکر ملیں گے۔" دارا تیزی سے ایک طرف ہو کر آگے بڑھا۔ روبی دوسری طرف چل رہی تھی ابھی وہ دس بارہ قدم ہی گئی ہو گی کہ پیچھے سے کسی نے آواز دی۔

"کون ہے بھئی؟" روبی وہیں دبک گئی۔ مردانہ آواز پھر بلند ہوئی۔ "بولتے کیوں نہیں ہو۔ کون ہو تم میں نے تمہیں دیکھ لیا ہے۔" اس کے ساتھ ہی ایک آدمی دوڑ کر روبی کے سر پر پہنچ گیا۔ اس کے ہاتھ میں رائفل تھی۔

روبی اٹھ کر کھڑی ہوئی۔ اس آدمی نے جب دیکھا کہ سامنے عورت ہے تو رائفل کاندھے سے لٹکالی اور روبی کے گلے میں بازو ڈال کر بولا

"سوہنیو' آدھی رات کو کسے ڈھونڈ رہے ہو۔ ہمارے ساتھ چلو۔" اور اس نے ایک ہلکا سا شیطانی قہقہہ لگایا۔ اور روبی کو دونوں ہاتھوں سے اپنی طرف کھینچنے لگا۔

روبی کا ہاتھ اتنی دیر میں قمیص سے چاقو نکال چکا تھا۔ نادر بدمعاش کے پہریدار بدمعاش نے روبی کے گریبان پر ہاتھ ڈالا ہی تھا کہ اس کا ہاتھ وہیں ڈھلک گیا۔ اوپر کا سانس اوپر رہ گیا۔ روبی کا چاقو اس کے پیٹ کے اندر قمیص کو چاک کر کے دستے تک چلا گیا تھا۔ روبی نے بدمعاش کے پیٹ میں چاقو پوری قوت سے گھونپا تھا اور پھر تین جھٹکے دے کر چاقو کو اوپر تک لے آئی۔ پھر جلدی سے پیچھے ہٹ گئی۔ وہ بدمعاش سن ہو کر رہ گیا تھا۔ اس کے دونوں ہاتھ پیٹ سے باہر نکلی ہوئی انتڑیوں کے جال کو سنبھال رہے تھے۔ جو کٹ چکی تھیں۔ وہ منہ کے بل دھڑام سے گر پڑا۔ دارا بھاگ کر اس کے پاس آیا۔

"کیا ہوا؟" اس نے آتے ہی روبی سے پوچھا اور اندھیرے میں منہ کے بل گرے ہوئے آدمی کو دیکھا اس نے روبی کو للکارتے ہوئے اس کی آواز سن لی تھی۔ مگر اسے بالکل یقین نہیں تھا کہ روبی اس کے وہاں تک پہنچتے پہنچتے نادر بدمعاش کے پہرے دار غنڈہ کو موت کے گھاٹ اتار چکی ہو گی۔ روبی نے چاقو پر لگے خون کو ذرا ذرا تڑپتی لاش کی صدری سے صاف کیا اور بولی۔

"آگے چلو دارا! شاید ایسے پہرے دار آگے بھی ہوں گے۔"

دارا ابھی تک اپنی حیرت پر قابو نہ پا سکا تھا۔ وہ حیران تھا کہ اس لڑکی میں پیشہ ور قاتلوں ایسی مہارت کہاں سے آگئی؟ اس نے مردہ آدمی کی پڑی ہوئی رائفل اٹھائی اور اندھیرے میں آگے بڑھا۔ روبی اس کے پیچھے تھی۔ اس نے چاقو بند کر کے قمیص کے اندر رکھ لیا تھا۔ اور اب بھرا ہوا ریوالور ہاتھ میں تھا۔ ڈیرے کی کچی دیوار کے سامنے پہنچ کر دارا نے بھی رائفل کاندھے سے لٹکالی اور جیب سے ریوالور نکال کر ہاتھ میں لے لیا۔ وہ دیوار کے ساتھ اندھیرے میں آگے بڑھے۔ اچانک دارا نے روبی کو ہاتھ سے رکنے کا اشارہ کیا۔ روبی وہیں رک گئی۔ چند قدم آگے اندھیرے میں اسے ایک سایہ ہلتا ہوا دکھائی دیا۔ نادر بدمعاش کا ایک ساتھی دیوار کے پاس ٹہل کر پہرہ دے رہا تھا۔ دارا دو قدم پیچھے ہٹ کر روبی کے قریب آیا اس کے کان میں کچھ سرگوشی کی اور اس کے ساتھ ہی دونوں زمین پر اوندھے لیٹ کر آہستہ آہستہ آگے کھسکنے لگے۔ غنڈہ بندوق کاندھے سے لٹکائے دیوار سے ہٹ کر کھڑا تھا۔ اس نے جیب میں ہاتھ ڈالا اور سگریٹ نکال کر سلگانے والا تھا جونہی اس نے ہتھیلی کی آڑ میں ماچس جلائی دارا نے اچھل کر اس کی گردن کو اپنے طاقتور بازو کے شکنجے میں کس لیا روبی نے لپک کر ریوالور کی نال غنڈے کی پیشانی سے لگا دی اور وہ اسے گھسیٹتے ہوئے دیوار سے دور اندھیرے میں لے گئے۔ دارا کے ریوالور کی نالی غنڈے کے سینے پر اس کے دل کے عین اوپر لگی ہوئی تھی۔ دارا نے اسے ایک ہلکا سا جھٹکا دیا غنڈے کی آنکھیں باہر ابل آئیں اس کی ابھی تک سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ یہ کیا ہو رہا ہے؟ غنڈے کا سانس بند ہو رہا تھا۔ روبی نے ریوالور جیب میں ڈال کر چاقو نکال لیا اور اس کی نوک غنڈے کی شہ رگ سے لگا کر چاقو کو ذرا دبایا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"بولو' نہیں تو تمہاری لاش یہاں تڑپ رہی ہو گی شہر سے جو لڑکی نادر نے اغوا کی ہے وہ کہاں ہے؟" غنڈے نے ہاتھ اوپر اٹھا کر اشارہ کیا۔ جیسے کہہ رہا ہو بتاتا ہوں۔

دارا نے بازو کا شکنجہ تھوڑا ڈھیلا کیا اور اسے ہلکا سا جھٹکا دے کر ایک بار پھر پوچھا کہ بتا نادر نے اغوا کی ہوئی لڑکی کو کہاں رکھا ہے۔ غنڈے نے تھرتھراتی آواز میں کہا۔

"وہ ڈھاڑی والے مندر میں لے گیا ہے ابھی..... ابھی"

دارا نے اپنا ریوالور نیچے پھینک دیا۔ روبی کے ہاتھ سے چاقو اپنے ہاتھ میں لیا اور اسے غنڈے کی گردن میں گھونپ کر ایک جھٹکے سے اس کی شہ رگ کاٹی اور خون اگلتے جسم کو پرے دھکیل دیا۔ غنڈے کی کٹی ہوئی شہ رگ میں سے خون کا فوارہ اچھل رہا تھا اور وہ تڑپنے لگا تھا۔ دارا نے چاقو صاف کر کے روبی کو دیا۔ زمین پر سے ریوالور اٹھایا اور روبی سے سرگوشی کی۔

"ڈھاڑی والا مندر ٹیوب ویل کے پاس ہی ہے' میں جانتا ہوں میرے ساتھ آؤ۔"

اندھیرے میں غنڈے کی تڑپتی لاش کو وہیں چھوڑ کر وہ نادر کے ڈیرے کی کچی دیوار کے قریب سے ہو کر ٹیوب ویل کی طرف آئے ٹیوب ویل کے باہر کھمبے پر ہلکی سی روشنی والا ایک بلب جل رہا تھا۔ اس کی دائیں جانب ایک چھوٹا سا مندر تھا۔ جو ہندوؤں کے چلے جانے سے کھنڈر بن چکا تھا۔ جن دنوں دارا کا دوست میاں خان باقاعدہ اسمگلنگ کا دھندہ کرتا تھا تو وہ دونوں دوست کبھی کبھی یہاں آکر مال چیک کیا کرتے تھے۔

مندر اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا۔ دارا کو معلوم تھا کہ مندر کی ڈیوڑھی کے آگے ایک دالان ہے جہاں دیوار میں ہنومان کا بت بنا ہوا تھا جسے توڑ دیا گیا تھا۔ مگر اس کا کچھ حصہ ابھی تک دیوار میں باقی تھا۔ اس دالان کی دونوں جانب دو چھوٹی چھوٹی کوٹھریاں تھیں۔ دارا نے روبی کو دھیمی آواز میں مندر کا سارا حدود اربعہ بتایا اور کہا کہ نادر اگر لڑکی کے ساتھ یہاں ہے تو ان دو کوٹھریوں میں سے کسی ایک کوٹھری میں ہی ہو گا۔ یہ چھوٹا سا تکونے مینارے والا مندر ایک احاطے میں بڑے سے چبوترے پر بنا ہوا تھا۔ احاطے کا ایک دروازہ بھی ہوا کرتا تھا۔ جسے لوگ اکھاڑ کر لے گئے تھے۔

روبی اور دارا پھونک پھونک قدم رکھتے احاطے میں داخل ہوئے اس وقت دارا نے

بھی چاقو نکال لیا تھا اسے اطمینان تھا کہ پیچھے نادر کے ڈیرے سے کوئی نہیں آئے گا۔ اس نے اس لئے دونوں غنڈوں کو موت کی نیند سلا دیا تھا۔ مندر کے کھنڈر پر سناٹا اور تاریکی تھی۔ احاطہ بھی خالی پڑا تھا۔ شاید نادر بدمعاش نے یہاں کوئی محافظ مقرر کرنا ضرور نہیں سمجھا تھا۔ کیونکہ ایک طرح سے یہ اس کے ڈیرے کی انیکسی تھی۔ انہوں نے دوڑ کر احاطے کو پار کیا اور پہلے بائیں جانب والی کوٹھری کے پاس آئے۔ یہاں پہلی بار انہیں ایک کمرے سے انسانی قہقہے کی آواز سنائی دی دونوں جلدی سے بیٹھ گئے۔ یہ آواز دوسری کوٹھری کی طرف سے آئی تھی۔ دارا چبوترے کی دیوار کے ساتھ ساتھ لگ کر چلتا ہوا دوسری کوٹھری کے پاس آکر رک گیا۔ روبی اس کے پیچھے تھی۔ اس کے ہاتھ میں بھی کھلا چاقو تھا۔ کوٹھری کا دروازہ بند تھا اور اس کی درازوں میں سے مدھم مدھم روشنی باہر نکلنے کی کوشش کر رہی تھی۔

دارا نے روبی کو دروازے کے پہلو میں دیوار کے ساتھ اندھیرے میں کھڑے ہونے کا اشارہ کیا اور خود کوٹھری کی درز میں سے اندر جھانک کر دیکھا۔ اندر کا منظر بڑا گھناؤنا تھا۔ گورے رنگ کی ایک دبلی پتلی سنہرے بالوں والی لڑکی کو جس کے بدن پر صرف ایک قمیص ہی تھی دو غنڈے چارپائی پر زبردستی لٹا کر اس کے ہاتھ پاؤں باندھ رہے تھے۔ معلوم ہوتا تھا کہ لڑکی میں سکت باقی نہیں رہی تھی۔ وہ بے بسی کے عالم میں اپنا سر دائیں بائیں مار رہی تھی۔ اس کے گلے سے بہت ہی نحیف سی آواز نکل رہی تھی دارا کو ایسے سنائی دیا جیسے وہ ابو جان ابو جان کہہ رہی تھی۔ اس کا خون کھولنے لگا۔ قریب ہی ایک بھاری بدن کا ہٹا کٹا آدمی جس کے ایک ہاتھ میں پستول تھا اسٹول پر صرف تہمد بنیان پہنے بیٹھا آہستہ آہستہ ہنس رہا تھا اور کہہ رہا تھا۔

"تیرے باپ سے مال بھی لیں گے اور ....." دارا نے اپنا چہرہ دروازے کی درز سے پیچھے ہٹایا اور بند دروازے پر دستک دینے کے انداز میں دوبار ہاتھ مار کر جلدی سے اندھیرے میں دیوار کے ساتھ لگ گیا۔ دوسری جانب روبی بھی اندھیرے میں دیوار کے ساتھ لگی ہوئی تھی۔ دروازے پر دستک کی آواز پر اندر سے کسی نے گالی دے کر پوچھا۔

"کون ہے اوئے ....." جب باہر سے کوئی جواب نہیں آیا تو نادر نے اپنے آدمی سے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کہا۔

"دیکھ اوئے کوئی ڈیرے سے نہ آیا ہو۔" دارا نے اپنا سانس روک لیا۔ اس کی گرفت سیدھے ہاتھ میں پکڑے خنجر پر مزید مضبوط ہو گئی اندر سے کسی نے کنڈی اتاری پھر دروازے کا ایک پٹ کھلا اندر کوٹھری میں جو لیمپ روشن تھا اس کی دھندلی سی روشنی باہر آئی۔ ایک غنڈے نے باہر نکلتے ہوئے پوچھا۔

"کون ہے بھئی؟" کوئی جواب نہ پا کر اس نے ادھر ادھر دیکھا اندر سے نادر بدمعاش نے کرخت لہجے میں پوچھا۔

"اوئے کون آیا ہے ڈیرے سے؟" جو غنڈہ باہر آیا تھا۔ بولا۔

"کوئی نہیں نادر بادشاہ! لگتا ہے کسی بلی نے دروازے پر پنجہ مارا ہو گا۔" اندر سے نادر بدمعاش نے گرج کر کہا۔

تو پھر اندر مرو باہر کیا کر رہے ہو۔"

غنڈے نے ایک بار پھر گردن اٹھا کر مندر کے احاطے میں پھیلے اندھیرے پر نگاہ ڈالی اور کوٹھری کی طرف مڑا۔ دارا اسی وقت کا انتظار کر رہا تھا۔ جونہی یہ غنڈہ دروازے کے سامنے آیا۔ دارا نے پیچھے سے اپنا بازو اس کی گردن میں ڈال کر اسے اپنے شکنجے میں لیا اور ایک زور دار جھٹکے کے ساتھ اندھیرے میں کھینچ لیا چاقو سے اس کی گردن کاٹنے کی ضرورت ہی نہیں پڑی تھی۔ دارا نے گردن کو اتنی زور سے جھٹکا اور ایک طرف کو مروڑا تھا کہ غنڈے کی گردن ٹوٹ گئی اور دارا کے بازو میں ایک طرف کو جھک گئی تھی۔ روبی دوسری طرف دیوار کے ساتھ اندھیرے میں کھڑی آنکھیں سکیڑے گھور کر یہ سب کچھ دیکھ رہی تھی۔ کوٹھری کا دروازہ ابھی تک تھوڑا سا کھلا تھا۔

اندر سے نادر بدمعاش نے ایک بار پھر بڑی غلیظ گالی دے کر غنڈے کو آواز دی جب باہر سے کوئی جواب نہ آیا تو وہ بڑبڑاتا گالیاں بکتا ہوا خود ہی دروازے کی طرف آیا دارا اور روبی دونوں جان گئے تھے کہ نادر بدمعاش خود باہر آ رہا ہے۔ دارا کو معلوم تھا کہ نادر کے ہاتھ میں پستول ہے اس نے جلدی سے چاقو صدری میں ڈال کر بھرا ہوا ریوالور ہاتھ میں پکڑ لیا۔ غنڈے کی لاش اس کے قریب ہی چبوترے پر پڑی تھی۔ نادر بدمعاش ادھ کھلے پٹ کو

پاؤں کی ٹھوکر سے کھولتا ہوا کوٹھری سے باہر آ گیا۔ کوٹھری سے آنے والی لیمپ کی ہلکی روشنی میں دارا اور روبی دونوں نے اس کے ہاتھ میں پستول دیکھ لیا تھا نادر بدمعاش نے باہر آتے ہی زہر بھرے لہجے میں اپنے ساتھی غنڈے کو دو بار گالیاں دے کر آواز دی۔ دارا خوب جانتا تھا کہ نادر ایک پرانا بدمعاش ہے اور اس پر ایسی حالت میں قابو پانا کوئی خالہ جی کا گھر نہیں ہے جب کہ پستول اس کے ہاتھ میں بھی ہو۔ وہ اسے سنبھلنے کی مہلت نہیں دینا چاہتا تھا۔ نہ کوئی چانس لینا یا خطرہ مول لینا چاہتا تھا۔ پلک جھپکنے کی غفلت دارا کی موت کا سبب بن سکتی تھی۔ دارا نے ریوالور کی نالی کا رخ نادر بدمعاش کی طرف کیا اور وہ فائر کرنے ہی لگا تھا کہ اندھیرے میں ایک بجلی سی چمکی اور دوسرے ہی لمحے روبی نادر بدمعاش کے بالکل سامنے آ کر اس کے پھولے ہوئے پیٹ میں اپنا چاقو گھونپ چکی تھی۔ اور ایک انتہائی تجربہ کار چاقو باز کی طرح چاقو کو نادر کے پیٹ میں جھٹکے دیتی ناف سے اوپر تک لے گئی۔ اور پھر جس طرح اس کے سامنے آئی تھی۔ اسی طرح لپک کر ایک طرف ہٹ گئی۔ نادر بدمعاش کے حلق سے اونٹ کی بلبلاہٹ کی طرح کی آواز نکلی پستول اس کے ہاتھ سے گر پڑا تھا۔ اس نے دونوں ہاتھوں سی پیٹ پکڑا ہوا تھا۔ پیٹ کے اندر سے خون اور انتڑیاں باہر گر رہی تھیں۔ روبی نے پیچھے آ کر چاقو کا دوسرا وار نادر بدمعاش کی گردن پر کر دیا وہ پہلے لڑکھڑا گیا تھا۔ اس وار سے وہ آگے منہ کے بل گر پڑا۔ دارا نے روبی کو آواز دی۔

"اندر ایک آدمی ہے" اور پھر دوڑ کر کوٹھری میں گھس گیا۔ اس کا خیال تھا کہ جو غنڈہ اندر ہے وہ ضرور فائرنگ شروع کر دے گا۔ ایسی حالت میں گھبرا کر مغویہ لڑکی کو ہلاک کرنے کی کوشش کرے مگر اس غنڈے پر ایک دہشت سی چھا گئی تھی اس نے کوٹھری کے کھلے دروازے کے آگے نادر کے پیٹ پر اور گردن پر چاقو کا حملہ ہوتے دیکھ لیا تھا۔ ابھی وہ اپنے حواس کو سمیٹ ہی رہا تھا کہ ریوالور لئے دارا اس کے سر پر پہنچ گیا۔ اغوا کی ہوئی لڑکی کے صرف پاؤں ہی بندھے ہوئے تھے ہاتھ نہیں بندھے تھے۔ وہ چارپائی پر سیدھی ہو کر بیٹھی پھٹی پھٹی آنکھوں سے باہر دیکھ رہی تھی۔ جہاں اس نے نادر بدمعاش کو گرنے اور اس کے حلق سے بلبلاہٹ کی آواز نکلتے سنی تھی۔ اب ایک اجنبی کو ریوالور کے ساتھ اندر گھستے دیکھا تو اور زیادہ خوف زدہ ہو گئی۔ اور اس کی گھگھی سی بندھ گئی۔ دارا نے لڑکی کی طرف

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کوئی توجہ نہ دی اور پلک جھپکنے میں تیسرے غنڈے کو گردن سے دبوچ لیا یہ غنڈہ نہتا تھا۔ چاقو اس کی دھوتی کی ڈھپ میں تھا۔ مگر اسے چاقو نکالنے کا موقع نہ مل سکا تھا۔ اتنے میں روبی بھی اندر آگئی۔ اپنے سامنے ایک عورت کو دیکھ کر مغویہ لڑکی روتے روتے ایک دم چپ ہو گئی اور ہاتھ جوڑ کر روبی سے التجا کرنے لگی۔

"مجھے میرے ابو کے پاس لے جاؤ۔ میرے ابو کے پا....."

روبی نے اسے کوئی جواب نہ دیا۔ قریب پڑی ایک چادر اٹھا کر لڑکی کی بندھی ہوئی ٹانگوں پر ڈال دی اور اس کے پاؤں کی رسیاں کھولنے لگی۔ تیسرا غنڈہ ابھی تک دارا کے بازو کے مضبوط شکنجے میں تھا۔ دارا نے اسے جھٹکا دے کر پوچھا۔

"ڈیرے پر کتنے بدمعاش ہیں اس وقت؟ کتنا اسلحہ ہے؟" یہ غنڈہ ان لوگوں کو نادر بدمعاش کا خون کرتے دیکھ چکا تھا۔ اس نے بتایا۔

"ڈیرے میں اس وقت کل چار آدمی ہیں اور چار پستول اور دو رائفلیں ڈیرے کی کوٹھری میں چارپائی کے نیچے موجود ہیں۔" دارا نے نادر کے ساتھی غنڈے کی گردن کو ایک طرف گھما کر زور سے جھٹکا دیا اور اس کی گردن توڑ ڈالی یہ شیطان صفت درندہ بھی جہنم رسید ہو گیا۔ اس کی لاش کو وہیں پھینکنے کے بعد دارا نے دیکھا کہ مغویہ لڑکی کپڑے پہن چکی تھی۔

روبی نے اسے ایک چادر بھی اوڑھا دی تھی۔ اس نے لاہور میں اپنے باپ کا ایڈریس بتاتے ہوئے التجا کی کہ اسے اس کے ابو جان کے پاس پہنچا دو۔ روبی نے اسے حوصلہ دیتے ہوئے کہا۔

"فکر نہ کرو ہم یہاں اسی لئے آئے تھے کہ تمہیں ان درندوں سے چھڑا کر تمہارے گھر پہنچا دیا جائے لیکن ابھی صرف ایک منٹ یہاں بیٹھو ہم نادر بدمعاش کے ڈیرے سے ہو کر آتے ہیں۔ خبردار یہاں سے باہر مت نکلنا باہر نادر کے غنڈے ابھی موجود ہیں۔"

لڑکی کو وہیں کوٹھری میں بند کر کے روبی اور دارا نادر بدمعاش کے ڈیرے پر آگئے۔ ڈیرے پر اسی طرح اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ کسی کو یہاں کانوں کان خبر نہیں ہوئی تھی کہ باہر کیا وارداتیں ہو چکی ہیں۔ روبی اور دارا کے ہاتھوں میں ریوالور تھے۔ ڈیرے کے چھوٹے سے

احاطے میں دو آدمی لکڑی کے ایک تخت پر گہری نیند سو رہے تھے۔ زمین پر دو خالی بوتلیں پڑی تھیں۔ دارا نے کوٹھری میں جھانک کر دیکھا اور ایک بڑی چارپائی پر بھی دو آدمی الٹے سیدھے پڑے سو رہے تھے۔ روبی نے دارا کے کان میں سرگوشی کی۔

"ان سانپوں کو بھی اسی جگہ ختم کر دینا ہو گا۔ یہ خاندانوں کی عصمتوں کو ڈستے ہیں۔"

دارا نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ فوراً دونوں نے ریوالور کی جگہ اپنے چاقو نکال لئے اور پہلے کوٹھری میں پڑے دو غنڈوں کی گردنیں کاٹیں اس کے بعد باہر جو غنڈے سو رہے تھے ان کی شہ رگیں کھول دیں۔ یہ غنڈے مرغ بسمل کی طرح تڑپنے لگے۔ روبی نے ان کی طرف کوئی توجہ نہ دی۔ وہ جانتی تھی کہ یہ وہ درندے ہیں جو بہو بیٹیوں کی عزتوں سے کھیلتے ہی نہیں بلکہ ان کا سودا کرتے تھے۔ خاندانوں کو تباہ کر دیتے تھے۔ پھر بھی کسی نہ کسی طرح دنیا کے بنائے ہوئے قانون سے بچ نکلتے تھے۔ مگر آج وہ خاک و خون میں پڑے تڑپ رہے تھے۔ کم از کم یہ درندے اب کسی کی بہن اور بیٹی کی عزت سے نہ کھیل سکیں گے۔ دارا نے چارپائی کے نیچے سے رائفلیں اور پستول نکال لئے۔ اس نے ریوالوروں کی گولیاں نکال کر جیب میں ڈال لیں۔ خالی رائفلیں اور ریوالور وہیں رہنے دیے اور روبی سے کہا۔

"ہم اس لڑکی کو کیسے لاہور لے جائیں گے؟ ہمارے پاس یہاں کوئی جیپ وغیرہ نہیں ہے۔"

روبی نے کہا۔

"ڈیرے کے احاطے میں میں نے درخت کے نیچے دو گھوڑے بندھے دیکھے ہیں شہر کو جانے والی سڑک تک ہم ان گھوڑوں کو استعمال کریں گے۔ آگے کوئی بس وغیرہ پکڑ لیں گے۔ لڑکی کو اکیلے بھیجنا خطرے سے خالی نہیں ہو گا۔"

وہ درختوں کی طرف بڑھے احاطے کے کونے میں ان درختوں تلے دو گھوڑے بندھے ہوئے تھے۔ ایک کتا زور زور سے بھونکنے لگا اس نے دارا پر حملہ کر دیا۔ دارا نے فائر کر کے اس کو وہیں ڈھیر کر دیا۔

فائرنگ کی آواز وہاں سے کوئی دو فرلانگ کے فاصلے پر پولیس کی ایک چھاپہ مار پارٹی نے سنی تو تھانیدار نے ڈرائیور سے کہا۔ "جیپ کو تیز کرو یہ فائرنگ نادر کے ڈیرے پر ہوئی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہے۔" ایک تھانیدار اور چھ سپاہیوں پر مشتمل یہ پولیس پارٹی نادر بدمعاش کے ڈیرے پر منشیات کے ناجائز کاروبار کے سلسلے میں چھاپہ مارنے آئی تھی۔ کیونکہ اوپر سے دفتری روٹین میں آرڈر آیا تھا کہ بدمعاشوں کے ٹھکانوں پر ایک ایک چھاپہ مار کر دو چار لوگوں کو گرفتار کرو۔ تاکہ اخبار میں ہماری کارکردگی کی خبریں چھپیں اور کچھ روز آرام سے گزریں۔ ایسا اکثر ہوا کرتا تھا۔ عام طور پر رشوت خور بد عنوان پولیس افسر بدمعاشوں کو پہلے خبر کر دیتے تھے کہ وہ خود رو پوش ہو جائیں اور گرفتاری کے واسطے دو چار بے خبر آدمیوں کو وہاں رہنے دیں۔ مگر نادر کے ڈیرے پر جو تھانیدار چھاپہ مارنے آیا تھا اس کی نئی نئی یہاں تبدیلی ہوئی تھی اور وہ بڑا دیانت دار اور بہادر اور فرض شناس افسر تھا۔ یہی وجہ تھی کہ نادر بدمعاش کے ڈیرے پر اس چھاپے کی اطلاع نہیں پہنچی تھی۔

روبی اور دارا اس چھاپے سے بے خبر تھے۔ وہ گھوڑے لے کر ڈھاڑی والے مندر میں گئے لڑکی کو باہر نکالا۔ روبی نے اسے اپنے ساتھ گھوڑے پر بٹھا لیا۔ دارا دوسرے گھوڑے پر بیٹھ گیا۔ اور انہوں نے گھوڑوں کی باگیں ان کھیتوں کی طرف موڑ دیں جو شیخوپورہ سے لاہور جانے والی سڑک کی طرف پھیلتے چلے گئے تھے۔ دوسری طرف سے پولیس پارٹی بھی وہاں پہنچ گئی تھی۔ تھانیدار کی جونہی ستاروں کی دھندلی روشنی میں کھیتوں میں سے گزرتے ہوئے گھوڑوں پر نظر پڑی۔ اس نے للکارا۔" ٹھہر جاؤ۔ ورنہ گولی مار دیں گے۔" دارا اور روبی نے پلٹ کر دیکھا۔

کھیت کے کنارے کنارے ان سے کوئی سو فٹ کے فاصلے پر پولیس کی جیپ ان کے برابر چلی جا رہی تھی جیپ میں سپاہی بیٹھے تھے۔ دارا اور روبی نے گھوڑوں کو ایڑ لگائی جونہی ان کے گھوڑوں کی رفتار تیز ہوئی پولیس نے فائر کھول دیا۔ فائرنگ شروع ہوتے ہی تھری ناٹ تھری کے لرزا دینے والے دھماکوں نے گھوڑوں کو بھی بدکا دیا گولیاں روبی اور دارا کے دائیں بائیں ہو کر نکل رہی تھیں۔ وہ گھوڑوں کے اوپر جیسے لیٹ سے گئے تھے۔ گھوڑے کھیتوں میں سرپٹ بھاگے جا رہے تھے۔ ان کھیتوں میں کیچڑ تھا۔ پولیس کی جیپ اندر نہیں آ رہی تھی۔ وہ کھیتوں کے باہر ہی باہر کنارے کے ساتھ ساتھ بھاگتی رہی تھی۔ روبی اور دارا اپنے گھوڑوں کو دائیں بائیں لہراتے ہوئے بھاگ رہے تھے۔ سامنے نہر کا پل آگیا۔

یہاں پہنچتے ہی ایک گولی پل سے ٹکرا گئی۔ دارا کا گھوڑا بدکا اور گھبرا کر وہ بائیں طرف کو گھوم گیا اور برق رفتاری سے مغرب کی طرف کھیتوں میں دوڑنے لگا۔ روبی کا گھوڑا اندھیرے میں مشرق کی طرف ہو گیا تھا۔ پولیس کی جیپ نے دارا کی گھوڑی یا گھوڑے کو مغرب کی طرف مڑتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ پولیس نے اس کے پیچھے جیپ لگا دی۔ تھانیدار کا خیال تھا کہ دوسرا گھڑسوار بھی اسی طرف گیا ہے۔

روبی گھوڑے کو سرپٹ بھگائے لیے جا رہی تھی۔ بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ گھوڑا رائفل کی فائرنگ کے دھماکوں سے بدک کر خود بخود سرپٹ بھاگا جا رہا تھا۔ جدھر کو اس کا رخ ہو گیا تھا وہ اسی سمت بھاگا جا رہا تھا۔ یہ وہ کھیت تھے جو شیخوپورہ لاہور روڈ کے ساتھ جا کر ملتے تھے۔ چاروں طرف رات کا اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ کھیتوں میں دوڑنے کی وجہ سے گھوڑوں کے ٹاپوں کی آواز پیدا نہیں ہو رہی تھی۔ مغویہ لڑکی روبی کے پیچھے اس سے لپٹی ہوئی تھی۔ روبی کو اندازہ ہو گیا تھا کہ گھوڑے کا رخ شیخوپورہ کی جانب ہی ہے چنانچہ تھوڑی ہی دیر بعد اسے دور درختوں میں کہیں کہیں بجلی کی ٹمٹماتی روشنیاں دکھائی دینے لگیں یہ لاہور شیخوپورہ روڈ کی بتیاں تھیں۔ روبی نے باگیں کنٹرول کر کے گھوڑے کی رفتار ہلکی کر دی۔ لڑکی کا برا حال ہو گیا تھا۔ اس نے کبھی دوڑتے گھوڑے کی سواری نہیں کی تھی۔ مگر اس خیال سے اسے تکلیف کا زیادہ احساس نہیں ہو رہا تھا کہ وہ درندوں کی قید سے چھوٹ کر اپنے ابو امی کے پاس جا رہی ہے۔ روبی نے یہاں پہلی بار اس سے پوچھا۔

"تم ٹھیک ہو ناں۔؟" لڑکی نے آہستہ سے ہاں کہا۔ روبی کہنے لگی۔" پولیس پارٹی تھی اس نے چھاپہ مارا تھا۔ ہو سکتا تھا کہ اگر نادر بدمعاش زندہ ہوتا تو پولیس پارٹی کو دیکھ کر تمہیں وہاں سے کہیں اور پہنچا دیتا۔" لڑکی خاموش رہی کمزوری اور خوف سے اس کا دماغ ماؤف سا ہو چکا تھا۔ وہ دل میں صرف ایک ہی جملہ دہرا رہی تھی۔ "یا اللہ تیرا شکر ہے یا اللہ تیرا شکر ہے" کیونکہ اللہ کی رحمت سے وہ ان درندہ صفت بدمعاشوں کے ڈیرے سے اپنی عزت بچا کر لے آئی تھی۔

گھوڑا ایک کھیت سے نکل کر لاہور شیخوپورہ روڈ پر آگیا اس زمانے میں..... ان سڑکوں پر ٹرکوں ویگنوں کا ابھی اتنا ٹریفک شروع نہیں ہوا تھا۔ جتنا آج کل دیکھنے میں آتا ہے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سڑک رات کے سناٹے میں دور تک سنسان پڑی تھی۔ لڑکی نے کہا۔

"میں تھک گئی ہوں پلیز مجھے نیچے اتار دو۔"

روبی نے اسے نیچے اتارا پھر خود بھی گھوڑے سے نیچے اتر آئی اب وہ پکی سڑک سے اتر کر کچے میں شیشم کے درختوں تلے اندھیرے میں لاہور کی طرف چل رہی تھیں۔ یہاں پہلی بار روبی نے لڑکی سے اس کا نام پوچھا۔ لڑکی نے بتایا کہ اس کا نام شبانہ ہے وہ لاہور کے ایک کالج میں فورتھ ائیر کی اسٹوڈنٹ ہے اور اس کے باپ کا بہت بڑا کاروبار ہے اور شہر کے باہر ان کا بنگلہ ہے۔ شبانہ نے روبی سے پوچھا کہ وہ کون ہے اور رحمت کا فرشتہ بن کر کیسے اس کی مدد کو پہنچی؟ روبی نے آہستہ سے کہا۔

"تمہیں یہ سب کچھ جاننے کی ضرورت نہیں۔" وہ اندھیرے میں کبھی کبھی پیچھے مڑ کر سڑک پر دیکھ لیتی تھی کہ کہیں پولیس کی گاڑی یا گھڑ سوار تو اس کے پیچھے نہیں آرہے ہیں روبی نے سوچا کہ گھوڑے کو چھوڑ دینا چاہیئے۔ کیونکہ شہر قریب آرہا ہے وہ شہر میں گھوڑے پر سوار ہو کر گئیں اور کسی نے دیکھ لیا تو پولیس کو خبر ہو جائے گی دو گھڑ سوار عورتیں اس طرف سے گزری تھیں۔ روبی نے گھوڑے کا منہ پیچھے کی طرف موڑ کر اسے بھگا دیا شیخوپورہ شہر کی سول لائنز کی روشنیاں قریب آگئی تھیں۔ روبی اور شبانہ سڑک پر آگئی تھیں۔ انہیں بالکل خبر نہیں تھی کہ وہ شیخوپورہ سول لائنز کی پولیس چوکی سے صرف ساٹھ قدم کے فاصلے پر ہیں اور پھر ایک طرف سے پولیس کا سنتری اچانک سڑک پر نکل آیا اور اس نے دونوں عورتوں کو رکنے کا اشارہ کر کے پوچھا۔

"کون ہو تم بی بی اتنی رات گئے کہاں سے آرہی ہو؟"

سہمی ہوئی لڑکی روبی کے پیچھے ہو گئی۔ روبی پولیس کے سپاہی کو گھور کر دیکھنے لگی۔